انبیاءِ قرآن

(موسیٰؑ، عیسیٰؑ)

سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

انبیاء قرآن

(موسیٰؑ، عیسیٰؑ)

تالیف

سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی

دارالثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔انبیاء قرآن (موسیٰؑ، عیسیٰؑ)

تالیف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی

ناشر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

طبع اول۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔محرم الحرام ۱۴۲۵ ہجری قمری

نَتۡلُوۡا عَلَيۡكَ مِنۡ نَّبَاِ

مُوۡسٰى وَ فِرۡعَوۡنَ

بِالۡحَقِّ لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ

''ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کی سچی خبر سنا رہے ہیں

اور

ان لوگوں کیلئے جو ایمان لانے والے ہیں''

(قصص/۳)

عرض ناشر

"دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان" پہلے دن سے اسلامی افکار ونظریات کے داعی کی نیت سے وجود میں آیا ہے اس کے ہاتھ ہر قسم کی عصبیتِ قومی اور مذہبی کی آلودگیوں سے پاک اور منزہ رہے ہیں اسکے ایک ہاتھ میں قرآن کریم اور دوسرے ہاتھ میں سنت رسول کریمؐ رہے ہیں جہاں قرآن کریم میں کمی یا ابہام نظر آیا وہاں سنت کی طرف رجوع کیا کیونکہ خود قرآن کریم کی راہنمائی کے تحت سنت وسیرت رسول کریمؐ سے ہی شریعت اپنی تکمیل کو پہنچتی ہے گرچہ سند اصلی قرآنی ہی کو حاصل ہے قرآن سے متصادم کوئی حدیث قابل قبول نہیں ہے قرآن کریم اس روئے زمین پر وہ واحد کتاب ہے جو تمام اقدار وفضائل کی محافظ و پاسدار ہے قرآن کریم کی باطل کے خلاف جنگ میں اس کا اوّلین اور مؤثر ترین حربہ اقدار وفضائل ہیں مسلمان اقوام وملل کے ہاں جاتے وقت اقدار وفضائل کا تحفہ لے کر جاتا ہے اور جہالت، عصبیت، مفاد پرستی اور بت پرستی کی آلودگیوں میں رہنے والی شخصیات سے آلودگیوں کو صاف کر کے پیش کرتا ہے اسی سلسلے کی ایک کوشش قصص انبیاء قرآن ہیں کیونکہ تورات اور انجیل نے جہاں انبیاء الٰہی کی چہرے کو مسخ کیا ہے وہاں انھوں نے نبی کریمؐ کے ساحت مقدس کے حق میں ہر قسم کی جسارت آمیز حرکات کرنے والوں کی معاونت اور حوصلہ افزائی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے صاحبان اقدارِ عالی کبھی بھی برے کردار کے حامل داعیوں کے ساتھ معاملہ مثل نہیں کرتے ہیں گرچہ اس وقت یہود ونصاریٰ اس کوشش میں مصروف ہیں کہ وہ کسی نہ کسی طریقے سے نبی اسلامؐ حامل قرآن کے حق میں جسارت کرنے کی راہ ہموار کریں تاہم اہل قرآن اپنے اس موقف پر قائم ہیں کہ وہ مقابلہ بل مثل کر کے انبیاء اسلامی کی جسارت نہیں کرتے ان سے دفاع کرنے کو اپنا اولین فریضہ سمجھتے ہیں بلکہ ان کا ایمان تکمیل نہیں ہوتا ہے جب تک ان انبیاء پر ایمان نہ لائیں لہٰذا ان کی منطق اور مسلمانوں کی منطق پہلے دن سے

الگ ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ جبکہ اسلام کی منطق یہ ہے کہ سب خدا کے منتخب بندے ہیں ایک دوسرے میں فرق نہیں کرتے۔ "دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان" نہ کسی فقیہ و مجتہد کی ترجمانی کا مجلّہ ہے نہ کسی مفکر کا بلکہ یہ علمی، فکری حوالے سے ان نابالغ بچوں کا ترجمان مجلّہ کی مانند ہے جو مکتب اسلام کے نصاب قرآن وسنت سے یاد کئے ہوئے اسباق کو یہاں اس مجلّے میں خواہشمند بچوں کیلئے پیش کرتے ہیں۔ "دارالثقافۃ الاسلامیہ" کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اسلام کے اصلی ثقافت اور دخیل ثقافت کو الگ الگ کرے ایک مثالی ثقافت پیش کرے ایک ثقافت جسے قرآن نے اپنی لغت نامے سے منہا کیا ہے وہ کلمہ "غلام" ہے دین اسلام نے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کی ثقافت قائم کی ہے چنانچہ پیغمبر اسلامؐ نے ابتداء ہی میں زید بن حارثہؓ کو غلامی میں لیا اور بعد میں اسے آزاد کیا پھر اسے اپنا بیٹا ہونے کا اعزاز بخشا پھر حقیقت اور مجازی میں خلت باقی نہ رکھنے کی خاطر اس رواج کو بھی ختم کیا لہٰذا اسلام غلام خرید کر کے آزاد کرتا ہے نہ کہ آزادوں کو غلامی میں لیتا ہے۔ انبیاء کی سیرت طیبہ میں ایسا کوئی نمونہ آپ کو نہیں ملے گا کہ انھوں نے کسی آزاد انسان کو اپنی غلامی میں لیا ہو بلکہ انبیاء کو غلاموں کو ان کے آقاوں کی چنگل سے آزاد کروانا ان کی بعثت کے اہداف میں سے ہے۔ قرآن وسنت کے پیروکاروں کو چاہیے وہ اپنی ثقافت کو قرآن وسنت سیرت انبیاء کے سانچے میں ڈال کر اپنائیں۔

ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید:

الحمدلله الذى جعلنامن المتمسكين باالقرآن العظيم و بسيدنا و امامنا خاتم النبين والانبياء والمرسلين والائمة المعصومين و صحبه المنتجبين عليهم صلواة الله وصلواة المصلين نتبرامن اعدائهم واعداء الله اجمعين من المشركين والكافرين من اولين والآخرين من الآن الیٰ قيام يوم الدين۔

حمدوثناء صرف اس ذات کے لئے مخصوص ہے جس نے انسان کو عقل جیسی عظیم نعمت سے نوازا جو انسان کیلئے ہادی و حجت باطنی ہے تا کہ اس کی صفتِ حیوانیت کو لجام دے سکے۔ جس نے انسانوں میں سے بعض ہستیوں کو اصطفیٰ کیا تا کہ ان کے اندر موجود حجت کی تائید و نصرت کے ساتھ ان میں موجود کمی اور نقص و خلل کو پُر کیا جا سکے۔ حمد و ستائش اس ذات کیلئے سزاوار ہے جس نے ہر نبی کو وقت اور حالات کے تقاضوں کے اعلیٰ وارفع اور درخشاں آیات سے لیس کیا۔ حمد اس ذات کیلئے جس نے اپنے آخری نبیؐ کو ایک ایسی نشانی کے ساتھ مبعوث کیا کہ جس پر ایمان لانے والے خود بھی سمجھ و درک کر سکتے ہیں اور دوسروں کو بھی افتخار و اعزاز کے ساتھ دکھا سکتے ہیں اس نشانی کا نام ''قرآنِ کریم اور تورات'' جسے خداوند متعال نے سورۂ ھود آیت ۱۷ کے تحت امام قرار دیا ہے:

﴿ومن قبله كتٰب موسٰى اماماو رحمةً﴾ ''اور اس کے پہلے موسٰی کی کتاب گواہی دے رہی ہے جو قوم کیلئے امام و رحمت تھی'' اسی طرح حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا: ﴿عليكم بالقران فاتخذوه اماما قائدا﴾ ''تمہیں چاہیئے کہ اس کتاب کو امام و قائد انتخاب کریں''۔ اس کتاب میں کسی قسم کی تغیر پذیری کی گنجائش نہیں۔ یہ کتاب گذشتہ آسمانی کتب پر بھی قیم ہے جنھیں یہود و نصاریٰ نے ضد و نقیض، کہانیوں، افسانوں سے پُر کیا اپنے انبیاء کے

پاک چہروں کو آنے والی نسلوں کیلئے مسخ کر کے پیش کیا۔ اگر یہ کتاب ''قرآن'' نہ ہوتی تو انبیاء کی شخصیت دنیا کے دیگر نوابغ بشر سے بھی دو درجہ نیچے گر کر ایک انسانِ افسانوی تک رہ جاتی۔

عصر حاضر کی تصنیفات و تالیفات کا اکثر و بیشتر حصہ اپنے مصادر و ماخذ کی نقل یا اس کے خلاصہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان میں جدت و ابتکار نامی چیز یا تو بالکل ہی ناپید ہے یا انتہائی کم اور نہ ہونے کے برابر ہے۔ آج کل کے مصنفین و مؤلفین پر اطلاعات کا عنصر غالب ہے۔ اگر کوئی تصنیف و تالیف، معلومات و ابتکار سے خالی ہو تو ایسی کتاب کو نئی تصنیف کہنے کی بجائے نئی طباعت کہنا مناسب ہوگا۔ ہر مصنف و مولف کو چاہیے کہ وہ قدیم چیزوں کے تکرار سے گریز کرے اور نئی چیزوں اور نئی آگاہیوں سے اس بیش قیمتی خزانے کو پر کرے، منقولات پر زیادہ انحصار کرنے کی بجائے معقولات کو بھی شامل کرے۔ تالیفات و تصنیفات میں روز افزوں اضافہ ایسا ہی ہے جیسے شرح آبادی بڑھ رہی ہے۔ جہاں شرح آبادی میں زیادہ اضافہ کو روکنے کیلئے خاندانی منصوبہ بندی والے میدان میں اترے ہیں وہاں شرح تکثیر کتب کی منصوبہ بندی کا قانون بھی سامنے آ سکتا ہے، یہ تحریک بھی چل سکتی ہے۔ کسی انسان کی تالیفات و تصنیفات اس کی اولاد کی مانند ہوتی ہیں چنانچہ جس طرح تمام اولاد ایک جیسی نہیں ہوتی، اسی طرح اس کی تمام تصنیفات و تالیفات بھی ایک جیسی نہیں ہو سکتیں۔ لیکن ان میں سے افضل و بہتر کی تشخیص و انتخاب اس کے مرکزی عناصر سے وابستہ ہوتا ہے۔ جس طرح کسی انسان کے وجود کا دارومدار اس کے دل و زبان پر ہے ان دونوں کی حرکت اس کی زندگی اور حیات کا واضح ثبوت ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی کتاب کی شناخت اس کے موضوع اور انداز بیان سے ہوتی ہے۔ مصنفین و مؤلفین کو یہ جان لینا چاہیے ان کی کتابوں کے موضوعات اور انداز بیان نقد و انتقاد کی تند و تیز ہواؤں سے محفوظ نہیں رہ سکتے، وہ کسی وقت بھی ان کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ایسی ہواؤں سے صرف وہی تعمیرات محفوظ رہ سکتی ہیں جسکی بنیادیں محکم و پائیدار ہوں۔ ہمیں اپنی تصنیفات و تالیفات کے بارے میں نقد و انتقاد کی تند و تیز ہواؤں سے محفوظ رہنے کی کوئی زیادہ امید نہیں اور نہ ہی کسی کو ایسی امید رکھنی چاہیے ہاں یہ بات اپنی جگہ مسلمہ

ہے کہ اُس کتاب میں ان چیزوں کے نقد وانتقاد سے محفوظ رہنے کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا جن کے لئے آیات قرآن کریم اور سنت معصومینؑ سے استناد کیا گیا ہو۔اس کتاب میں دین اسلام میں اس کی اصل اور قطعی ودائمی عقیدہ نبوت پر اور ضرورت نبوت اور ضرورت بعثت انبیاء علیہم السلام سے متعلق دیگر امور' ان کی شرائط وصفات نیز انبیاء کی ذمہ داریوں اور ان کی حیاب طیبہ کے بارے میں تمام تر اعتماد اور بھروسہ آیات قرآن کریم پر کیا گیا ہے کیونکہ اگر ہم پیچھے مڑ کر دیکھیں تو ان ذوات پاک کی حیات طیبہ پر مشتمل معلومات کے لیے ہمیں کتب عہدین تورات وانجیل کے علاوہ کوئی مصادر و ماخذ میسر نہیں آتا ہے جبکہ قرآن کریم نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا ہے ان دو کتابوں میں یہودیوں نے تحریف کے بازار کو خوب گرم کیا ہے، قلم تحریف سے وہ کھیل کھیلا ہے کہ اب تورات وانجیل اعتماد کے قابل نہیں رہیں۔

لہٰذا ہمارے پاس واحد مصدر وماخذ صرف قرآن کریم ہے جو بلا شبہ اعتماد و بھروسہ کے قابل ہے۔ اس کے علاوہ ہم قرآن کریم سے موافقت ومطابقت رکھنے والی ان روایات پر بھی بھروسہ کر سکتے ہیں جنکے صحیح ہونے اور آیات قرآن سے مطابقت رکھنے کی علمائے رجال سے سند ملتی ہو۔

انبیاء قرآن میں:

﴿ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحًا وآل ابراھیم وآل عمران علی العٰلمین﴾ ''بے شک اللہ نے آدم' نوح' آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام عالمین پر برگزیدہ فرمایا ہے'' (آل عمران/۳۳) ﴿ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا﴾ ''اور ہم نے اس کتاب کا وارث انھیں بنایا جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تھا'' (فاطر/۳۲) ﴿ولقد اصطفینٰہ فی الدنیا وانہ فی الاخرۃ لمن الصٰلحین﴾ ''ابراہیم کو تو ہم نے دنیا میں برگزیدہ بنالیا اور آخرت میں ان کا شمار صالحین میں ہوگا'' (بقرہ/۱۳۰) ﴿اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلاً ومن الناس﴾ ''اللہ

فرشتوں اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب کرتا ہے'' (حج/۷۵) ص ۴۷ نمل ۵۹۔

خدا کے یہ منتخب بندے لوگوں کو ظلمت اور تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لائے اور بشریت کے لیے نمونہ قائم کیا۔ یہ ہستیاں ہر قسم کے رزائل ومعصیت سے پاک ومنزہ ہیں۔جنکی شان میں قرآن کریم فرماتے ہیں۔

﴿وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار۔واذکر اسمٰعیل والیسع وذالکفل وکل من الاخیار﴾ ''اور وہ ہمارے نزدیک یقیناً برگزیدہ نیک افراد میں سے تھے۔اور (اے رسول) اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے یہ سب نیک لوگوں میں سے ہیں'' (ص/۴۷،۴۸) ﴿اولٰئک الذین انعم اللہ علیھم من النبین من ذریۃ اٰدم وممن حملنا مع نوحٍ ومن ذریۃ ابرٰھیم واسرآئیل وممن ھدینا واجتبینا﴾ ''اولاد آدم میں سے وہ انبیاء ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا اور ان میں سے جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں اٹھایا اور ابراہیم واسرائیل کی اولاد میں سے اور ان لوگوں میں سے جنھیں ہم نے ہدایت دی اور برگزیدہ کیا'' (مریم/۵۸) ﴿اولٰئک الذین اٰتینٰھم الکتٰب والحکم والنبوۃ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی'' (انعام/۹۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام:۔

حضرت ابراہیمؑ جس کی شان میں سورۂ مریم آیت ۴۱ میں ''صدیق'' اور نحل آیت ۱۲۳ میں ''حنیف'' اور نساء آیت ۱۲۵ میں ''خلیل'' کہا ہے:

﴿واذکر فی الکتٰب ابراھیم انہ کان صدیقًا نبیًا﴾ ''اور اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے یقیناً وہ بڑے سچے نبی تھے'' (مریم/۴۱) ﴿ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابرٰھیم حنیفًا﴾ ''اس کے بعد ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ ابراہیم حنیف کے طریقہ کا اتباع کریں'' (نحل/۱۲۳) ﴿واتخذ اللہ ابرٰھیم خلیلًا﴾ ''اور ابراہیم کو تو اللہ نے

اپنا دوست بنایا ہے'' (نساء/۱۲۵)

لیکن کتب عہدین میں حضرت ابراہیم کا تعارف اس انداز میں کروایا گیا ہے حضرت ابراہیمؑ نے حاکم مصر کے سامنے اپنی بیوی کو اپنی بہن کہا اور سارا سے بھی کہا تم ایک خوبصورت عورت ہو مجھے ڈر ہے بادشاہ مجھے قتل کرے اور تم سے شادی کرے لہٰذا تم کہو یہ میرا بھائی ہے آیا کوئی معمولی انسان بھی ایسا کہہ سکتا ہے جو اپنی جوان بیوی کو جھوٹ سکھائے اور خود بھی جھوٹ بولے۔ جس کی تفصیل آپ قصۂ ابراہیم میں ملاحظہ کریں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام:

﴿ویعقوب اولی الایدی والابصار﴾

''اور یعقوب کو یاد کیجئے جو طاقت اور بصیرت والے تھے'' (ص/۴۵) مریم ۴۹۔

لیکن کتب عہدین میں ہے حضرت اسحاق علیہ السلام کے دو بیٹے تھے ایک کا نام عیسو اور دوسرے کا نام یعقوب تھا جب اسحاق نابینا ہوئے تو انھوں نے اپنا جانشین مقرر کرنے کے لیے عیسو سے کہا میرے لیے کباب بنا کر لاؤ تاکہ میں تم کو خلعت سے نوازوں وہ شکار پر چلا گیا یعقوب کو ان کی ماں نے کہا کباب بنا کر اسحاق کو پیش کر دو تاکہ وہ خلعت ان کو پہنائے چنانچہ یعقوب نے گوسفند ذبح کر کے اسحاق کے پاس رکھا اور اسحاق نے اسے عیسو سمجھ کر نبوت کا منصب ان کو دے دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام:

﴿ولقد اتینا داؤد وسلیمٰن علمًا﴾ ''اور بتحقیق ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا'' (نمل/۱۵) ﴿ولقد اتینا داؤد منا فضلاً﴾ ''اور بتحقیق ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضیلت دی'' (سبا/۱۰) ﴿واذکر عبدنا داؤد ذاالاید انه اوّاب﴾ ''ہمارے بندے داؤد کا قصہ بیان کیجئے جو طاقت کے مالک اور (اللہ کی طرف) بار بار رجوع کرنے والے تھے'' (ص/۱۷)

لیکن کتب عہدین میں ہے داؤد نے اپنے لشکر کے رئیس ''اوریا'' کی بیوی کے حسن و جمال

سے متاثر ہو کر ''اوریا'' کو میدان جنگ میں بھیجا اور پیغام بھیجا اسے اگلی صفوں میں لڑنے کیلئے بھیجا جائے تاکہ یہ قتل ہو جائے۔ جسکے بعد انھوں نے ان کی بیوی سے شادی کی اور وہ حاملہ ہوگئی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام:

﴿و سلیمٰن و ایوب و یوسف و موسی و ھرون و کذٰلك نجزی المحسنین﴾ ''سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کی بھی اور نیک لوگوں کو ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں'' (انعام/۸۴)

﴿ووھبنا لداؤد سلیمٰن نعم العبد انه اواب﴾ ''اور داؤد کو ہم نے سلیمان (جیسا بیٹا) عطا کیا، بہترین بندہ، کثرت سے اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا'' (ص/۳۰)

لیکن کتب عہدین میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا تعارف اس انداز میں کروایا گیا ہے حضرت سلیمان بت پرستوں کی لڑکیوں سے عشق و محبت کرتے تھے اس غرض کیلئے انھوں نے بت خانہ بنوانے کا حکم دیا۔ انھوں نے سات سو سے زیادہ لڑکیوں کو اپنے عقد میں لایا۔

نوح جنھیں سورۂ اسراء کی آیت ۳ میں عبد شکور کہا گیا ہے:

﴿انه کان عبدًا شکورًا﴾ ''نوح یقیناً بڑے شکر گزار بندے تھے''

لیکن تحریف شدہ کتب عہدین تورات اور انجیل میں انکا تعارف اس انداز سے کروایا گیا ہے: سفر تکوین ۲۰، میں حضرت نوحؑ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ نوح نے ابتداء میں جب اپنی ذمہ داری کا آغاز کیا تو سب سے پہلے انگور کا پودا لگایا اور اس سے شراب بنا کر پی۔

۱۔ حضرت لوط علیہ السلام:

لوط جن کے لیے خداوند عالم نے ان آیات میں یوں ذکر کیا ہے:

﴿واسمٰعیل والیسع ویونس ولوطًا وکلًّا فضلنا علی العٰلمین﴾

"اوراسماعیل، یسع، یونس اور لوط بھی بنائے اور سب کو عالمین سے افضل وبہتر بنایا" (انعام/۸۶) ﴿ولوطًا اذقال لقومه اتاتون الفاحشة ماسبقكم بهامن احدٍمن العلمين﴾ "اور لوط کو یاد کرو کہ جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم بدکاری کرتے ہو اس کی تو تم سے پہلے عالمین میں کوئی مثال نہیں ہے" (اعراف/۸۰) ﴿فامن له لوط وقال انی مهاجرالیٰ ربی﴾ "پھر لوط ابراہیم پر ایمان لے آئے اور انھوں نے کہا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کر رہا ہوں" (عنکبوت/۲۶) ﴿فما كان جواب قومه الاان قالوااخرجوا اٰل لوطٍ من قريتكم انهم اناس يتطهرون﴾ "توان کی قوم کا بس یہی جواب تھا کہ وہ کہیں لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں" (نمل/۵۶)

لیکن سفر تکوین اصحاح ۱۹ میں یوں لکھا ہے لوط نے اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا اور ہر ایک سے ایک فرزند پیدا ہوا۔

۲۔ہارون:۔

جن کا ذکر سورۂ طٰہٰ آیت ۹۰ میں آیا ہے:

﴿ولقدقال لهم هٰرون من قبل يٰقوم انمافتنتم به وان ربكم الرحمٰن فاتبعونی واطيعوا امری﴾ "اور ہارون نے ان سے پہلے کہہ دیا تھا: اے میری قوم! بے شک تم اس کی وجہ سے آزمائش میں پڑ گئے ہو جب کہ تمہارا پروردگار تو رحمٰن ہے لہٰذا تم میری پیروی کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو"

انکے لئے یہ دشمنان انبیاء سفر خروج میں کہتے ہیں۔ ہارون نے خود گوسالہ بنایا اور لوگوں کو اس کی پرستش کی دعوت دی۔

انجیل میں حضرت مسیح کے لیے کہتے ہیں مسیح سولی پر فوت ہوئے۔ مسیح نے خدا پر کفر کیا لہٰذا انھیں سولی پر چڑھایا گیا یہودیوں کے نزدیک جو شخص سولی پر چڑھایا جائے اسے ملعون کہتے ہیں۔ انجیل میں ہے یہود نے مسیح کو طلب کیا تاکہ ان کو قتل کریں کیونکہ ان کے عقیدے کے تحت

وہ کافر ہو گئے تھے۔ خود ان کے شاگردوں میں سے ایک شخص "یہوذہ بوطی" کو طمع لالچ دے کر ان تک پہنچایا اور انہیں اس وقت گرفتار کیا جب وہ خدا سے مناجات کر رہے تھے۔ چنانچہ ان کو پکڑ کر "دارولانی" لے گئے جہاں صبح جمعہ انھیں سولی چڑھایا گیا اور عصر کے وقت اتار کر دفنایا گیا۔ نصاریٰ کا یہ گمان ہے کہ وہ آقا بننے کے لیے نہیں بلکہ خدمت کے لیے آئے تھے اور انھوں نے اپنے نفس کو لوگوں کے فدیہ میں پیش کیا۔

انبیاء کے بارے میں مسلمانوں کے اعتقاد:۔

مسلمان گرچہ اپنے اعتقادات، عقل، قرآن اور روایات سے اخذ کرتے ہیں لیکن آخری برگشت قرآن ہی کی طرف ہوتی ہے۔ تمام علماءِ فریقین روایات میں ضعیف السند اور جعلیات کے نفوذ ہونے پر متفق ہیں اور اسکے تدارک کیلئے روایات کی صحت کی کسوٹی "قرآن کریم" کو قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح علماء نے اس حقیقت کو بھی تسلیم کیا ہے کہ ہماری عقل کلّیات کے ادراک میں خود کفیل ہونے کے باوجود جزئیات میں خلا اور کمی کی حامل ہے۔ قرآنِ کریم نے مسلمانوں کو گذشتہ انبیاء کے بارے میں یوں ایمان لانے کا حکم دیا ہے:

۱۔مومنین گزشتہ آسمانی کتب پر بھی ایمان رکھتے ہیں

﴿والذين يؤمنون بماانزل اليك وماانزل من قبلك وبالاخرة هم يوقنون﴾ "جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں" (بقرہ/۴)

۲۔ ہم انبیاء میں فرق نہیں کرتے:

﴿وماانزل الى ابراهيم واسمٰعيل واسحٰق ويعقوب والاسباط ومااوتی موسٰی وعيسٰی وماالنبيون من ربهم لانفرق بين احدٍمنهم﴾ "اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولادِ یعقوب کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسٰی اور عیسٰی اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی

تھی ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے‘‘ (بقرہ/۱۳۶)

۳۔ تمہارے لئے دین وشریعت وہی ہے جو ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ لائے:

﴿شرع لکم من الدین ما وصّٰی به نوحًا والذی اوحینآ الیك وما وصینا به ابراهیم وموسٰی وعیسٰی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه﴾ ’’اس نے تمہارے لئے دین کا وہی دستور معین کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا‘‘ (شوریٰ/۱۳)

۴۔ تمہارے باپ ابراہیمؑ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے:

﴿ملة ابیکم ابرٰهیم هو سمّٰکم المسلمون﴾ ’’یہ تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا‘‘ (حج/۷۸)

۵۔ یہود ونصاریٰ اور صابئی میں سے جو بھی خدا اور رسولؐ پر ایمان رکھتا ہو وہ ناجی ہے:

﴿ان الذین اٰمنوا والذین هادوا والنصٰرٰی والصٰبئین من اٰمن بالله والیوم الاٰخر وعمل صالحًا فلهم اجرهم عند ربهم﴾ ’’یقین جانو کہ نبی عربی کو ماننے والے ہو یا یہودی، عیسائی ہوں یا صابی؛ جو بھی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے‘‘ (بقرہ/۶۲)، مائدہ/۶۹، حج/۱۷، انعام/۷۷۔

۶۔ خداوندِ عالم نے آدمؑ، نوحؑ اور ابراہیمؑ منتخب کیا:

﴿ان الله اصطفٰی اٰدم ونوحًا واٰل ابراهیم واٰل عمران علی العٰلمین﴾ ’’بے شک اللہ نے آدم، نوح، آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو تمام عالمین پر برگزیدہ فرمایا ہے‘‘ (آل عمران/۳۳)

۷۔ اہلِ تورات اور انجیل اپنی کتب کے مطابق فیصلہ کریں:

﴿ولیحکم اهل الانجیل بما انزل الله فیه ومن لم یحکم بما انزل الله فاولٰئك

هم الفسقون﴾ ’’اور اہلِ انجیل کو چاہیے کہ وہ ان احکام کے مطابق فیصلے کریں جو اللہ نے انجیل میں نازل کئے ہیں اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ فاسق ہیں‘‘ (مائدہ/۴۷)

۸۔ یہ کتاب اپنے سے پہلے آنے والی کتب کی تصدیق کرتی ہے:

﴿واٰمنوا بمآ انزلت مصدقًا لما معکم﴾ ’’اور میری اس نازل کردہ کتاب پر ایمان لاؤ جو تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے‘‘ (بقرہ/۴۱)

﴿نزل علیك الکتٰب بالحق مصدقًا لما بین یدیه وانزل التورٰة والانجیل﴾ ’’اس نے حق پر مبنی ایک کتاب (اے محمدؐ) آپ پر نازل کی جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کر رہی ہے اور اس نے توریت وانجیل کو نازل کیا‘‘ (عمران/۳) عمران/۵۰

۹۔ انبیاءؑ ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں:

﴿تلك الرسل فضلنا بعضهم علیٰ بعض﴾ ’’ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے‘‘ (بقرہ/۲۵۳)

۱۰۔ بعض اہلِ کتاب امین ہیں:

﴿ومن اهل الکتاب من ان تامنه بقنطار یوده الیك﴾ ’’اہل کتاب میں کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اس کے اعتماد پر مال و دولت کا ایک ڈھیر بھی دے دو تو وہ تمہارا مال تمہیں ادا کر دے گا‘‘ (آل عمران/۷۵)

اس کے بلمقابل یہود ونصاریٰ نے اپنے ماننے والوں کو کیلئے یہ تبلیغات اور یہ باتیں کرتے ہیں:

(۱) جنت میں یہود یا نصاریٰ جائیں گے:

﴿وقالوا لن یدخل الجنة الامن کان هودًا او نصٰرٰی﴾ ’’اور وہ کہتے ہیں: جنت میں یہودی یا نصرانی کے علاوہ کوئی ہرگز داخل نہیں ہوسکتا‘‘ (بقرہ/۱۱۱)

(۲) جنت صرف ہمارے لئے مخصوص ہے:

﴿قل ان کانت لکم الدارالاخرۃ عنداللہ خالصةً من دون الناس﴾ ''کہہ دیجئے: اگر اللہ کے نزدیک دارآخرت دوسروں کے بجائے خالصتاً تمہارے ہی لئے ہے'' (بقرہ/۹۴)

(۳) ہم فرزندانِ خدا ہیں:

﴿وقالت الیھود والنصٰری نحن ابنٰٓؤا اللہ و احبآئہ﴾ ''اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں'' (مائدہ/ ۱۸)

(۴) امّیین کو ہمارے اوپر کوئی حق نہیں:

﴿قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل﴾ ''وہ کہتے ہیں: ناخواندہ (غیر یہودی) لوگوں کے بارے میں ہم پر کوئی ذمے داری نہیں ہے'' (آل عمران /۷۵)

(۵) یہود و نصاریٰ کہتے تھے ''ابراہیم یہودی تھے'':

﴿ماکان ابرٰھیم یھودیًا و لا نصرانیًا﴾ ''ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی'' (آل عمران/ ۶۷)

انبیاءؑ کا اپنی قوم سے خطاب

۱۔ ﴿انی نذیر لکم مبین﴾ ''میں تم لوگوں کو صاف صاف خبردار کرتا ہوں'' (ہود/ ۲۵)

۲۔ ﴿یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہٍ غیرہ﴾ ''اے برادرانِ قوم، اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے'' (اعراف/ ۵۹)

۳۔ ﴿ابلغکم رسٰلٰت ربی و انصح لکم﴾ ''تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں میں تمہارا خیر خواہ ہوں'' (اعراف/ ۶۲)

۴۔ ﴿الا تتقون﴾ ''کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟'' (شعراء/ ۱۰۶)

۵۔ ﴿وما اسئلکم علیہ من اجرٍ﴾ ''میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں'' (شعراء/ ۱۰۹)

۶۔ ﴿وما انا بطارد الذین اٰمنوا﴾ ''میں اس کام پر تم سے کوئی مال نہیں مانگتا'' (ہود/ ۲۹)

۷۔ ﴿ولا اقول للذین تزدری﴾ ''اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں'' (ہود/ ۳۱)

۸۔ ﴿یقوم استغفروا ربکم﴾ ''اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے معافی چاہو'' (ہود/ ۵۲)

۹۔ ﴿ان اللہ ربی و ربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم﴾ ''اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا رب بھی لہٰذا تم اسی کی بندگی اختیار کرو، یہی سیدھا راستہ ہے'' (آل عمران/ ۵۱)

۱۰۔ ﴿یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہٍ غیرہ﴾ ''اے برادرانِ قوم، اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے'' (اعراف/ ۶۵)

۱۱۔ ﴿اوعجبتم ان جآئکم ذکر من ربکم علیٰ رجلٍ منکم﴾ ''کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس خود تمہاری اپنی قوم کے ایک آدمی کے ذریعہ سے تمہارے رب کی یاددہانی آئی'' (اعراف/ ۹۶)

۱۲۔ ﴿واتقوا الذی امدکم بما تعلمون﴾ ''تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو'' (شعراء/ ۱۳۲)

۱۳۔ ﴿اتجادلوننی فی اسمآءٍ سمیتموھا﴾ ''کیا تم مجھ سے ان ناموں پر جھگڑتے ہو'' (اعراف/ ۷۱)

۱۴۔ ﴿ولا تطیعوا امر المسرفین۔ الذین یفسدون فی الارض ولا یصلحون﴾ ''ان بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے

ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے'' (شعراء/ ۱۵۱، ۱۵۲)

۱۵۔ ﴿یابت لم تعبد مالا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنك شیئًا﴾ ''ابا جان' آپ کیوں ان چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں؟'' (مریم/۴۲)

۱۶۔ ﴿یابت انی قد جآئنی من العلم مالم یاتك فاتبعنی اهدك صراطًا سویًا۔ یابت انی اخاف ان یمسك عذاب من الرحمٰن﴾ ''ابا جان' میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ ابا جان، مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمٰن کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں'' (مریم/۴۳، ۴۵)

۱۷۔ ﴿قال هل یسمعونكم اذ تدعون۔ او ینفعونكم او یضرون﴾ ''اس نے پوچھا کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ یا یہ تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟'' (شعراء/۷۲، ۷۳)

۱۸۔ ﴿یابت لا تعبد الشیطٰن﴾ ''ابا جان، آپ شیطان کی بندگی نہ کریں'' (مریم/۴۴)

۱۹۔ ﴿ساستغفر لك ربی﴾ ''میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کر دے'' (مریم/۴۷)

قوموں کے جوابات

۱۔ ﴿لئن لم تنته ینوح لتکونن من مرجومین﴾ ''اے نوح، اگر تو باز نہ آیا تو پھٹکارے ہوئے لوگوں میں شامل ہو کر رہے گا'' (شعراء/۱۱۶)

﴿لئن لم تنته یلوط لتکونن من المخرجین﴾ ''اے لوط، اگر تو ان باتوں سے باز نہ آیا تو جو لوگ ہمارے بستیوں سے نکالے گئے ہیں اُن میں تو بھی شامل ہو کر رہے گا'' (شعراء/۱۶۷)

۲۔ ﴿وانا لنظنك من الکذبین﴾ ''اور ہمیں گمان ہے کہ تم جھوٹے ہو'' (اعراف/۶۶)

۳۔ ﴿وما نریٰ لکم علینا من فضلٍ بل نظنکم کٰذبین﴾ ''اور کوئی ایسی بات بھی نظر نہیں آتی جس سے تمہیں ہم پر فضیلت حاصل ہو بلکہ ہم تو تمہیں کاذب خیال کرتے ہیں'' (ہود/۲۷)

۴۔ ﴿قالوا ینوح قد جدلتنا فاکثرت جدالنا﴾ ''اے نوح تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت کر لیا'' (ہود/۳۲)

۵۔ ﴿وما نحن بتارکی الھتنا﴾ ''اور تیرے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے'' (ہود/۵۳)

۶۔ ﴿ماجئتنا ببینة﴾ ''تم کوئی نشانی تو لائے نہیں'' (ھود/۵۳)

۷۔ ﴿ان نقول الا اعترٰك بعض الھتنا﴾ ''ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے'' (ھود/۵۴)

۸۔ ﴿قالوا سوآءٌ علینا اوعظت ام لم تکن من الوٰعظین۔ ان ھذا الا خلق الاولین۔ وما نحن بمعذبین﴾ ''انھوں نے جواب دیا تو نصیحت کر یا نہ کر، ہمارے لئے سب یکساں ہے۔ یہ باتیں یوں ہی ہوتی چلی آئی ہیں۔ اور ہم عذاب میں مبتلا نہیں ہونے والے نہیں ہیں'' (شعراء/ ۱۳۶ سے ۱۳۸)

۹۔ ﴿انا وجدنا اٰبآئنا علیٰ امةٍ وانا علیٰ اٰثٰرھم مقتدون﴾ ''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم اُنہی کے نقش قدم کی پیروی کر رہے ہیں'' (زخرف/۲۳)

۱۰۔ ﴿قالوا اجئتنا لنعبد الله وحده ونذر ما کان یعبد اٰبآؤنا﴾ ''انھوں نے جواب دیا کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ ہی عبادت کریں اور اُنھیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں'' (اعراف/۷۰)

۱۱۔ ﴿فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصدقین﴾ ''اچھا تو لے آؤ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو سچا ہے'' (اعراف/۷۰)

۱۲۔ ﴿یصلح قد کنت فینا مرجوًا قبل هذا﴾ ''اے صالح، اس سے پہلے تو ہمارے درمیان ایسا شخص تھا جس سے بڑی توقعات وابستہ تھیں'' (ہود/۶۲)

۱۳۔ ﴿اتنهنا ان نعبد ما یعبد اباٰئنا﴾ ''کیا تو ہمیں اُن معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے'' (ہود/۶۲)

۱۴۔ ﴿انت من المسحرین﴾ ''تو محض ایک سحر زدہ آدمی ہے'' (شعراء/۱۵۳)

۱۵۔ ﴿قالوا تقاسموا بالله لنبیتنه و اهله ثم لنقلن﴾ ''انہوں نے آپس میں کہا خدا کی قسم کھا کر عہد کرلو کہ ہم صالح اور اس کے گھر والوں پر شبخون ماریں گے'' (نمل/۴۹)

۱۶۔ ﴿قال اراغب انت عن الهتی یا ابراهیم﴾ ''ابراہیم، کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟'' (مریم/۴۶)

۱۷۔ ﴿لئن لم تنته لارجمنك﴾ ''اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا'' (مریم/۴۶)

امتوں کا انبیاء کے ساتھ رویہ

۱۔ انبیاء سے روگردانی اور بے اعتنائی:

﴿وان کان کبر علیك اعراضهم﴾ ''تاہم ان لوگوں کی بے رُخی تم سے برداشت نہیں ہوتی'' (انعام/۳۵)

۲۔ انھیں جھوٹا قرار دینا:

﴿کذب الذین من قبلهم فاتهم العذاب﴾ ''ان سے پہلے بھی بہت سے لوگ اسی طرح جھٹلا چکے ہیں'' (زمر/۲۵)

۳۔ خدا اور رسول سے جنگ لڑنے کیلئے مسجدوں کو مورچہ بنانا:

﴿والذین اتخذو مسجدا ضراراً و کفر و تفریقا بین المومنین وارصاد لمن حارب الله و رسوله من قبل﴾ ''کچھ اور لوگ ہیں جنھوں نے ایک مسجد بنائی اس غرض کیلئے کہ (دعوتِ حق کو) نقصان پہنچائیں اور (خدا کی بندگی کرنے کے بجائے) کفر کریں اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں اور (اس بظاہر عبادتگاہ کو) اس شخص کیلئے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور اس کے رسولؐ کے خلاف برسر پیکار ہو چکا ہے'' (توبہ/۱۰۷)

۴۔ وسعت صدر کا دعوی کرکے اپنی برائیوں کو چھپانا:

﴿ما نرٰك اتبعك الا الذین هم اراذلنا بادی الرای و ما نری لکم علینا من فضل﴾ ''اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم میں سے بس ان لوگوں نے جو ہمارے ہاں اراذل تھے بے سوچ سمجھے تمہاری پیروی اختیار کرلی ہے اور ہم کوئی چیز بھی ایسی نہیں پاتے جس میں تم لوگ ہم سے کچھ بڑھے ہوئے ہو'' (ہود/۲۷)

۵۔ موقع و محل پر انکی اہانت کرنا اور تمسخر اڑانا:

﴿ولقد استهزی برسل من قبلك﴾ ''مذاق تم سے پہلے بھی رسولوں سے اُڑا چکا ہے'' (انبیاء/۴۱)

۶۔ انھیں مجنوں اور دیوانہ کہنا:

﴿قالوا یا یها الذی نزل علیه الذکر انك لمجنون﴾ ''یہ لوگ کہتے ہیں اے وہ شخص جس پر یہ ذکر نازل ہوا ہے، تو یقیناً دیوانہ ہے'' (حجر/۶)

۷۔ انھیں خوش باور لوگوں کی باتوں میں آنے والا قرار دینا:

﴿ومنهم الذین یوذون النبی ویقول هو اذن قل اذن خیر لکم یومن بالله﴾ ''ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو اپنی باتوں سے نبی کو دکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص کانوں کا کچا ہے وہ تمہاری بھلائی کیلئے ایسا ہے اللہ پر ایمان رکھتا ہے'' (توبہ/۶۱)

۸۔ انھیں تہمت لگانے والا کہنا:

﴿قالو انما انت مفترٍ﴾ ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم یہ قرآن خود گھڑتے ہو'' (نحل/۱۰۱)

۹۔ انھیں جادوگر اور ساحر قرار دینا:

﴿ان ھذا السحرٌ مبین﴾ ''یہ شخص تو کھلا ہو جادوگر ہے'' (یونس/۲)

﴿ھذا سحرٌ﴾ ''یہ ساحر ہے'' (ص/۴)

۱۰۔ انھیں سحر زدہ قرار دینا:

﴿اذیقول الظلمون ان تتبعون الا رجلا مسحورًا﴾ ''یہ ظالم آپس میں کہتے ہیں کہ یہ تو ایک سحر زدہ آدمی ہے'' (اسراء/۴۷)

﴿انت من المسحرین﴾ ''تو محض ایک سحر زدہ آدمی ہے'' (شعراء/۱۵۳)

۱۱۔ انھیں کوئی اکساتا ہے یا یہ کسی سے متاثر ہیں:

﴿ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمه بشر﴾ ''ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ تمہارے متعلق کہتے ہیں کہ اس شخص کو ایک آدمی سکھاتا پڑھاتا ہے'' (نحل/۱۰۳)

۱۲۔ ان پر ہمارے بتوں کا قہر ہوا ہے:

﴿ان نقول الا اعتراك بعض الھتنا بسوء﴾ ''ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے'' (ھود/۵۴)

۱۳۔ انھیں لڑائی جھگڑا کرنے والا قرار دینا:

﴿قالوا یا نوح قد جادلتنا فاکثرت جدالنا﴾ ''آخر کار ان لوگوں نے کہا کہ اے نوح، تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت کر لیا'' (ھود/۳۲)

۱۴۔ لوگوں کو گمراہ کرنے والا قرار دینا:

﴿ماضل صاحبکم وما غوی﴾ ''تمہارا رفیق نہ بھٹکا ہے نہ بہکا ہے'' (نجم/۲)

﴿قال یقوم لیس بی ضللة﴾ ''نوح نے کہا اے برادرانِ قوم، میں کسی گمراہی

میں نہیں پڑا ہوں'' (اعراف/۶۱)

۱۵۔ انھیں شاعر کہنا:

﴿ام یقولون شاعر﴾ ''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے'' (طور/۳۰)

۱۶۔ متکبر اور غرور کرنے والا کہنا:

﴿سیعلمون غدًا من الکذاب الاشر﴾

''عنقریب انھیں معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا اور متکبر کون ہے'' (قمر/۲۵)

۱۷۔ دھوکہ باز قرار دینا:

﴿ما وعدنا اللہ و رسولہ الا غرورًا﴾ ''خدا اور رسول نے ہم سے صرف دھوکہ دینے والا وعدہ کیا ہے'' (احزاب/۱۲)

۱۸۔ چور قرار دینا:

﴿وما کان لنبی ان یغل﴾ ''کسی نبی کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ خیانت کرے'' (آل عمران/۱۶۱)

۱۹۔ انھیں حاسد کہنا:

﴿فسیقولون بل تحسدوننا﴾ ''پھر یہ کہیں گے کہ تم لوگ ہم سے حسد رکھتے ہو'' (فتح/۱۵)

۲۰۔ یہ کہنا کہ یہ بغیر دلیل و شاہد کے بات کرتا ہے:

﴿قالو یھود ما جئتنا ببینة﴾ ''ان لوگوں نے کہا اے ھود تم کوئی نشانی تو لائے نہیں'' (ھود/۵۳)

۲۱۔ شیطان کی باتوں میں آئے ہیں:

﴿ھل انبئکم علی من تنزل الشیطین﴾ ''کیا ہم آپ کو بتائیں کہ شیطان کس پر نازل ہوتے ہیں'' (شعراء/۲۲۱)

۲۲۔ اقتدار کا خواہاں قرار دینا:

﴿فقال الملأ الذین کفروا من قومه ماهذا الا بشر مثلکم یرید ان یتفضل علیکم﴾ ”ان کی قوم کے کافر رؤساء نے کہا کہ یہ تمھارے ہی جیسے انسان ہیں جو تم پر برتری حاصل کرنا چاہتے ہیں“ (مومنون/۲۴)

۲۳۔ یہ غیب کی دعوت دیتے ہیں:

﴿ولقد راه بالافق المبین ، وما هو علی الغیب بضنین﴾ ”اور اس نے فرشتہ کو بلند افق پر دیکھا ہے، اور وہ غیب کے بارے میں بخیل نہیں ہے“ (تکویر/۲۳،۲۴)

۲۴۔ یہ نئے تمدن و ترقی کے خلاف ہیں اور لوگوں کو بے گھر کرنا چاہتے ہیں:

﴿وقال الملأمن قوم فرعون اتذر موسٰی وقومه لیفسدوا﴾ ”فرعون سے اس کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسٰی اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑ دے گا کہ وہ ملک میں فساد پھیلائیں“ (اعراف/۱۲۷)

﴿قالوا ان هٰذٰن لسٰحرٰن یریدون ان یخرجکم من ارضکم بسحرهما ویذهبا بطریقتکم المثلٰی﴾ ”یہ دونوں تو محض جادوگر ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری زمین سے بے دخل کردیں اور تمہاری مثالی طریقِ زندگی کا خاتمہ کردیں“ (طٰہٰ/۶۳)

۲۵۔ آزادی اور استقلال کے خلاف ہیں:

﴿او ان نفعل فی اموالنا ما نشٰؤا﴾ ”یا اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں“ (هود/۸۷)

۲۶۔ ان کی پیروی نقصان دہ ہے:

﴿لئن اتبعتم شعیبا انکم اذاً لخسرون﴾ ”اگر تم شعیب کا اتباع کرلو گے تو تمہارا شمار خسارہ والوں میں ہوجائے گا“ (اعراف/۹۰)

۲۷۔ جاہل و بے وقوف ہیں:

﴿قال یقوم لیس بی سفاهةٌ﴾ ”اُس نے کہا اے برادرانِ قوم میں بے عقلی میں مبتلا نہیں ہوں“ (اعراف/۶۶)

۲۸۔ پُرانی کہانیوں اور خوابوں کی بات کرتا ہیں:

﴿بل قالوا اضغاث احلامٍ﴾ ”وہ کہتے ہیں بلکہ یہ پراگندہ خواب ہیں بلکہ یہ اس کی من گھڑت ہے“ (انبیاء/۵)

قصص انبیاءؑ کے قارئین کے اہداف کیا ہونے چاہیے؟

جس طرح کسی کتاب کے مصنف کے سامنے اہداف ہوتے ہیں اسی طرح قارئین کرام کا بھی اپنی قرائت میں اہداف رکھنا ضروری ہے قصص انبیاء کے قاری درج ذیل اہداف سے بے نیاز نہیں ہوسکتے ہیں:

۱۔ سیرت پاک انبیاءِ عظام سے آگاہی ہے چنانچہ خداوند عالم نے اس سلسلہ میں ہمارے نبی کریمؐ اور ابراہیم خلیل کے بارے میں صریح طور پر فرمایا کہ تمہارے لئے ان کی حیات میں حسنہ ہے لہٰذا حضرت موسٰی اور حضرت عیسٰی جیسے اولی العزم پیغمبروں کی حیات طیبہ بھی ہمارے لئے نمونہ اور مینار ہدایت کی اہمیت رکھتی ہیں۔

۲۔ تاریخ کے سب سے ظالم و جابر حکمران جو رہتی دنیا تک ظلم وستم کا ایک نمونہ بن کر رہے ہیں ان کے بارے میں علم و آگاہی حاصل کرتا ہے تاکہ ہر وہ شخص جو اپنے وقت کے حکمران کے خلاف قیام کرتے وقت اندھا دھند اقدام نہ کرے بلکہ خود کو موسٰی کلیم کی سیرت طیبہ کے سانچے میں ڈھال کر موسٰی کے پیرو نمائندہ بن کر ظالم و جابر حکمران کا مقابلہ ومبارزہ کرے۔

۳۔ اس وقت کی قوم وملت کی فکری سطح کو سامنے لانا چاہیے کہ اس وقت کے لوگوں کی فکری سطح کس درجہ پر تھی چنانچہ قصۂ حضرت موسٰیؑ کے بارے میں وارد آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کے لوگوں کی ذہنیت حقائق سے بالکل دور خیالات و وہمیات اور غیر حقائق افکار میں

غرق تھی یعنی وہ لوگ سحر کو حقیقت سمجھتے تھے، فرعون کو اپنی قوم کے ساحران کے سحر پر بہت زیادہ امیدیں تھیں۔ کس نبی کو ایسی قوم سے سامنا نہیں کرنا پڑا ہوگا جو وہمیات وخیالات میں اتنی غرق ہو جسکا حضرت موسیٰؑ کو سامنا کرنا پڑا، قوم موسیٰؑ سحر کی انتہائی منزل پر پہنچی ہوئی تھی فرعون کی حکومت کی بنیادیں قوم کی اسی فکر کی بنیاد پر قائم تھی لہٰذا خداوند عالم نے حضرت موسیٰؑ کو بیک وقت دو معجزے سے نوازا ایک ''ید بیضاء'' اور دوسرا ''عصاء''۔ ان دونوں کے علاوہ بھی خداوند عالم نے جتنے معجزے موسیٰؑ کے ہاتھوں سے جاری کیے ہیں وہ کسی اور نبی کے ہاتھوں سے نہیں جاری کیے۔ خاتم الانبیاء سے جب مشرکین نے معجزہ طلب کیا تو خداوند عالم نے آیت نازل کی کہ کیا انھیں معجزہ کیلئے یہ کتاب کافی نہیں جو ان پر تلاوت ہوتی ہے یعنی قرآن کے علاوہ دوسرا معجزہ نہیں دیا جبکہ موسیٰؑ کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو نو معجزات دیئے لہٰذا قصۂ موسیٰ میں ہدایت اور حقیقت کی متلاشی کو اس نکتہ پر بخوبی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ سحر اور معجزہ میں کیا فرق ہے حضرت موسیٰؑ کے معجزہ کو سب سے پہلے ساحرین نے تسلیم کیا لہٰذا وہ موسیٰ پر ایمان لائے۔ اس وقت ہدایت طلب کرنے والوں کو سحر اور معجزہ کے بارے میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا چاہیے تاکہ فیصلہ کرسکیں کہ وہ اپنے آپ کو قوم فرعون میں رکھیں گے یا قوم موسیٰ میں شامل کریں گے۔

''سحر'' یعنی غیر حقائق، دھوکہ بازی، چشم بندی، فکر کی بندش جمودِ فکری اور اوزار کا استعمال کرنا۔

''معجزہ'' یعنی حقیقت جسے سب دیکھ سکیں اور سب درک کرسکیں یعنی معجزہ کو دیکھنے میں کوئی چیز فاصلہ نہ ہو، اس فرق کو ذہن میں رکھنے کے بعد جب ہم اس زمانے کی قوموں کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ نظر آتا ہے کہ اس وقت کے ساحرین سحر کو معجزہ کے نام سے اچھے طریقے سے چلا رہے ہیں۔ چند سال سے تو بہت کامیابی سے یہ سلسلہ چلا ہے۔ لیکن جو معجزہ موسیٰ نے اثبات حقانیت کیلئے کئے ہیں اور وہ معجزات جو اس وقت ساحرین نے کئے ہیں ان میں چند بنیادی فرق ہیں:

۱۔ عصاء موسیٰ کے بارے میں جو معجزہ کا اوزار تھا اور جس کے پھینکنے سے ازدھا بن جاتا تھا وہ صرف موسیٰ کے ہاتھوں سے ہی ازدھا بنتا تھا ایسا کبھی نہیں آیا کہ عصاء موسیٰ ان کی نیابت میں ہارون کے ہاتھوں ازدھا بنا ہو لیکن اس وقت ہر گلی، محلے کے ٹرسٹی اور بانی حضرات جداگانہ معجزہ نمائی کرتے ہیں ہر پرچم سے معجزہ رونما ہو رہا ہے۔

۲۔ حضرت موسیٰؑ نو معجزات کرنے کے باوجود کسی وقت بھی اپنے ماننے والوں سے ایک دانا اناج، ایک پیسہ چندہ کا مطالبہ نہیں کیا جبکہ اس وقت کے معجزہ سازوں نے ملک کے طول وعرض سے کثیر رقم اس مد میں جمع کی ہے کسی جگہ معجزہ ہونے کا مطلب معجزہ ساز بانیان کا پیسہ جمع کرنا اور عقیدتمندوں کیلئے پیسہ ڈالنا ضروری ہوتا ہے۔

۳۔ موسیٰ نے معجزہ غیر عقیدتمندوں کو دکھایا تاکہ وہ تسلیم کریں جیسے دربار فرعون میں دکھایا پھر مجمع عام میں پوری قوم اور ساحرین کو دکھایا کہ میرے پاس یہ نشانی رب العالمین ذات حق ہے، ساحرین نے معجزۂ موسیٰ کو دیکھ کر کہا کہ ہم موسیٰ کے وہارون پر ایمان لائے۔ جبکہ اس وقت کے معجزہ کرنے والے اسے قبول نہ کرنے والوں سے کہتے ہیں کہ آپکا عقیدہ صحیح نہیں ہے اس لئے آپ کو نظر نہیں آرہا ہے گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس معجزہ کرنے والوں اور موسیٰ معجزہ میں بڑا فرق ہے۔

۴۔ گزشتہ انبیاءِ اپنے مخالفین کیلئے معجزہ دکھاتے تھے تاکہ وہ ایمان لائیں اور اس وقت معجزہ صرف ان پر ایمان لانے والے ہی دیکھ سکتے ہیں اس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ یہاں معجزہ وہی دیکھتے ہیں جو پہلے سے ان معجزہ سازوں سے گٹھ جوڑ کئے ہوئے ہیں۔

اب ہر قاری اگر اس وقت خود کو موسیٰ کلیم کی جگہ پر دیکھتا ہے کہ اسے وقت کے فرعون اور معاشرہ کے ساحرین کا سامنا ہے تو اس کو زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہئے اسے اس جملے کو یاد کرنا چاہئے جس میں حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ میرے رب نے وعدہ دیا ہے کہ میرے رہنمائی کریگا چنانچہ خداوند عالم نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کے سامنے فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کرتے ہوئے دکھایا یہاں سے ہر وقت داعیانِ الٰہی کو چاہئے کہ وہ اپنے سلسلہ

دعوت کو جاری رکھیں فرعون کے حامیوں کو ان کے انجام تک پہنچانا انبیاء کا کام نہیں انھیں انجام تک پہنچانا صرف اس ذات کا کام ہے وہ جب چاہیں گے تو چند لمحوں میں کر کے دکھائیں گے اس کے وعدہ پر بھروسہ ہونا چاہئے اس جیسی اور بھی نصیحتیں اور عبرتیں اس قصہ مبارکہ میں موجود ہیں، صرف توجہ اور عبرت حاصل کرنے اور پڑھنے والوں کی ضرورت ہے۔

ہم اس سلسلہ میں مزید کچھ تمہید میں بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتے ہیں آخر میں ہم اس قصہ کی تدوین اور تصحیح وتزئین میں معاون ومددگار برادران کی قدردانی کرتے ہیں اور رب موسیٰ وعیسیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس وقت کے فراعین وساحران اور خیانت کاروں کے دریا پار کرنے کی توفیقات عنایت کرے اور من وسلویٰ مادّی کے بجائے معنوی ومعارف کی من وسلویٰ سے نوازے۔

آخر میں اپنے مالک ومعبود برحق کے حضور میں سربسجدۂ شکر ہوں کہ اس نے مجھے نعمت صحت، سلامتی اعضاء وجوارح اور حواسِ ظاہری وباطنی سے نوازنے کے ساتھ اپنے پسندیدہ دین اور رہبرانِ حقیقی سے دفاع کرنے کی توفیق عنایت کی، میں اسکی اس نعمت عظمیٰ کا شکر کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ اس نے مجھے اس سلسلہ میں ایسے مخلص وباصفا دوست واحباب کی معاونت میں رکھا، جنکی معاونت میں وہی منطق شامل تھی، جسے ذات باری تعالی نے اپنے رسولوں کی زبان سے کہلوایا ہے کہ: ہم تجھ سے کسی قسم کے اجر کے خواہاں نہیں' کیونکہ یہ خدمات مادی اجرت سے بالا ہیں۔ ایسے موقعہ پر مجھے اپنے مالک ومعبود کے سامنے تقصیر وکوتاہی پر شرمندگی ہوتی ہے۔ لہذا میں خدائے بزرگ وبرتر سے مغفرت کا خواہاں ہوں۔

ساتھ ہی خداوندمتعال سے دعا ہے اس کتاب کی تالیف میں جتنے بھی تیرے نزدیک پسندیدہ حقائق درج ہیں اسکی اجر میں میرے ساتھ میرے معاونین کرام کو بھی برابر کا شریک قرار دے کیونکہ وہ ان حقائق کو صفحۂ قرطاس پر لانے میں برابر کے شریک ہیں۔ اگر اس میں کوتاہی یا نعوذ باللہ کوئی غلط بیانی ہے تو ان برادران کو اس تقصیر سے معاف

رکھنا۔ جن برادران نے اس کتاب کی تدوین میں معاونت کی وہ یہ احباب ہیں جناب برادر خادم حسین صاحب سلمہ، جناب برادر مبشر حسین صاحب سلمہ، جناب برادر فیاض حسین صاحب، جناب برادر محمد جاوید صاحب، جناب برادر سید ناصر علی شاہ نقوی صاحب، جناب برادر محمد باقر صاحب، خدا ان سب کو حفظ وامان میں رکھے اور اس عالم میں اجر جلیل وجمیل سے نوازیں اور انبیاء واولیاء کی قرب وجوار نصیب کریں وآخر دعونا الحمدللہ رب العالمین۔

سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی
محرم الحرام ۱۴۲۵ ہجری قمری

قصہ حضرت موسیٰؑ

قصہ:

قصہ بروزن فعلہ ہے۔ قصہ بمعنی تتبع اور پیچھا کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ جب حضرت موسی علیہ سلام کی مادر گرامی نے انھیں تابوت میں بند کر کے دریائے نیل میں بہایا تو موسی کی بہن نے اس کا پیچھا کیا یہاں لفظ ''قصیہ'' استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح حضرت موسی جب عبد صالح کی تلاش میں نکلے اور جب دونوں واپس آئے تو یہاں بھی قرآن میں لفظ ''قصص'' استعمال ہوا ہے۔

قصہ خبر، حدیث، حقیقت بیان اور تعبیر کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورہ یوسف میں ہے۔ ''نحن نقص'' چنانچہ قصہ خبر دینے کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

قصص انبیاء امت سلف وخلف قصص قیادت کے قائد ورہنما ہے قصص انبیاء ومرسلین اسوہ قیادت و بری کے روشن اور بلند ترین مینار ہیں۔ عصر حاضر کے قائدین اور داعیان حق جب ان بلند و بالا مینارِ انوار کی طرف سر بلند کر کے دیکھتے ہیں تو انکے سروں پر موجود قیادت و رہبری کا تاج زمین بوس ہو جاتا ہے۔ اور جب اپنی نگاہ نیچے کرتے ہیں تو ضمیر اور وجدان میں غیرت رکھنے والے مور چونٹی کی مانند اپنے کردار و گفتار کو دیکھ کر خود اپنے من اور منیّت کے وار سے چور چور ہو جاتے ہیں۔ انکا ضمیر، وجدان صحیح ادارک کر لیتا ہے کہ ''چہ نسبت خاک پارا بہ ثریا'' لیکن تقاضائے ضمیر و وجدان سے بے بہرہ اور محروم افراد کمال بے شرمی اور بے حیائی کی آخری منزل کو پہنچ کر تمام دنیوی امتیازات اور فیض یابی سے لطف اندوز ہونے کے باوجود خود لوگوں سے بہتر اور افضل ہونے کی احادیثوں کا ورد کرتے ہیں۔ جو قصص انبیاء ومرسلین کتب فریقین نے کتب عہدین سے اپنی کتب میں محفوظ کیں ہیں۔ وہ موجودہ زمانے میں رقص، عیش ونوش اور فحاشی میں مستغرق انسانوں کے لئے اچھا نمونہ تو ہو سکتے ہیں۔ لیکن مردان

حق وایمان کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔ کتاب حاضر اس حقیر و ناچیز کی ناقص وادنیٰ کاوش ہے جس میں ہم قصص حضرت موسیٰ بن عمران کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ قصص حضرت موسیٰ بن عمران کو دیگر قصص انبیاء ومرسلین پر مقدم رکھنے کی دو بنیادی وجوہات ہیں جنھیں ہم ذیل کے نکات میں پیش کریں گے۔

۱۔ قرآن مجید میں دیگر انبیاء ومرسلین کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ سلام کا تذکرہ زیادہ ہوا ہے۔

۲۔ طاغوتی قوتِ مخالف کے حوالے سے دیگر انبیاء اور مرسلین کی نسبت حضرت موسیٰ کی مخالف طاغوتی قوت (فرعون) کا ذکر بھی قرآن کریم میں زیادہ ہوا ہے۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ سلام کو اپنی قوم وملت کے خود ساختہ خرافات، فرسودگی اور استدلال و برہان سے بے بہرہ الزامات کا سامنا تھا۔ جیسے ایک قوم کا نجات دہندہ ہونے کے باوجود انھیں یہ کہنا پڑا خداوندا میرا کوئی ساتھی نہیں سوائے میرے بھائی ہارون کے۔

قصہ حضرت موسیٰ علیہ سلام سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اپنے اسلامی ممالک کی حالت زار کا مشاہدہ کرنے کے بعد ایک قائد اور رہبر کی آمد کے انتظار کی گھڑیاں گذارنے کی بجائے اپنے اپنے معاشرے میں قیادت اور رہبری کے بیج بونے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ سب پر واضح ہو سکے کہ کس قسم کے بیج سے کیسی قیادت نمودار ہوتی ہے۔ کس سے وقت کے فرعونوں سے عقل اور برھان سے گفتگو کرنے والی حضرت موسیٰ کی مانند قیادت نکلتی ہے۔ کس طرح سے معاشرے میں دین ومذہب کے نام سے موجود خود ساختہ بتوں کو کلہاڑی کے وار سے پاش پاش کرنے والے ابراھیم خلیل اللہ کی مانند قیادت ابھرتی ہے۔ اور کہاں سے سامری کے بنائے ہوئے گوسالے کو جلا کر اسکی راکھ کو دریا میں بہا دینے والی قیادت رونما ہوگی۔

قصص انبیاء قصہ ایمان ہے، قصص انبیاء درس توحید ہے، قصص انبیاء انجام وظیفہ کا نام ہے گمراہ قیادتوں سے مقابلہ کی داستان ہے قصص انبیاء صبر وتحمل اور بردباری سے تہمتوں

اورافتراء پردازیوں کا مقابلہ کرنے کا نام ہے، خدائے واحد ولاشریک کے وعدے پر کامل ایمان اوراطمینان رکھ کرمحاصرہ کو چیرنے کا نام ہے، قصص انبیاء رضا اور رغبت خلائق کی بے جائے رضوان اللہ کو ترجیح دینے کا نام ہے، آیئے اس عظیم المرتبت نبی کے قصہ کو قرآنی آیات کی روشنی میں پڑھیں اوران حقائق کا ادراک کریں جنکا ذکر جمیل تمام انبیاء ومرسلین حتیٰ سرور انبیاء خاتم انبیاء سے بھی بڑھ کر بیان ہوا ہے۔

قصص قرآنی کے امتیازات

۱۔قصص قرآنی میں اسلوب بیان کے نئے انداز کو اپنایا گیا ہے۔

۲۔قصص قرآنی میں وہمیات وافسانہ سازی سے گریز کرتے ہوئے حقائق کو انتہائی باریک بینی اور دقیق انداز کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

۳۔قصص قرآنی کے پیغام میں مخاطبین کی راہنمائی کرتے وقت انھیں ہمیشہ تعقل و تفکر سے کام لینے اور نتیجہ اخذ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔

۴۔قصص قرآنی میں کسی شخص کو مرکزی حیثیت حاصل نہیں بلکہ مرکزیت ہدف ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے ایک ہی قصہ مختلف سوروں میں تکرار ہوا ہے چونکہ تکرار ہی سے ہدف کو اہمیت ومرکزیت حاصل ہوتی ہے۔

قصۂ حضرت ابراہیمؑ وموسیٰؑ کے درمیان فرق:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقابلہ پوری ملت سے تھا جبکہ قصۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں حضرت موسیٰؑ کا مقابلہ وقت کے جابر حکمران سے تھا۔

۲۔ قصۂ حضرت ابراہیمؑ میں پوری قوم ابراہیم کے خلاف تھی جبکہ قصۂ موسیٰؑ میں قوم کا ایک بڑا حصہ یعنی بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کے ساتھ رہا۔

۳۔ قصۂ حضرت ابراہیمؑ میں پوری قوم اور حاکم دونوں ایک ہی موقف رکھتے تھے۔اس قصہ میں حاکم کی حیثیت مجہول تھی جو درج ذیل نکات سے واضح ہوگی:

(۱) جب حضرت ابرہیمؑ اسکے مدمقابل آئے تو خداوند عالم نے قرآنِ کریم میں اس کا صریحاً نام نہیں لیا۔

(۲) بتوں کو پاش پاش کرنے کی وجہ سے جب ابراھیمؑ کو سزا سنائی گئی تو اس فیصلہ کے اجراء میں پوری قوم کا ذکر آتا ہے جبکہ قصۂ موسیٰؑ میں فرعون جو اُس دور کا حاکم تھا اس نے جس وقت بھی موسیٰؑ کے خلاف کوئی فیصلہ سنایا تو اس کے ذکر میں اس وقت قوم کی طرف سے کوئی بات سامنے نہیں آئی جب تک فرعون نے قوم سے خود نہ پوچھا۔

۴۔ قصۂ حضرت ابراہیمؑ میں پوری قوم حضرت ابراہیمؑ کے خلاف متحد و یکجا تھی جبکہ قصۂ موسیٰؑ میں قوم دوحصوں میں تقسیم تھی۔جن میں سے ایک فرعون کے حامی تھے۔جنھیں ''قبطی'' کہا جاتا تھا اور قوم کا دوسرا حصہ حضرت موسیٰؑ کا حامی تھے جنھیں اسرائیلی کہتے تھے۔

۵۔ قصۂ حضرت ابراہیمؑ میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو عذابِ خداوندی کی لپیٹ میں آتے ہوئے نہیں دیکھا۔جبکہ قصۂ موسیٰؑ میں حضرت موسیٰؑ نے اپنے مخالفین کو اپنی آنکھوں کے سامنے غرق ہوتے دیکھا۔

قصص انبیاء میں مشترکات:

تمام انبیاء کرام ایک ہی حقیقت کی طرف نمائندگی کرتے ہیں ۔لہٰذا انبیاء اپنی کثرت میں بھی وحدت کے حامل ہیں اسی لئے قرآن کریم نے انبیاء کو کلمہ ''طیبہ'' کہا ہے:

﴿الم ترکیف ضرب اللہ مثلاً کلمةً طیبةً کشجرةٍ طیبةٍ اصلھاثابت وفرعھافی السمآء﴾ ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی مثال پیش کی ہے کہ کلمہ طیبہ شجرہ طیبہ کی مانند ہے جس کی جڑ مضبوط گڑی ہوئی ہے اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں؟'' (ابراہیم/۲۴)﴿وھو مومن فلنحیینہ حیٰوةً طیبةً﴾ ''ہم اسے پاکیزہ زندگی ضرور عطا کریں گے'' (نحل/۹۷)﴿وجعلھا کلمةً باقیہ فی عقبہ﴾ ''اوراللہ نے اس (توحید پرستی) کو ابراہیم کی نسل میں کلمہ باقیہ قرار دیا'' (زخرف/۲۸)

اسکے علاوہ وہ آیت کریمہ جس میں ارشاد ہے ہم انبیاء ایک دوسرے سے فرق نہیں رکھتے۔

۲۔ تمام انبیاء اپنی نبوت اور رسالت یا داعی الی اللہ ہونے کی تصدیق کے لئے محتاج معجزہ ہیں ۔ معجزہ چونکہ انسانوں سے مختص ہے ۔لہٰذا جس طرح امتوں کی اہلیت، استعداد، صلاحیت اور فکری سطح میں یکسانیت نہیں اسی طرح معجزات کے ادراک میں بھی ان میں فرق پایا جاتا ہے۔ لہٰذا خداوند عالم نے لوگوں کے ادراک کے مطابق ہی معجزات عطا کیے۔ بعض معجزات کو انسان نے اپنے حواس ظاہری سے ادرک کیا جیسے ناقۂ حضرت صالح اور عصاء کلیم وغیرہ سورۂ اسراء۔۔۔ بعض اقوام وملل ادراک کیساتھ رشد عقلی کی بھی حامل ہوتی ہیں اور ماورائے محسوسات کو بھی ادرک کرنے کی صلاحیت حاصل کرسکتی ہیں لہٰذا خداوند عالم نے حضرت محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء ؐ کو ایک غیر محسوس معجزہ یعنی معجزہ عقلی اور فکری عنایت فرمایا چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: خداوند عالم جانتا تھا آئندہ آنے والے انسان اپنی فکر اور سوچ میں گہرائی اور باریکی رکھتے ہونگے اسی لئے سورۂ توحید نازل فرمائی۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ آیا انہیں معجزے کیلئے کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جسکی تلاوت ہوسکتی ہے۔

۳۔ تمام انبیاء کرام ''وحی'' یعنی پیغام خدا لینے اور اسکے ابلاغ میں معصوم ہیں۔ اس صفت میں کسی بنی یا مرسل میں کوئی فرق نہیں۔ کوئی بنی ''وحی'' لینے اسکو حفظ کرنے اور انسانوں تک پہنچانے میں نہ تو خیانت کرتا ہے اور نہ ہی ان پر نسیان طاری ہوتا ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران ۱۶۱ میں فرماتے ہیں کوئی بنی ایسا نہیں جو خیانت کرے

﴿وما کان نبی ایغل﴾ ''اور کسی نبی سے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ خیانت کرے''

یا سورۂ اعلیٰ کی وہ آیت کریمہ جس میں فرماتے ہیں ''سنقرك فلاتنسی'' ''ہم آپ کو اسطرح پڑھائیں گے کہ آپ بھولیں گے نہیں۔

۴۔ تمام انبیاء کرام کی مشترکات میں سے ایک خود پرستی اور شخصیت پرستی کی

ممانعت ہے۔ یہ جملہ جو اس وقت زبان زد خاص وعام ہے کہ ہمیں فلاں شخص کی ترویج وتائید کرنی چاہیے۔ اس کے اقوال کو محکم اور متعارف کروانا چاہیے۔ یہ سب شرک اور بت پرستی کا ایک نیا انداز ہے۔ کسی بنی ومرسل کو یہ حق نہیں اور نہ ہی کسی نے یہ فرمایا تم لوگ میری طرف رجوع کرو میرے سامنے خاضع وخاشع ہوجاؤ: ﴿ما کان لبشرٍان یؤتیہ اللہ الکتٰب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداًلی من دون اللہ ولکن کونوا ربانین بما کانوا تعلمون الکتٰب وبما تدرسون﴾ ''کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے بن جاؤ وہ تو یہی کہے گا کہ سچے ربانی بنو جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضا ہے جسے تم پڑھتے پڑھاتے ہو'' (آلعمران/۷۹) ﴿ولو تقول علینا بعض الاقاویل۔ لاخذنا منہ بالیمین۔ ثم لقطعنا منہ الوتین۔ فما منکم من احدٍ عنہ حاجزین۔ وانہ لتذکرۃ للمتقین﴾ ''اور اگر اس (نبی) نے کوئی تھوڑی بات بھی گھڑ کر ہماری طرف منسوب کی ہوتی۔ تو ہم اسے دایاں ہاتھ سے پکڑ لیتے پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے پھر تم میں سے کوئی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہوتا اور پرہیزگاروں کیلئے یقیناً یہ ایک نصیحت ہے'' (حاقہ ۴۴ تا ۴۸) انبیاء کرام ہر قسم کی خود پرستی، خودنمائی اور شخصیت پرستی سے پاک ومنزہ ہیں بلکہ انبیاء کرام نے اس اجر رسالت کا صلہ یہ مانگا کہ لوگ خدا پرست ہوجائیں۔

۵۔ انبیاء کرام تصور الٰہی، تصور آخرت کو مادی مفادات پر مقدم رکھتے ہیں لہٰذا یہ تصور کہ ہماری اقتصاد کو مضبوط ہونا چاہیے، ہمیں اس میں خود کفیل ہونا چاہیے کیونکہ اپنے پاوں پر کھڑے ہونے کے بعد ہی دین کی کوئی خدمت کی جاسکتی ہے۔ یہ تصور انبیاء کی سیرت کے صریحاً خلاف ہے کیونکہ ایک لمحے کے لئے بھی ہدف کو پس پشت دھکیل کر مفادات کو مقدم رکھنا دعوت الٰہی میں بدرجہ اتم وکامل خیانت تصور ہوگی:

﴿ما کان لنبیٍ ان یکون لہ اسریٰ حتٰی یثخن فی الارض﴾ ''یہ کسی نبی کے شایان نہیں ہے کہ زمین میں دشمن کو کچل دینے سے پہلے اس کے پاس قیدی

ہوں''(انفال/٦٧)

٦۔انبیاء کرام کی سیرت طیبہ کا نمایاں پہلو معاشرہ سے جہالت ونادانی اوراندھی تقلید کی صفت کا خاتمہ ہے۔ وہ افراد جو معاشرے میں اپنے لئے خاص امتیازات حاصل کرنے کے خواہاں رہتے ہیں مثلاشہرت،عظمت،اقتدار،جاہ ومقام مال ودولت وغیرہ یہ سب جس شکل میں بھی ہوں ایک غیر استحقاقی مطالبہ ہے۔ یہ گروہ اس وقت تک موثرنہیں ہوسکتا جب تک اس امانت کے حاملان اورنگہبان کی مانند دنیاومافیھا غافل نہ ہوں۔صاحبان امتیازات دنیا پہلے مرحلہ میں حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے ماضی کوافتخاراورنمونہ بناکرپیش کرتے ہیں۔جب لوگ داستان ماضی میں محوہوجاتے ہیں تو یہ اپنا اقتدارقائم کرتے ہیں اوراسے محکم ومحفوظ بناتے ہیں۔دنیا میں اہل مفادات چاہے سیاسی،اجتماعی ہوں یامحلّہ کی سطح پرہوں انکا مفاد جہالت کوفروغ دینے میں ہے۔یہی وجہ ہے یہ آئے دن ایسی تعلیمی منصوبہ بندیوں کا اعلان کرتے ہیں کہ تعلیم کا حصول ہی مشکل ہوجائے:

﴿واذاقیل لھم اتبعواماانزل اللہ قالوابل نتبع ماالفیناعلیہ اباٰئنا﴾''اورجب ان سے کہاجاتاہے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام کی پیروی کروتووہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تواس طریقے کی پیروی کریں گے جس پرہم نے اپنے آباء واجدادکوپایاہے''(بقرہ/١٧٠)﴿واذاقیل لھم تعالواالی ماانزل اللہ والیٰ الرسول قالواحسبناماوجدناعلیہ اٰبآئنا﴾''اورجب ان لوگوں سے کہاجاتاہے کہ اس دستورکی طرف جواللہ نے نازل کیاہےاوررسول کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں:ہمارے لئے وہی دستورکافی ہےجس پرہم نے اپنے باپ داداکوپایا''(مائدہ١٠٤)﴿واذافعلوافاحشۃً قالوا و جدنا علیھااٰبآئنا﴾''اورجب یہ لوگ کسی بےحیائی کاارتکاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں:ہم نے اپنے باپ داداکوایساکرتے پایاہے''(اعراف/٢٨)﴿واذاقیل لھم اتبعواماانزل اللہ قالوابل نتبع ماوجدناعلیہ اٰبآئنا﴾''اورجب ان سے کہاجاتا

ہے:جواللہ نے نازل کیاہےاس کی پیروی کروتو کہتے ہیں:ہم تواس چیزکی پیروی کریں گےجس پرہم نے اپنےباپ داداکوپایاہے''(لقمان/٢١)

﴿وقالوالوشآء الرحمٰن ماعبدنٰھم﴾''اوروہ کہتے ہیں:اگرخدائےرحمٰن چاہتاتوہم ان کی پوجانہ کرتے''(زخرف/٢٠)زخرف٢٣،زخرف٢٤،حج٣۔

جبکہ دعوت انبیاءکرام کی بنیادعلم وآگاہی،تفکر،استدال اوربرھان پرقائم ہے:

﴿قل ھٰذہ سبیلی ادعواالی اللہ علیٰ بصیرۃٍ اناومن اتبعنی﴾''کہہ دیجئے:یہی میراراستہ ہے میں اورمیرے پیروکارپوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں''(یوسف/١٠٨)نجم٢٩،٣٠۔

٧۔ دعوت انبیاءترغیب اورتربیت پرقائم ہے۔انبیاءکافریضہ لوگوں کواطاعت و بندگی خدا میں اجراوردین وشریعت سے انحراف کی صورت میں دردناک عذاب کی وعید سناناہے۔تمام انبیاء کی دعوت میں یہ اصول مشترک رہا ہے چنانچہ اگرکہیں ان دونوں خصوصیات میں سےایک غالب ہوتوسمجھ لیں یہ دھوکہ ہے۔جیسے داعی اگرہمیشہ دھمکیوں کاپلہ بھاری رکھےتو یہ آمریت کی راہ پرگامزن ہوگا۔اسی طرح اگرہمیشہ خوشخبری سنائےانعامات کی بات کرےتوسمجھ لیں یہ آزادی مطلق کی طرف دعوت ہے۔دوسرے معنوں میں یہ داعی شیطان کی نمائندگی کرتاہے کیونکہ غیرحقیقی چیزوں کوالٰہی رنگ میں پیش کرناہی شیطانی فعل ہے۔

٨۔ ایک اورعُنصر جوتمام انبیاءمیں مشترک ہے۔جسکاتمام انبیاءکوسامناہواوہ لوگوں کاانبیاءکامذاق اڑاناہے۔کوئی نبی ایسانہیں گذراجسے لوگوں نے کھلے دل سے خوش آمدیدکہاہو۔بلکہ ہمیشہ انبیاءکامذاق اڑایاگیا:

﴿یٰحسرۃ علی العبادمایاتیھم من رسولٍ الاکانوابہ یستھزءون﴾''ہائےافسوس!ان بندوں پرجن کے پاس جوبھی رسول آیااس کے ساتھ انھوں نےتمسخرکیا''(یٰسین/٣٠)

قصص قرآن کے اہداف و مقاصد

قصص قرآن کریم کے بنیادی اھداف و مقاصد میں سے اجتماع انسانی میں متعدد پہلوں سے تغیر پیدا کرنا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے وہ کونسے بامقصد اھداف ہیں جو قرآن کریم نے اپنے قصوں کے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

اہداف و مقاصد قصہ ٔ موسیٰ و فرعون اسکی دو جہتیں ہیں:

ا۔ اہدافِ حضرت موسیٰ میں اثبات الوہیت اور ربوبیت خدا، تمام بتوں کا خاتمہ چاہے وہ گوسالہ کی صورت میں ہوں یا انسان اور پتھر کے بت ہوں سب کا قلع قمع کرنا، انسانیت کی تذلیل واستحصال کا خاتمہ۔

۲۔ اھداف فرعون اپنی الوہیت اور ربوبیت کی بقاء اوردوام قبطیوں کو ہر میدان میں امتیازات اورترجیح دینا بنی اسرائیل کی ہر موقع پر تذلیل اور انکا خاتمہ۔

قصہ ٔ حضرت موسی اور فرعون میں استعمال ہونے والے وسائل اور ذرائع:

قصہ ٔ حضرت موسیٰ اور فرعون سے سبق آموزی اور نتائج حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے باریک بینی اور امانت داری سے اس قصے کے حوالے سے قرآن کریم میں موجود آیات کریمہ میں غور غوض کرتے ہوئے اس کے تمام عناصر ترکیبی اور مصادر و ماخذ کو مدنظر رکھا جائے تا کہ اس قصہ کے مقاصد کو درک کرسکیں۔ وسائل و ذرائع اسکی بھی دو جہتیں ہیں۔

ا۔حضرت موسیٰ علیہ سلام کی طرف سے عقل و منطق، مشاہدات واقعی، دعوت غور و فکر، دعوت بہ ایمان بہ خدا اور آخرت

۲۔فرعون کی طرف سے تشدد، غفلت گیری، حقائق کی پردہ پوشی، غلط بیانی، منطق مادیت، آمریت، استکبار اور تفرقہ۔

قصص قرآن کے تکرار کا فلسفہ

قرآنی قصوں میں تکرار کی توجیہات پیش کرنے سے پہلے تکرار کی قسمیں بیان کرنا ضروری ہے۔ بنیادی طور پر تکرار کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ **تکرار لفظی:** قرآن کریم میں کسی آیت یا آیت کے کچھ حصے کی یا بعض الفاظ چندین بار تکرار ہوا ہے بطور مثال سورہ ٔ رحمان میں آیت ﴿ فبای الا ربکما تکذبن ﴾ اکتیس بار تکرار ہوا ہے۔ اس سورہ میں خداوند عالم نے انسان کو دی گئی ہر نعمت کا ذکر کیا ہے۔ یہاں اللہ تبارک تعالی خلقت انسان، تعلیم قرآن، تعلیم بیان، کائنات کے نظم ونسق اور خلقت زمین وآسمان کے علاوہ ہر نعمت کے ذکر کے بعد جن وانس کو مخاطب کر کے فرماتا ہے تم ہماری کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اس تکرار کے بارے میں علمائے اعلام اور ماہرین علوم قرآن نے فرمایا اس آیت کے تکرار میں ایک ہی لفظ استعمال ہوا ہے یعنی آیت اور الفاظ مکرر ہیں اور معانی بھی ایک ہی ہیں۔ لیکن ہر نعمت کی اہمیت کو اجاگر کرنے اور جن وانس کو اس کی اہمیت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اس آیت کا تکرار ہوا ہے تا کہ لوگوں پر واضح کیا جا سکے تم خداوند متعال کی اتنی فراواں اور ثمر آور نعمتوں کا کس بنیاد پر انکار کرو گے۔ تم ان نعمتوں کی اہمیت سے کیوں غافل ہو۔ اس قسم کے تکرار کو علمائے بیان نے فصاحت و بلاغت میں شمار کیا ہے کیونکہ جو تکرار ھدف تک رسائی میں معاون ہوا سے فصاحت میں گنا جاتا ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ ہر نعمت کے بیان کے موقعہ پر خداوند عالم نے نیا اقرار لینے کے لیے اور ہر نعمت کے انکار پر ملامت کرنے کیلئے تکرار کیا ہے لہذا ان کے نزدیک یہ تکرار نہیں ہے۔

۲۔**تکرار معنوی (معنی):** قرآن کریم میں ایک تکرار کچھ اضافہ کے ساتھ بھی ذکر ہوا ہے جیسا کہ قوم ھود کے بارے میں سورہ ٔ ھود آیت ۵۰ اور حضرت شعیبؑ کے بارے میں ھود ۸۴ میں ایک ہی آیت معمولی اضافے کے ساتھ تکرار ہوئی ہے۔ اس تکرار کا مقصد اور ھدف قاری کے ذہن میں توحید اور معاد کو راسخ کرنا ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جہاں تکرار فائدے سے خالی ہو وہاں اس کو پڑھنے میں خستگی وملال اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا

ہے جبکہ قرآنی آیات کی مکرر تلاوت سے خستگی وملال اور پریشانی جیسی کیفیت کا شائبہ تک نہیں ہوتا بلکہ ہر بار نئی تازگی محسوس ہوتی ہے۔

الفاظ وآیات کی اس عام تکرار کی وضاحت کرنے کے بعد اب ہم قصص قرآنی اور خاص کر قصہ حضرت موسیٰ علیہ سلام میں جو تکرار ہوا ہے اس کے بارے میں وضاحت کرنا چاہیں گے۔ کیونکہ مستشرقین نے انھیں قصوں کے تکرار کو بنیاد بنا کر قرآن کے خلاف نقد و انتقاد کی زبان کھولی ہے۔ وہ لوگ اس کے لیے اس قصے میں ان آیات کریمہ کا ذکر کرتے ہیں۔

﴿اذ قال موسی لاهله انی انست نارا ساتیکم منها بخبر او اتیکم بشهاب قبس لعلکم تصطلون﴾ ''جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ میں جلد ہی اس میں سے کوئی خبر لے کر تمہارے پاس آتا ہوں یا انگارا سلگا کر تمہارے پاس لاتا ہوں تاکہ تم تاپو'' (نمل/۷) ﴿فلما جاء ها نودی ان بورك من فی النار ومن حولها و سبحٰن الله رب العٰلمین﴾ ''جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں ندا آئی مبارک ہے وہ جس کا جلوہ اس آگ میں اور اس کے گرد و پیش میں ہے اور پاکیزہ ہے سارے جہان کا پروردگار اللہ'' (نمل/۸)

یہ قصہ تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ سورہ قصص آیت ۳۰ میں تکرار ہوا ہے اس میں ایک دفعہ آگ کو ''شہاب قبس'' کہا ہے اور دوسری دفعہ ''جذوۃ من النار'' کہا گیا ہے۔ اسی طرح ایک آیت میں ''فلما جاء'' آیا ہے اور دوسری میں ''فلما عطاء'' آیا ہے۔ اسی طرح ایک آیت میں ''ساتیکم'' ہے اور دوسری مین تنہا ''اتیکم'' ہے۔

تکرار قصہ اور اہداف قصہ میں تناسب

قرآن کریم میں بعض انبیاء کے قصے چند سوروں میں تکرار ہوئے ہیں۔ خاص کر قصہ حضرت موسیٰ جو کہ تقریبا تیس سوروں میں تکرار ہے لیکن اگر اس تکرار کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوگا بعض جگہوں پر قصے کے تھوڑے حصے کا ذکر ہے اور بعض جگہ طویل قصہ ذکر

ہوا ہے۔ بطور مثال سورۂ طٰہٰ اور سورۂ قصص دو ایسی سورتیں ہیں جن میں دوسری تمام سوروں کی نسبت زیادہ طوالت سے قصہ موسیٰ کا ذکر ہے۔ سورۂ قصص میں حضرت موسیٰ علیہ سلام کی ولادت سے پہلے شروع ہوا ہے اور بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون اور لشکر فرعون کے غرق ہونے تک مسلسل ذکر ہے جبکہ سورۂ طٰہٰ میں یہ قصہ شہر مدین سے مصر کی طرف واپس ہوتے وقت تاریکی شب میں آگ دیکھنے سے شروع ہوتا ہے۔ ان دو سوروں میں اس قصہ کے اہداف کو یوں بیان کیا۔ پوری تاریخ بشریت کے مطالعہ ومشاہدہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ معرکہ حق و باطل میں باطل چاہے کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو اور حق کتنا ہی ضعیف کیوں نہ ہو آخر کار باطل کو انجام بد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اہل حق کو فتح وکامرانی کی بشارت ہے۔ اس قصہ کا دوسرا ہدف یہ بتلانا مقصود ہے کہ لطف اور محبت خداوندی کس حد تک حضرت موسیٰ کے شامل حال تھی۔ اس خاص عنایت کا آغاز وادی طوی سے شروع ہوا۔ جہاں اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اپنا مخاطب قرار دیتے وقت ان سے اس پہلے کرم اور لطف کو ذکر کیا ہے جو انکی ماں کے ساتھ کیا گیا۔

۱۔ قرآن کریم میں قصص کے ذکر کرنے کا ہدف گذشتہ اقوام وملل اور شخصیات کی تاریخ کو دُھرانا نہیں بلکہ یہ قصص موجودہ سامعین کیلئے بھی باعث عبرت ہیں:

﴿وجآئك فی هٰذه الحق وموعظةٌ وذکریٰ للمئومنین﴾ ''ان کے اندر تم کو حقیقت کا علم ملا اور ایمان لانے والوں کو نصیحت اور بیداری نصیب ہوئی'' (ھود/۱۲۰) ﴿وقد خلت سنة الاولین﴾ ''قدیم سے اس قماش کے لوگوں کا یہی طریقہ چلا آرہا ہے'' (حجر/۱۳) ﴿فلم یك ینفعهم ایمانهم لما راوا باسنا سنت الله التی قد خلت فی عباده﴾ ''مگر ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان ان کیلئے کچھ بھی نافع نہ ہوسکتا تھا، کیونکہ یہی اللہ کا مقرر ضابطہ ہے جو ہمیشہ اس کے بندوں میں جاری رہا ہے'' (غافر/۸۵)

۲۔ گذشتگان کے اخبار کا ذکر لوگوں کے دلوں پر امر ونہی، وعظ و نصیحت سے زیادہ اثر

کرتا ہے۔ چنانچہ قصص کے اہداف میں سے ایک تثبیت قلبِ پیغمبرؐ بھی ہے:

﴿وکلاّنقص علیك من انبآء الرسل مانثبت به فئوادك ﴾ ''اوراے نبیؐ یہ پیغمبروں کے قصے جو ہم تمہیں سناتے ہیں، یہ وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے ہم تمہارے دل کو مضبوط کرتے ہیں'' (ھود/۱۲۰)

۳۔آیاتِ قرآنی کے تحت پیغمبر اکرمؐ نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور انکے اذھان میں یہ بات راسخ کرنا چاہی کہ آپؐ نے انھی لوگوں کے ساتھ زندگی گذاری ہے اور کسی سے کوئی تعلیم ودرس نہیں لیا۔اسکے باوجود آپ ہزار سال پہلے کی اقوام پر گذرنے والے حالات بیان فرماتے ہیں جو آپکی نبوت کی محکم دلیل ہے:

﴿نحن نقص علیك احسن القصص بمآاوحینااليك هذاالقرآن وان كنت من قبله لمن الغٰفلين ﴾ ''اے نبیؐ ہم اس قرآن کو تمہاری طرف وحی کرکے بہترین پیرایہ میں واقعات اور حقائق تم سے بیان کرتے ہیں، ورنہ اس سے پہلے تو (ان چیزوں سے) تم بالکل ہی بےخبر تھے'' (یوسف/۳)

۴۔اس وقت کے اجتماع میں یہود ونصاری کو امتیازی حیثیت اس وجہ سے حاصل تھی کہ یہ گذشتہ اقوام کے حالات اور واقعات لوگوں سے بیان کرتے اور لوگ ان سے متاثر ہوتے تھے۔لیکن یہ تمام قصے اور کہانیاں تورات سے ماخوذ ہوتیں تھیں جبکہ تورات خرافات اور متضاد باتوں سے پر تھی۔لہٰذا خداوند عالم نے صاف،شفاف اور حقیقت پرمبنی قصص پیغمبر اکرمؐ پر نازل کیے، ان کی فوقیت اور برتری کو ثابت کیا اور اسی طرح انبیاء پر باندھی جانے والی تہمتوں اور جسارتوں کو رد کیا:

﴿تلك من انبآء الغيب نوحيهآاليك ماكنت تعلمهآانت ولاقومك من قبل هذافاصبران العاقبة للمتقين ﴾ ''اے نبیؐ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کررہے ہیں اس سے پہلے نہ تم ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم پس صبر کرو، انجام کار متقیوں ہی کے حق میں ہے'' (ھود/۴۹)

۵۔ شریعت کے آداب تربیت انسان میں سے ایک گذشتگان اور انبیاء سے آشنا کرنا ہے۔انسان چونکہ مدنی الطبع ہے، آپس میں صلح، آشتی، عدل وانصاف کی بنیادوں پر قائم معاشرے کا محتاج ہے۔لیکن جو دستور علاقائی ساخت پرمبنی ہیں وہ ایک علاقے کیلئے تو مفید ہو سکتے ہیں لیکن دوسرے کیلئے نقصان دہ ثابت ہونگے۔جیسے آج کل بڑی طاقتوں اور استکبار عالمی کے بنائے ہوئے قوانین تیسری دنیا تو چھوڑیں دوسری دنیا کی نابودی کا سبب بن رہے ہیں جبکہ اسلام اور قرآن کے قوانین گذشتہ انبیاء کے دستور کی تکمیل کیلئے ہیں جو انکے نظام سے متصادم نہیں بلکہ ان دونوں کا مصدر وماخذ ایک ہے:

﴿وكاين من نبيٍ قتل معه ربيون كثيرٌفماوهنوالمآاصابهم في سبيل الله وماضعفواومااستكانواوالله يحب الصٰبرين ﴾ ''اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزرچکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں اُن پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے انھوں نے کمزوری نہیں دکھائی، وہ (باطل کے آگے) سرنگوں نہیں ہوئے، ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے'' (آل عمران/۱۴۶)

﴿ام حسبت ان اصحٰب الكهف والرقيم كانوامن اٰيتناعجبًا۔اذاوى الفتنة الى الكهف فقالواربنآاٰتنامن لدنك رحمةً وهئي لنامن امرنارشدًا۔فضربناعلىٓ اٰذانهم في الكهف سنين عددًا۔ثم بعثنٰهم لنعلم اى الحزبين احصىٰ لمالبثواامدًا﴾ ''کیا تم سمجھتے ہو کہ غار اور کتبے والے ہماری کوئی بڑی عجیب نشانیوں میں تھے؟۔جب چند نوجوان غار میں پناہ گزین ہوئے اور انھوں نے کہا کہ اے پروردگار، ہم کو اپنی رحمتِ خاص سے نواز اور ہمارا معاملہ درست کردے، تو ہم نے انھیں اُسی غار میں تھپک کر سالہا سال کے لئے گہری نیند سلادیا، پھر ہم نے انھیں اُٹھایا تاکہ دیکھیں اُن کے دوگروہوں میں سے کون اپنی مدتِ قیام کا ٹھیک شمار کرتا ہے'' (کہف/۹تا۱۳) کہف/۲۱۔

۶۔قصص قرآنی ذھن انسان میں یہ راسخ کرتے ہیں کہ کائنات میں جو عروج اور

زوال، پسماندگی اور ترقی سب قانون اسباب اور مسببات کے تحت ہی ہے۔ نصیب، صدفہ یا اتفاق نامی کوئی چیز نہیں۔ ہر چیز اسباب وعلل کے قانون کے تحت وقوع پذیر ہوتی ہے۔ کسی قوم پر اگر ظالم اور جابر حکمران مسلط ہوتے ہیں تو وہ پہلے مرحلے میں راہ ہموار کرتے ہیں اسی طرح یہی اصول انبیاء اور مرسلین بھی اپناتے ہیں۔ گویا انسانی معاشرہ ایک زمین کی مانند یعنی جو کاشت کرے گا وہ ہی اس سے استفادہ کرے گا:

﴿فتلك بیوتهم خاویةً بماظلمواان فی ذٰلك لاٰیةً لقوم یعلمون﴾ ''وہ اُن کے گھر خالی پڑے ہیں اس ظلم کی پاداش میں جو وہ کیا کرتے تھے'' (نمل/۵۲)

۷۔ دنیا کے خود ساختہ قصے کہانیاں وہمیات اور مفروضوں پر مشتمل ہیں۔ لیکن قرآن نے جو قصص بیان کیے ہیں وہ حقائق کے پیچھے جاتے ہیں سورۂ کہف میں اس طرف اشارہ ہے کہ قصص کا معنی آثار اور نشانی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ لہٰذا قرآنی قصص حقائق پر مشتمل ہیں:

﴿لقد کان فی قصصهم عبرةٌ الالباب﴾ ''اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل وہوش رکھنے والوں کیلئے عبرت ہے'' (یوسف/۱۱۱) ﴿وسکنتم فی مسٰکن الذین ظلموآ انفسهم وتبین لکم کیف فعلنابهم وضربنالکم الامثال﴾ ''حالانکہ تم قوموں کی بستیوں میں رہ بس چکے تھے جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا اور دیکھ چکے تھے کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا اور ان کی مثالیں دے دے کر ہم تمہیں سمجھا بھی چکے تھے'' (ابراھیم/۴۵)

۸۔ قصص قرآنی کا ایک ہدف مسلمانوں کی تربیت کرنا ہے۔ انھیں اس بات کا عادی بنانا ہے کہ وہ وسعت عالم کی طرف نظر کریں۔ دیگر اقوام وملل کو ملنے والی امتیازات اور خصوصیات کو اپنی نظروں میں رکھیں، غرور اور خودنمائی جیسی صفات سے دوری اختیار کریں اور اس صفت میں مبتلا نہ ہوں جس میں قوم یہود مبتلا تھی:

﴿فاما عادٌ فاستکبروا فی الارض بغیرالحق وقالوامن اشدمناقوةً﴾ ''عاد کا یہ

حال تھا کہ وہ زمین میں کسی حق کے بغیر بڑے بن بیٹھے اور کہنے لگے کون ہے ہم سے زیادہ زور آور اُن کو یہ نہ سوجھا کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ زور آور ہے؟'' (فصلت/۱۵)

۹۔ اس وقت مسلمان اپنے خطے علاقے اور صوبے کی بات کرتے ہیں۔ اچھے دینی چہرہ رکھنے والے بعض مسلمان بڑی بے شرمی اور بے حیائی سے اپنے اندر چھپے ہوئے شرک کو جسے مشرکین بغل میں رکھتے تھے آج اسے برملا ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں ہمیں تو اپنے علاقے سے واسطہ ہے ہم دوسروں کے بارے میں کیوں سوچیں۔ انکا ایک ہی نعرہ ہے سب سے پہلے اپنا ملک۔ جبکہ قرآنی قصص ایک عالمی سیادت اور سعادت کی طرف سعی کرنے کی دعوت دیتے ہیں' پوری دنیا میں عدل کی دعوت دیتے ہیں۔ لہٰذا قصص میں کبھی ''حجاز'' کا ذکر ہے کبھی ''نجد'' کبھی ''ایران'' ''مصر'' اور ''روم'' کا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کی اپنی خود ساختہ بنائی ہوئی جغرافیائی حدود کوئی معنی نہیں رکھتیں:

﴿کذٰلك کدنالیوسف ماکان لیاخذاخاه فی دین الملك الاان یشآء اللہ﴾ ''اس طرح ہم نے یوسف کیلئے تدبیر کی ورنہ وہ شاہی قانون کے تحت اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ ہی ایسا چاہے'' (یوسف/۷۶)

قصۂ موسیٰؑ وفرعون کے چار عناصر

قصہ مخصوص عناصر سے مرکب ہوتا ہے ماہرینِ قصہ کے نزدیک قصہ کے بنیادی عناصر چار ہیں قصۂ موسیٰ وفرعون کے بھی بنیادی عناصر بھی چار ہیں:

۱۔ عنصر زمان (زمانِ قصہ) : انسان عادی ہو یا ولی اور وصی یا نبی مرسل یہ تمام مادہ کے حدود اربعہ کے اندر محصور ہیں ہر نبی کی دعوت اور اس دور کے برسر اقتدار حاکم وجابر اور لوگوں کی ثقافت وفرہنگ سے آگاہی کیلئے ضروری ہے اس نبی کے دوران بعثت ودعوت کے زمان کو نظر میں رکھیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے بیان قصص میں بارہا زمانے کی طرف اشارہ کیا ہے جن کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ یہ قصہ تورات یا بعض اسلامی روایات کے مطابق تین

ہزار سال قبل میلاد حضرت مسیحؑ میں قوع پذیر ہوا ہے۔لیکن ہم اس حتمی مدت کے بارے میں جزم واعتماد نہیں کرسکتے لیکن یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ یہ واقع حضرت یوسفؑ کے مصر میں آنے کے بعد اور حضرت عیسیٰؑ کی میلاد سے پہلے کے دوران وقوع پذیر ہوا ہے۔

۲۔ زمانِ قصہ جیسے کوہ طور پر چالیس دن کا انتخاب، موسیٰ کا شہرِ منف میں داخل ہونے کیلئے دوپہر کا وقت انتخاب کرنا، مصر سے نکلتے وقت صبح سے پہلے کا وقت انتخاب کرنا نبوت کیلئے انتخاب کرتے وقت رات کا انتخاب کرنا۔ان میں سے ہر ایک اپنا خاص ھدف رکھتا ہے۔

۲۔عنصر مکان یا (مکانِ قصہ) :قصص انبیاء ومرسلین میں ان کے مبعوث ہونے کی جگہ اور ان کی دعوت کے دائرہ اور مراحل اور مراتب مکانی سے آگاہی بھی ان کے قصہ دعوت کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے چنانچہ خاتم انبیاء کی دعوت کے مکان کے ذکر میں سرزمین مکہ ومدینہ اور اس کے گردونواح کا خطہ آتا ہے اسی طرح قصۂ موسیٰ میں بھی بعض مقامات کا ذکر آیا ہے۔ جس میں مصر شہر مدین، کوہ طور، سینا، صحرائے تیہ، بیت المقدس ہیں۔

مکانِ قصہ یعنی وقت کے طاغوت سے مقابلہ کیلئے مصر کا انتخاب کرنا، ہجرت کیلئے شہرِ مدین کو انتخاب کرنا، نصبِ نبوت کیلئے طور کو انتخاب کرنا، بنی اسرائیل کی آبادکاری کیلئے بیت المقدس کا انتخاب تمام اپنی اپنی جگہ حکمت رکھتے ہیں۔

مصر:

لغت عرب میں دو علاقوں کے درمیان موجود قطعہ زمین کو مصر کہتے ہیں ہر شہر کو بھی مصر کہتے ہیں چنانچہ لفظ مدینہ کی طرح مصر کا لفظ بھی ایک مملکت کیلئے مخصوص ہو گیا ہے۔قرآن کریم میں یہ کلمہ چار مرتبہ تکرار ہوا ہے:

﴿اھبطوا مصرًا فان لکم ما سالتم﴾ ''ایسا ہے تو کسی شہر میں بس جاؤ یہ چیزیں تمہیں مل جائیں گی'' (بقرہ/۶۱) میں ہر شہر کیلئے استعمال ہوا ہے

﴿وقال الذی اشترٰہ من مصر لامراتہٖ اکرمی﴾ ''مصر کے جس شخص نے اسے خریدا

اس نے اپنی بیوی سے کہا ''اس کو اچھی طرح رکھنا'' (یوسف/۲۱) ﴿وقال ادخلوا مصر﴾ ''کہا چلو اب شہر میں چلو'' (یوسف/۸۹) ﴿یقوم الیس لی ملک مصر﴾ ''لوگو، کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے'' (زخرف/۵۱)

مصر ایک زرخیز خطہ ہے بتایا جاتا ہے کہ یہاں آبادی کا آغاز پانچ ہزار پانچ سو سال قبل از مسیح ہوا ہے حضرت موسیٰؑ اسی مصر میں پیدا ہوئے اور اسی مصر کے ظالم و جابر حکمران فرعون سے نبرد آزما ہوئے لہٰذا قصۂ موسیٰ و فرعون میں مکان کے حوالے سے مصر کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔

شہر مدین:

قاموس قرآن میں مذکور ہے قرآن کریم میں لفظ مدین دس بار تکرار ہوا ہے۔مدین خلیج عقبیٰ سے کوہ سینا تک کی زمین ہے بعض نے لکھا ہے مدین جزیرہ فرات سے سینا تک کا خطہ ہے گویا مدین ایک مملکت ہے کتاب فرہنگِ قصص قرآن میں آیا ہے یہ شرق عقبیٰ میں واقع ہے اہل مدین اولاد اسماعیلؑ میں سے تھے۔آج کل اس زمین کو عمان کہتے ہیں یہ شہر خلیج عقبیٰ کے مشرق میں واقع ہے۔اس کے مرکز کا نام آن ہے شاید آن کلمۂ مدین سے ہی لیا ہے سورۂ مبارکہ قصص آیت ۲۵ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ شہر مصر سے باہر تھا اور فرعون حکومت کی وہاں تک رسائی نہیں تھی:

﴿قال لاتخف نجوت من القوم الظٰلمین﴾ ''اس نے کہا کچھ خوف نہ کرو، اب تم ظالم لوگوں سے بچ نکلے ہو''

کتاب معجم الفاظ قرآن میں لکھا ہے کہ مدین ایک شہر ہے جو مدینہ منورہ اور شام کے درمیان بحر احمر پر واقع ہے مدین کو مدین اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے مدین کے نام سے منسوب ہے۔قرآنِ کریم کے ان آیات میں مدین کا ذکر ہے: ﴿وقوم ابراھیم واصحٰب مدین﴾ ''ابراہیم کی قوم مدین کے لوگ'' (توبہ/۷۰) ﴿فلبثت سنین فی اھل مدین﴾ ''اور تو مدین کے لوگوں میں کئی سال ٹھہرا رہا'' (طٰہٰ/۴۰)

حج/۴۴/ قصص/۲۲،۲۳،۴۵،اعراف/ ۸۵،ھود/۸۴،ھود/ ۹۵،عنکبوت/ ۳۶،

سورۂ قصص آیت/ ۲۵ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شہر اُس وقت مدینہ منورہ اور شام کے مغرب اور خلیج عقبیٰ کے مشرق میں واقع تھا اُس وقت یہ شہر مصر کی حکمرانی وتسلط سے آزاد تھا جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت شعیبؑ کی گفتگو سے پتہ چلتا ہے:

﴿قال لاتخف نجوت من القوم الظلمین﴾ ''اس نے کہا کچھ خوف نہ کرو، اب تم ظالم لوگوں سے بچ نکلے ہو''

۱۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے تعاقب سے بچنے کیلئے شہر مدین کا رخ کیا۔

۲۔ جب حضرت موسیٰؑ شہر مدین پہنچے تو سکون کا سانس لیا اور خداوند متعال سے دعا کی کہ میری مزید رہنمائی کرے۔

۳۔حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ اب آپ فرعون کے قہر وعذاب سے نجات حاصل کر چکے ہیں اور یہاں آپ کو حکومت مصر کی طرف سے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوسکتی۔

طور سینا:

تفسیر مجمع البیان اور صحاح لغت میں آیا ہے کہ طور ایک پہاڑ کا نام ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ ۶۳:﴿واذا خذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور﴾ ''اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا'' یہ کلمہ قرآن کریم میں دس بار تکرار ہوا ہے۔ آٹھ بار ''ط'' سے پہلے ''ال'' ہے لیکن دو جگہوں پر بغیر ''ال'' کے ہے جیسا کہ سورۂ مومنون کی آیت ۲۰ اور سورۂ التین کی آیت ۲:﴿وشجرة تخرج من طور سینا﴾ ''اور اس درخت کو بھی پیدا کیا جو طور سینا سے نکلتا ہے'' (مومنون/۲۰)﴿وطور سینین﴾ ''اور طور سینین کی'' (تین/۲)

بعض افراد کا کہنا ہے کہ طور مطلق پہاڑ کو کہتے ہیں جبکہ بعض کے مطابق یہ خاص اس پہاڑ کا نام ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ سلام درگاہ خداوندی میں مناجات کرتے تھے۔ کتاب

اقرب الموارد میں آیا ہے کہ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو طور سینا کے نزدیک واقع ہے۔ سینا ایک جزیرہ ہے جو دریائے مترانہ نہر سویز، فلسطین اور خلیج عقبی کے درمیان واقع ہے۔ کتاب المنجد میں اسے حوریب بھی کہا گیا ہے۔

سورۂ اعراف ۱۷۱ میں آیا ہے جب بنی اسرائیل نے احکام خدا کو ماننے سے انکار کیا تو خداوند متعال نے کوہ طُور کو ان کے سر پر لا کھڑا کیا:

﴿واذنتقنا الجبل فقوهم کانه ظلة وظنوا انه واقع بهم﴾ ''اور جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر اس طرح اٹھایا گویا وہ سائبان ہو اور انھیں یہ گمان تھا کہ وہ ان پر گرنے ہی والا ہے'' (اعراف/۱۷۱)

اس وقت انھیں یہ ڈر لاحق ہوا کہ کہیں کوہ طور ان پر آنہ گرے چنانچہ وہ ایک طرف تو سجدے میں گر گئے اور دوسری طرف ایک آنکھ سے اسکی طرف دیکھتے بھی رہے۔ طور سینا ایک پہاڑی سلسلہ ہے جسکی لمبائی دو میل اور چوڑائی ایک تہائی میل ہے۔ وادی مقدس یا وادی طویٰ اس پہاڑ سے ملی ہوئی ہے یہ ہی وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ رب العزت کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ سلام کو تجلی ہوئی:﴿فلماتجلی للجبل﴾ ''چنانچہ اس کے رب نے جب پہاڑ پر تجلی کی'' (اعراف/۱۴۳)

حضرت موسیٰ علیہ سلام کوہ طور پر

قصہ حضرت موسیٰ علیہ سلام میں دو پہاڑوں کا ذکر سامنے آتا ہے۔ ایک وہ جہاں حضرت موسیٰ کو مبعوث بہ رسالت ہونے کا علم ہوا اور دوسرا جہاں حضرت موسیٰ علیہ سلام کو الواح تورات ملی ہیں۔ طور کے بارے میں سورہ مومنون کی آیت ۲۰ اور سورہ التین کی آیت ۲ میں ذکر آیا ہے۔

طور قرآن کریم کی ایک سورہ کا نام ہے۔ درحقیقت طور سینا اور طور سینین دونوں سے مراد ایک ہی پہاڑ ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ سلام نے درگاہ خداوندی میں مناجات کیں یہی وہ جگہ ہے جہاں سب سے پہلے زیتون کا درخت پیدا ہوا۔ اسے آج

کل جبلِ موسٰی کہتے ہیں۔

سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲ اور نازعات ۱۶ میں اس جگہ کو وادی طویٰ کہا گیا ہے:

﴿انك بالواد المقدس طوى﴾ ''بتحقیق آپ طویٰ کی مقدس وادی میں ہیں'' ﴿اذ ناده ربه بالواد المقدس طوى﴾ ''جب ان کے رب نے طویٰ کی مقدس وادی میں انھیں پکارا تھا''

اس کے شمال میں دریائے مترانہ، مغرب میں سویز، مشرق میں فلسطین اور خلیج عقبٰی ہیں اور جنوب میں دریائے احمر ہے۔

۳۔ افرادی عناصر:

افرادی قوت بھی دو گروہوں پر مشتمل ہے۔ قصہ میں دونوں فریق یعنی حضرت موسٰی سلام علیہ اور فرعون دونوں کمیت و کیفیت کے حوالے سے اپنے ہم فکر، ہم خیال اور ناصر و مددگار رکھتے ہیں۔ لیکن یہ مسلمہ حقیقت نہیں کہ ہمیشہ فیصلہ کثرت کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے۔ تاہم دونوں کی افرادی قوت کو قصے میں شامل کرنا اس لئے ضروری ہے تاکہ اس قصہ کے مثبت اور منفی نتائج سے مستفیض ہو سکیں۔

۴۔ خاص افرادی عناصر:

قصے میں جن افراد کا خاص طور پر اہتمام کے ساتھ ذکر کرنے میں دونوں کے اہداف کی تکمیل کیلئے خاص کردار کے حامل ہونے کی دلیل ہے۔ یہاں حضرت موسٰی اور فرعون کی افرادی قوت کے ناموں کی فہرست پیش کرتے ہیں جن کے بارے میں بعد میں تعریف اور تفصیل سے گفتگو کی جائے گی۔

ا۔ حضرت موسٰیؑ اور انکے ساتھی، حضرت ہارونؑ، حضرت شعیبؑ اور انکی بیٹیاں، قوم اسرائیل، مومن آل فرعون، زوجہ فرعون، مادرِ موسٰی، خواہرِ حضرت موسٰیؑ، وہ افراد جو حضرت موسٰی کے ساتھ تھے۔

۲۔ فرعون اور اسکے ساتھی، ہامان، قارون، قوم قبطی، ساحران مصر، سامری اور طرفدار فرعون۔

حضرت موسٰی علیہ سلام

''موسٰی'': موسٰی کلمۂ عبری ہے یہ دو کلمات ''مو'' یعنی پانی اور ''سا'' یعنی درخت سے مرکب ہے اس کلمہ کی توجیہ میں بیان کیا جاتا ہے: چونکہ حضرت موسٰیؑ کو فرعون کے کارندوں نے درخت کے نیچے پانی میں پایا۔ اس لئے انہیں موسٰیؑ کہا گیا ہے۔ حضرت موسٰی حضرت مسیحؑ کی ولادت سے تیرہ یا پندرہ سو سال قبل پیدا ہوئے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی قرآن کریم میں ۱۳۶ بار تکرار ہوا ہے۔ بیس سوروں میں آپ کی زندگی اور دعوت کا ذکر آیا ہے۔ موسٰی کے والد گرامی کا نام عبری زبان میں ''عمرام'' بتایا جاتا ہے جسے عربی میں عمران کہتے ہیں لیکن قرآن میں انکے نام کا ذکر نہیں آیا۔ جس عمران کا ذکر سورۂ آل عمران میں آیا ہے اس سے مراد والدِ مریم بتول ہیں حضرت موسٰیؑ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی جیسا کہ توارت میں آیا ہے ''یوخابت'' ہے لیکن قرآن نے اُمِ موسٰی کہنے پر ہی اکتفاء کیا ہے۔ جن سوروں میں حضرت موسی علیہ سلام کا ذکر آیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

نام سورہ	سورہ نمبر	آیات نمبر
البقرة	۲	۵۱، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۶۰، ۶۱، ۶۷، ۸۷، ۹۲، ۱۰۸، ۱۳۶، ۲۴۶، ۲۴۸
آل عمران	۳	۸۴
النساء	۴	۱۵۳، ۱۶۴
المائده	۵	۲۰، ۲۲، ۲۴
الانعام	۶	۸۴، ۹۱، ۱۵۴
الاعراف	۷	۱۰۳، ۱۰۴، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۲۲، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۳۸، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۹، ۱۶۰

یونس	۱۰	۷۵، ۷۷، ۸۰، ۸۱، ۸۳، ۸۴، ۸۷، ۸۸
ھود	۱۱	۱۷، ۹۶، ۱۱۰
ابراھیم	۱۴	۵، ۶، ۸
الاسراء	۱۷	۲، ۱۰۱
الکھف	۱۸	۶۰، ۶۶
مریم	۱۹	۵۱
طٰہٰ	۲۰	۹، ۱۱، ۱۸، ۱۹، ۳۶، ۴۰، ۴۹، ۵۷، ۶۱، ۶۵، ۶۷، ۷۰، ۷۷، ۸۳، ۸۶، ۸۸، ۹۱
الانبیاء	۲۱	۴۸
الحج	۲۲	۴۴
المؤمنون	۲۳	۴۵، ۴۹
الفرقان	۲۵	۳۵
الشعراء	۲۶	۱۰، ۴۳، ۴۵، ۴۸، ۵۲، ۶۱، ۶۳، ۶۵
النمل	۲۷	۷، ۹، ۱۰
القصص	۲۸	۳، ۷، ۱۰، ۱۵، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۴۳، ۴۴، ۴۸، ۴۶
العنکبوت	۲۹	۳۹
السجدۃ	۳۲	۲۳
الاحزاب	۳۳	۷، ۶۹
الصافات	۳۷	۱۱۴، ۱۲۰
غافر	۴۰	۲۳، ۲۶، ۲۷، ۳۷، ۵۳
فصلت	۴۱	۴۵

الشوری	۴۲	۱۳
الزخرف	۴۳	۴۶
الاحقاف	۴۶	۱۲، ۳۰
الذاریات	۵۱	۳۸
النجم	۵۳	۳۶
الصف	۶۱	۵
النازعات	۷۹	۱۵
الاعلی	۸۷	۱۹

حضرت موسیٰؑ نبوت پر فائز ہونے سے پہلے ایک انفرادی زندگی رکھتے ہیں۔آپ کی زندگی کا دوسرا مرحلہ نصب نبوت طور سے شروع ہوتی ہے۔اُس کے بعد قصر فرعونی سے معاشرہ کی فکری فریب، نیرنگی دھوکہ بازیوں سے، جنگ سے ہجرت مصر اور دریائے نیل پار کر کے دوبارہ طور تک اور اس کے بعد طور سے میدان تیہ تک ہے۔

نام گرامی مادر حضرت موسیٰؑ :

کسی بھی معاشرے کی فکری سطح میں تنزلی اور پستی کی واضح و روشن علامت یہ ہے کہ اس قوم کے پڑھے لکھے حضرات اور دانشمندان ہمیشہ ہی سے بے مقصد اور بے ہودہ چیزوں کے بارے میں معلومات جمع کرنے کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ فی زمانہ ہمارے معاشرے اور بالخصوص جس فرقے سے ہمارا تعلق ہے اس کی فکری تنزلی اس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ اس کے پڑھے لکھے دینی اور مذہبی افراد جو تبلیغ اور اشاعت میں سرگرم ہیں جب نسلِ جوان کی سطح معلومات جاننا چاہتے ہیں تو اس قسم کے سوالات کرتے ہیں جیسے: حضرت مسلمؑ کی بیوی اور بیٹیوں کے نام، وہاب بن کندی کی زوجہ کا نام، ابوذر غفاری کی زوجہ کا نام، یا ابوطالب مشہور و معروف کنیت کے ہوتے ہوئے ایک غیر معروف کنیت کی تشہیر کرنے میں سرگرم ہیں اس کے نام سے ادارے قائم کرتے ہیں اور یہ گمان کررہے ہیں اس سے دین کی بہت

خدمت ہو رہی ہے۔ اسی طرح حضرت امام حسینؑ کی سواری کے مذکر یا مؤنث ہونے کے بارے میں پوچھا جاتا ہے۔ غرض ہمارے ہاں ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہمیشہ ہی سے قوم کو ان بے مقصد باتوں کے سمندر میں غوطہ زن ہونے اور خداوند متعال کے عطا کئے ہوئے اس قیمتی وقت کو ضائع کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اس قوم کی فکر سوچ کا جائزہ لینے والے ماہرین بہت جلد اور آسانی کے ساتھ چند ہی سوالناموں کو دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ اس قوم کی سوچ اور فکری سطح کیا ہے۔

قرآن کریم بے ہودہ اور بے مقصد و بے ثمر آگاہی اور معلومات کے حصول کی مخالفت کرتا ہے اور ہمیشہ نتیجہ خیز اور ثمر بخش مسائل کے حل پر توجہ دینے کی ترغیب دیتا ہے اور ہمارے ذہنوں کو ان سے مربوط اور مأنوس کرتا ہے۔

قرآن کریم میں نہ کسی نبی کے والد کا ذکر ہے نہ والدہ کا سوائے حضرت مریم، کے یہاں تک کہ ماں کا ذکر کرتے وقت بھی خاص نام لینے سے گریز کیا گیا ہے چنانچہ مادر گرامی حضرت موسیٰ کا نام لینا ضروری تھا وہاں بھی اسی پر اکتفاء کیا کہ ہم نے مادر موسیٰؑ کو وحی کی کہ وہ اپنے بچے کو دریا میں پھینک دیں لیکن ماں کا نام بتانے سے گریز کیا' اسی طرح جب ان کی ماں نے ان کی بہن کو ان کے بارے میں معلومات کیلئے بھیجا تا کہ وہ دیکھے کہ دریائے نیل میں موسیٰؑ کا گہوارہ کہاں رکتا ہے اور اسے کون اٹھاتا ہے تو قرآن کریم نے ان کی بہن کا نام نہیں لیا بلکہ صرف موسیٰؑ کی بہن کہہ کر اس کا ذکر کیا اسی طرح جب ایک مومنہ خاتون نے موسیٰؑ کلیم اللہ کو فرعون کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچایا تو قرآن نے اسے زوجۂ فرعون کہہ کر اس کا ذکر کیا' اس کا نام نہیں لیا ہمیں قرآن کریم کے اس انداز بیان سے یہ درس ملتا ہے ایک انسان عاقل اور خاص طور پر وہ افراد جو خود کو علوم قرآن سے مور، مأنوس، آباد اور سیرت انبیاء و مرسلین سے روشن و مزین کرنا چاہتے ہیں انہیں بے سود، بے بہرہ بے فائدہ، بے ثمر اور جزیات سے متعلق سوالات کو ذہن اور فکر میں جنم لینے اور ان کے استفسار سے گریز کرنا چاہیے اور اپنی فکر و دین کو ہمیشہ بنیادی اور سودمند مسائل و اہداف عالیہ سے ہی جوڑنا چاہئے۔

خواہرِ حضرت موسیٰ علیہ السلام:۔

سورۂ قصص کے مطابق جب مادر موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو صندوق میں ڈال کر دریا میں پھینکا۔ اس وقت مادر موسیٰ علیہ السلام کے دل میں کرب و اضطراب پیدا ہوا خود سے سوال جواب کرنے لگیں۔ وعدۂ الٰہی پر ایمان اور استقرار نفس کے باوجود اپنے بیٹی سے کہنے لگیں تم اپنے بھائی کے پیچھے پیچھے جاؤ اور دیکھو یہ صندوق کہاں رکتا ہے اور پھر مجھے آ کر بتاؤ۔ چنانچہ خواہر موسیٰ صندوق پر نظر رکھنے کیلئے اس کے پیچھے چل پڑیں۔ انھوں نے دیکھا صندوق فرعون کے محل کے ساتھ جا کر رک گیا۔ جب فرعون کے محل والوں کی نظر صندوق پر پڑی انھوں نے صندوق کو کھولا تو وحشت میں پڑ گئے اس میں ایک بچہ ہے دوسری طرف انکی خواہر یہ منظر دیکھ کر خوش ہوئیں۔ جب بچے نے کسی کا دودھ نہیں پیا تو انھوں ایک ایسی ماں کی تلاش شروع کی جو انکی پرورش کر سکے۔ خواہر موسیٰ نے انھیں ایسی عورت لانے کا وعدہ دیا اور واپس گھر آئیں' والدہ کو حضرت موسیٰ کے بچنے کی خوشخبری سنائی اور سارا واقعہ بیان کیا اور انھیں اپنے ساتھ محل میں لے گئیں۔ یہاں فرعون اور اسکے خدمت گاروں کو یہ علم نہیں تھا کہ خداوند متعال نے اپنے وعدہ کے مطابق موسیٰ کو انکی ماں کے پاس پلٹایا ہے۔

حضرت ہارون علیہ سلام

قصۂ موسیٰ میں ایک بڑا جز آپکے برادر حقیقی حضرت ہارون علیہ سلام ہیں جو آپکی دعوت نبوت آغازِ سے آپ کے ہم رزم ہم سفر رہے۔ چاہے زمانے کے حالات آپ کے موافق رہے یا مشکلات و مصائب نے گھیرا ہو حضرت ہارون علیہ سلام آپ کے دوش بہ دوش رہے۔ آپکا نام گرامی ۱۹ بار مختلف مواقع پر کتاب خدا میں ذکر ہوا ہے۔ جن سوروں میں آپکا نام گرامی ذکر ہوا وہ درج ذیل ہیں:

نام سورہ	سورہ نمبر	آیات نمبر
البقرۃ	۲	۲۴۸

النساء	۴	۱۶۳
الانعام	۶	۸۴
الاعراف	۷	۱۴۲،۱۲۲
یونس	۱۰	۷۵
مریم	۱۹	۵۳،۲۸
طہٰ	۲۰	۹۲،۹۰،۷۰،۳۰
الانبیاء	۲۱	۴۸
المؤمنون	۲۳	۴۵
الفرقان	۲۵	۳۵
الشعراء	۲۶	۴۸،۱۳
القصص	۲۸	۳۴
الصافات	۳۷	۱۲۰،۱۱۴

ہارون علیہ السلام کا منصب وزارت پر فائز ہونا

خداوندمتعال نے حضرت موسٰی کلیم اللہ کو عہدہ نبوت سے نوازا اور آپ کو پیغام رسالت لے کر فرعون کی طرف جانے کا حکم صادر فرمایا یہاں حضرت موسٰی علیہ السلام نے خداوندکریم سے درخواست کی اے بارالہا اس بارسنگین اور تبلیغ رسالت کی انجام دہی کو ادا کرنے کے لئے میرے بھائی ہارون کو میرا شریک کار بنا۔ حضرت ہارون علیہ سلام جہاں حسب ونسب کے حوالے سے جناب موسٰی کے برادر حقیقی تھے۔ وہاں ہی اخوت مذہبی میں آپ کے ہمیشہ ہم فکر اور ہم سفر رہے۔ حضرت ہارونؑ گرچہ آیات قرآنی کے تحت بحیثیت نبی حضرت موسٰی کے برابر تھے ان پر وحی ہوتی تھی۔ لیکن بعض دیگر آیات کے تحت میدان کارساز میں تابع فرمان شریعتِ موسٰی تھے۔ حضرت موسٰی سے عمر میں بڑے ہونے کے باوجود سورۂ طہٰ ۲۹، ۳۰ کے تحت: ﴿واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی﴾ ''اور میرے کنبے میں

سے میرا ایک وزیر بنا دے، میرے بھائی ہارون کو'' آپ حضرت موسٰی کے وزیر تھے۔ حضرت موسٰی جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تو حضرت ہارون کو اپنا جانشین مقرر فرمایا: ﴿وقال موسٰی لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی واصلح﴾ ''اور موسٰی نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میری قوم میں میری جانشینی کرنا'' (اعراف/۱۴۲) لیکن جب سامری نے قوم موسٰی میں فتنہ کفر و بت پرستی برپا کیا تو حضرت موسی نے حضرت ہارونؑ کو اپنے کلمات غم وغصہ اور اقدامات عملی میں نقد وعتاب کا نشانہ بنایا۔ جسکا آیات میں اشارہ موجود ہے۔

زوجۂ فرعون:

زوجۂ فرعون کا نام آسیہ بنت مزاحم بتایا جاتا ہے' یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ آپ فرعون کے چچا کی بیٹی تھیں بعض نے کہا ہے کہ آپ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتی تھیں اور حضرت موسٰی علیہ سلام کے خاندان سے تھیں۔ البتہ ان میں سے کسی بات کی سند ہمارے ہاتھوں نہیں پہنچی اگر پہنچتی تو بھی ہمارے لئے مشکل تھی کہ اس سے کچھ اخذ کیا جاتا، لہٰذا ہم نے ان تمام قصوں میں نقل کے حوالے سے اعتماد صرف قرآن پر کیا ہے۔ اس خاتون کا مقام و منزلت خداوندمتعال کے پاس کیا ہے اس کا ذکر سورۂ تحریم آیت نمبر ۱۱ میں موجود ہے:

﴿وضرب اللہ مثلاًللذین آمنوا امُرات فرعون﴾ ''اور اہل ایمان کے معاملہ میں اللہ فرعون کی بیوی کی مثال پیش کرتا ہے'' جہاں انکو حضرت مریم بنت عمران سلام اللہ علیہا کے ساتھ اپنے ایمان خالص اور حفظ رسالت آسمانی کے کردار کے حوالے سے ان دونوں ہستیوں کو رہتی دنیا تک کے مرد وعورتوں کیلئے نمونہ عمل قرار دیا ہے۔ حضرت موسٰیؑ کے قصہ کے حوالے سے انکا کردار سورۂ قصص ۸ میں موجود ہے:

﴿فالتقطہ ال فرعون لیکون لھم عدوا وحزنا ان فرعون وھا من وجنود ھما کانو خطئین﴾ ''چنانچہ آل فرعون نے انھیں اٹھالیا تا کہ وہ ان کے لیے ایک دشمن اور باعث رنج بن جائیں یقیناً فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکر والے خطا کار تھے'' (قصص/۸)

حضرت موسیٰؑ اور زوجۂ فرعون:

خداوند عالم نے حضرت موسیٰؑ پر اپنے لطف و احسان کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا میں نے آپ کو اپنی محبت کا مظہر بنایا تا کہ آپ میری نظروں میں پرورش پائیں۔ آل فرعون نے آپ کو دریائے نیل کے کنارے سے اٹھایا، فرعون نے آپ کو قتل کرنا چاہا کیونکہ دریا کے کنارے سے آپ کا ملنا دلیل ہے کسی نے آپ کو پھینکا ہے اور ایسے نومولود بچے کو دریا میں صرف بنی اسرائیل ہی پھینک سکتے ہیں لہٰذا فرعون کا خدشہ اپنی جگہ پر صحیح تھا اسی دوران اس کی زوجہ آسیہ بنت مزاحم نے فرعون کے وہم کو زائل کرنیکی کوشش کی اور کہا یہ میری اور تمہاری دونوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا اسے قتل نہ کرو شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے شاید ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں۔ فرعون کی بیوی اس نومولود کی محبت اپنے دل میں محسوس کرنے لگی اور دشمنوں سے اس بچے کے بارے میں ڈرنے لگی۔ حدیث میں ہے اگر خدا کسی سے محبت کرتا ہے تو لوگوں کے دلوں میں اس بندے کی محبت پیدا کر دیتا ہے مومن اور کافر سب کے دل میں اسکی محبت پیدا ہوتی ہے۔ فرعون نے کہا یہ تمہارے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکتا ہے میرے لیے نہیں لہٰذا خداوند کریم نے حضرت موسیٰؑ کے ذریعے ہی زوجہ فرعون کو جنت میں قرار دیا اور فرعون کو دنیا و آخرت میں گھاٹے میں رکھا اور شقاوت اسکا مقدر بنی۔ زوجۂ فرعون نے کہا آپ اسے قتل نہ کریں۔ یہاں جمع کا صیغہ استعمال کر کے انہوں نے فرعون کی تعظیم کہ کی شاید تعظیم اور احترام سے اسکا دل نرم ہو جائے یا فرعون کے درباری افراد جو نومولود بچے کے قتل کرنے کے درپے ہیں وہ بھی انکے حامی ہو جائیں۔ حضرت موسیٰ کو ساحل نیل سے اٹھا کر لانے اور دشمنِ خدا کے گھر پرورش پانے میں رہتی دنیا تک کیلئے ایک محکم دلیل اور حجت ہے کہ اگر خدا چاہیے تو دنیا کے طاقت و قدرت، عقل اور شعور کی بلند ترین منازل طے کرنے والے انسان بھی ارادۂ الٰہی اور الٰہی فیصلے کا احساس اور ادراک نہیں کر سکتے، دفاع کرنا تو دور کی بات ہے۔

مومن آلِ فرعون

﴿وقال رجل مومن من ال فرعون یکتم ایمانه اتقتلون رجلا ان یقول ربی الله وقد جاء کم بالبینت من ربکم، وان یك کاذبا فعلیه کذبه۔ان یك صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم ان الله لایهدی من هو مسرف کذاب۔یقوم لکم الملك الیوم ظاهرین فی الارض، فمن ینصرنا من باس الله ان جاء نا، قال فرعون ماار یکم الا ماار ی وما اهدیکم الا سبیل الرشاد۔وقال الذی امن یقوم انی اخاف علیکم مثل یوم الاحزاب۔مثل داب قوم نوح وعاد و ثمود والذین من بعدهم، وماالله یرید ظلما للعباد۔ویقوم انی اخاف علیکم یوم التناد﴾

”آل فرعون میں سے ایک مومن جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا کہنے لگا: کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے اور تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آیا ہے اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ خود اس کے خلاف جائے گا اور اگر یہ سچا ہے تو جس (عذاب) کا یہ تم سے وعدہ کر رہا ہے اس میں سے کچھ تو تم پر واقع ہو ہی جائے گا۔ اللہ یقیناً تجاوز کرنے والے اور جھوٹے کو ہدایت نہیں دیتا اے قوم آج تمہاری بادشاہت ہے اور ملک میں تم غالب ہو۔ پس اگر ہم پر اللہ کا عذاب آ گیا تو ہماری کون مدد کرے گا، فرعون نے کہا میں تمہیں صرف وہی رائے دوں گا جسے میں صائب سمجھتا ہوں اور میں اسی راستے کی طرف تمہاری راہنمائی کرتا ہوں جو درست ہے اور جو شخص ایمان لایا تھا کہنے لگا اے میری قوم مجھے خوف ہے کہ تم پر کہیں وہ دن نہ آئے جیسا (پہلی) امتوں پر آیا تھا جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والی امتوں پر آیا تھا اور اللہ تو بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا اور اے میری قوم مجھے تمہارے بارے میں پکار کے دن (قیامت) کا خوف ہے“ (غافر/ ۲۸ تا ۳۲)

بنی اسرائیل:

اسرائیل لقب حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراھیم خلیل اللہ ہے۔حضرت یقوب کے بارہ فرزند تھے آپ کو بنی اسرائیل کا باپ کہا جاتا تھا۔قرآن کریم میں بنی اسرائیل دوبار، بنی اور بنواسرائیل ۴۱ بار استعمال ہوا ہے۔بنی اسرائیل کو یہود بھی کہتے ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۶۲ میں آیا ہے جو ﴿ والـذيـن هـا دو ﴾ سے مراد حضرت موسیٰؑ کی پیروی کرنے والے ہیں یہود کی توجیہہ میں کہتے ہیں۔انہوں نے گوسالہ پرستی سے توبہ کی تھی اس لیے انہیں یہود کہا جاتا ہے حضرت خاتم انبیاء کے دور میں حضرت موسیٰؑ کی پیروی کرنے والے خود کو یہود اس لئے کہتے تھے کہ انہوں نے درگاہ خداوندی میں گوسالہ پرستی سے توبہ کی تھی۔لیکن ان کو زیادہ تر بنی اسرائیل کہہ کر ہی خطاب کیا جاتا تھا۔پیغمبر اکرم کے تثبیت قلب کے لئے خداوند عالم نے بنی اسرائیل کا دوسرے انبیاء کے ساتھ سلوک، رویہ اور گمراہی کا ذکر کیا ہے تا کہ آپ آگاہ ہوں کہ انہوں نے پہلے بھی انبیاء کو بہت ستایا ہے۔

قرآن کریم میں کلمہ ''یہود'' ۸ بار اور یہودی ایک بار استعمال ہوا ہے بنی اسرائیل سے مراد یہود ہیں اور یہود سے مراد وہ یہودی ہیں جو عصر پیغمبر اکرمؐ میں موجود تھے جو مدینہ اور اسکے اطراف میں زندگی گذارتے تھے۔قرآن کریم میں دیگر اقوام وملل کی نسبت یہودیوں کو عطا کی جانے والی نعمتوں کا زیادہ ذکر ہوا ہے لہٰذا مناسب ہے ان نعمتوں کا ذکر کیا جائے، جیسے فرعون سے نجات، دریا کا ان کیلئے شگاف ہونا، کوہ طور پر مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا' بادل کا میدان میں ان پر سایہ کرنا' من وسلوی کا ان پر نازل ہونا' پتھر سے بارہ چشموں کا نکلنا۔یہ وہ نعمتیں ہے جو انھیں عطا کی گئیں اور جسکی وجہ سے خداوند متعال نے ان سے کہا اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کا ذکر کرو جس میں ہم نے تمھیں دیگر اقوام وملل پر ترجیح دی۔

اسرائیل حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کا نام ہے انہیں اسرائیل کہنے کی توجیہ میں مفسرین لکھتے ہیں کہ ''اسراء'' کے معنیٰ ''عبد'' اور ''ئیل'' کے معنیٰ ''خدا'' ہیں چنانچہ اس لحاظ سے اسرائیل کے معنیٰ عبداللہ ہیں، اطاعت وبندگی خدا اور امر ونواہی میں سرعتِ عمل

اور اطاعت کی وجہ سے حضرت یعقوبؑ کو اسرائیل کا لقب ملا ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ دین منتخب کیا ہے' لہٰذا تم ہمیشہ اس دین کی پابندی کرتے رہو اور مرتے وقت مسلمان ہی مرو''۔اسی طرح حضرت یعقوبؑ نے بھی مرض موت میں وصیت کرتے ہوئے اپنی اولاد سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی پرستش کرو گے تو انہوں نے کہا آپؑ اور آپؑ کے آباء ابراہیمؑ اور اسحاقؑ کے خدا کی پرستش کریں گے اور اسی کے آگے تسلیم رہیں گے چنانچہ قرآن مجید نے حضرت محمدؐ کے زمانے میں موجود نسلِ یعقوب سے خطاب فرماتے ہوئے کہا ہے ''اے عبد صالح، رسول مطیع اور فرمانبردار یعقوب کی اولاد! تم بھی یعقوب کی مانند خدا کی اطاعت اور بندگی میں آجاؤ اور نبی محمدؐ کی پیروی کرو''۔

قرآن اور ذہنیت بنی اسرائیل

۱۔ذہنیت بنی اسرائیل سے آگاہی کیلئے قرآن کریم کی ان آیات کو ملاحظہ فرمائیں:

﴿ لقد اخذنا ميثاق بني اسرائيل وارسلنا اليهم رسلا كلما جاء هم رسول بما لاتهوى انفسهم فريقا كذبوا و فريقا يقتلون۔وحسبوا الا تكون فتنة فعموا و صموا ثم تاب الله عليهم ثم عموا و صموا كثير منهم والله بصير بما يعملون۔لقد كفروا الذين قالوا ان الله هو المسيح ابن مريم ﴾ ''بتحقیق ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے لیکن جب بھی ان کی طرف کوئی رسول ان کی خواہشات کے خلاف کچھ لے کر آیا تو انہوں نے بعض کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل کر دیا اور ان کا یہ خیال تھا کہ ایسا کرنے سے کوئی فتنہ نہیں ہوگا اس لیے وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی پھر ان میں اکثر اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔وہ لوگ یقیناً کافر ہو گئے جو کہتے ہیں مسیح بن مریم ہی خدا ہیں'' (مائدہ/۷۰تا۷۲)

﴿ ثم قست قلوبكم من بعد ذلك فهي كالحجارة او اشد قسوة ﴾ ''پھر اس

کے بعد بھی تمہارے دل سخت رہے، پس وہ پتھر کی مانند بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوگئے'' (بقرہ۷۴) ﴿وقالوا قلوبنا غلف﴾ ''اور وہ کہتے ہیں ہمارے دل غلاف میں بند ہیں'' (بقرہ/۸۸)

۲۔عہد و پیمان کا توڑنا: ﴿فبما نقضهم ميثاقهم و كفرهم﴾ ''پھر اپنے وعدوں کی خلاف ورزی کے سبب اللہ کی آیات کا انکار کیا'' (نساء/۱۵۵)

۳۔عناد اور دشمنی: ﴿فلما جاء هم بالبينت قالوا هذا سحر مبين﴾ ''پس جب وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے'' (صف/۶)

۴۔دھوکہ بازی اور فریب کاری: ﴿ومكروا و مكرالله والله خير المٰكرين﴾ ''ان لوگوں نے تدابیر سوچیں اور اللہ نے تدبیر فرمائی کہ اللہ بہترین تدبیر فرمانے والا ہے'' (آل عمران/۵۴)

۵۔جھوٹ اور تہمت لگانا: ﴿ويقولون على الله الكذب وهم يعلمون﴾ ''اور وہ جان بوجھ کر اللہ کی طرف جھوٹی نسبت دیتے ہیں'' (آل عمران/۷۸)

۶۔مغرور اور خود پسندی: ﴿وقالوا لن تمسنا النار الا ايا ما معدودة﴾ ''اور کہتے ہیں ہمیں تو جہنم کی آگ گنتی کے چند دنوں کے علاوہ چھو نہیں سکتی'' (بقرہ/۸۰) ﴿قل ان كانت لكم الدار الاخرة عند الله خالصة من دون الناس فتمنوا الموت ان كنتم صدقين﴾ ''کہہ دیجئے اگر اللہ کے نزدیک دار آخرت دوسروں کی بجائے خالصتا تمہارے ہی لیے ہے اور تم سچے بھی ہو تو ذرا موت کی تمنا کرو'' (بقرہ/۹۴) ﴿وقالت اليهود والنصرى نحن ابنئوا الله واحبائوه﴾ ''اور یہود و نصاری کہتے ہیں ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں'' (مائدہ/۱۸) ﴿ان تامنه بدينار لا يوده اليك الا ما دمت عليه قائما، ذلك بانهم قالو ليس علينا فى الامين سبيل﴾ ''ان میں کوئی ایسا بھی ہے جسے اگر آپ ایک دینار کا بھی امین بنا دیں تو وہ آپ کو ادا نہیں کرے گا جب تک آپ اس کے سر پر کھڑے نہ رہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ناخواندہ

لوگوں کے بارے میں ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں'' (آل عمران/۷۵) ﴿قل يايها الذين هادوا ان زعمتم انكم اولياء لله من دون الناس فتمنوا الموت ان كنتم صادقين﴾ ''کہہ دیجیے اے یہودیت اختیار کرنے والو اگر تمھیں یہ زعم ہے کہ تم اللہ کے چہیتے ہو دوسرے لوگ نہیں تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو'' (جمعہ/۶)

بنی اسرائیل کی جہالت اور فساد کی داستانیں

۱۔خدا کو جسمانی حالت میں دکھانے کی آرزو کرنا۔

۲۔حضرت موسیٰ کی غیبت میں سامری سے مل کر گوسالہ پرستی کرنا۔

۳۔من و سلوی کے عوض نئی غذا کی درخواست کرنا۔

۴۔شہر میں داخل ہونے کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے حضرت موسیٰ سے یہ کہنا کہ تم اور تمہارا خدا جاؤ۔

۵۔ایک مقتول کے قصاص میں ہر ایک کو قتل کرنے کا حکم۔

۶۔حرام خوری میں بہانہ سازی پر بندر کی شکل میں مسخ ہونا۔

۷۔لذیذ اور طاقت افزاء کھانے کا ان پر حرام ہونا۔

یہ بنی اسرائیل کی لجاجت و خجالت کی وہ داستانیں ہیں جو انھوں نے اپنے مہربان اور نجات دھندہ نبی کے عمل کے پاداش میں کی ہے۔ (کتاب تہذیب و تفسیر جلد ا صفحہ ۱۰۸۔)

عناد اور ضدیتِ قوم یہود

۱۔ یہ کہتے تھے کہ ہمیں خدا حالت محسوس اور ملموس میں دکھائیں:

﴿فقالوا ارنا الله جهرةً﴾ ''اس سے تو انھوں نے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو علانیہ دکھا دو'' (نساء/۱۵۳)

۲۔ گوسالہ پرستی:

﴿ثم اتخذوا العجل﴾ ''پھر انھوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا'' (نساء/۱۵۳)

٣۔ ہفتے کے دن مچھلیوں کا شکار کرنے سے منع کرنے کے باوجود شکار کرنا:

﴿وقلنالهم لاتعدوافی السبت﴾ ''ہم نے ان سے کہا کہ سبت کا قانون نہ توڑو'' (نساء/١٥٤)

٤۔ انبیاء کو بغیر جرم وخطا کے قتل کرنا:

﴿وقتلهم الانبيآء بغير حقٍ﴾ ''اور متعدد پیغمبروں کو ناحق قتل کیا'' (نساء/ ١٥٥)

٥۔ کہتے تھے ہمارے دلوں پر پردہ ہے ہم آپ کی بات نہیں سمجھ سکتے۔

٦۔ انھوں نے حضرت مریم پر تہمت لگائی۔

٧۔ انھوں نے حضرت مسیح کو قتل کرنے کا دعویٰ کیا:

﴿وقولهم اناقتلناالمسيح عيسیٰ ابن مريم رسول الله﴾ ''اور خود کہا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم، رسول اللہ کو قتل کر دیا'' (نساء/ ١٥٧)

٨۔ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کی طرف سے ہمارے ہاتھوں میں بھی کتاب نازل ہو۔

٩۔ رباء کھانے سے منع کرنے کے باوجود رباء کا کھانا:

﴿واخذهم الربٰواوقدنهواعنه واكلهم اموال الناس بالباطل﴾ ''اور سود لیتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں'' (نساء/١٦٠)

١٠۔ جب بیت المقدس میں داخل ہونے کیلئے کہا تو انکار کیا۔

١١۔ آیاتِ الٰہی میں تحریف کرتے اور انکا مذاق اڑاتے۔

خداوند متعال نے بنی اسرائیل کو آٹھ احکام کے بجالانے کو حکم دیا اور چار سے نہی کا حکم دیا۔

١۔ جو نعمتیں خداوند عالم نے انہیں عطا کیں ہیں وہ انہیں یاد رکھیں۔

٢۔ عہد و پیماں کی وفا کریں۔

٣۔ صرف اللہ ہی سے ڈریں۔

٤۔ اس قرآن پر ایمان لائیں جو تورات کی تصدیق کرتا ہے یہ تمام انبیاء و مرسلین کی وصیت ہے۔

٥۔ خدا کے تقویٰ کو اپنا شیوہ قرار دیں۔

٦۔ نماز قائم کریں۔

٧۔ زکوٰۃ ادا کریں۔

٨۔ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کریں۔

ان چار چیزوں کی نہی کا حکم دیا ہے:

١۔ قرآن کریم کی آیات کے کافر نہ بنیں۔

٢۔ آیات قرآنی کو کم قیمت پر فروخت نہ کریں۔

٣۔ حق کو باطل سے نہ ملائیں۔

٤۔ حق کو نہ چھپائیں۔

''سامری''

سامری مادۂ سمر سے ہے۔ سیاہ وسفید کے درمیانی رنگ کو کہتے ہیں بعض نے اسے رات میں اٹھ کر گفتگو کرنے کے معنی میں استعمال کیا ہے سورۂ مبارکہ مومنون آیت ٦٧ میں یہ صیغہ استعمال ہوا ہے:

﴿مستكبرين به سٰمرًاتهجرون﴾ ''اپنے گھمنڈ میں کسی کو خاطر ہی میں نہ لاتے تھے''

لیکن سامری جیسا کہ سورۂ طٰہٰ ٨٥:

﴿قال فانا قد فتنا قومك من بعدك واضلهم السامری﴾ ''ارشاد ہوا کہ ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کا امتحان لیا اور سامری نے انھیں گمراہ کر دیا ہے'' میں آیا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ کی قوم سے تعلق رکھنے والا ایک دھوکہ باز اور فریب کار انسان تھا۔ جس طرح دھوکے باز انسان موقع و محل ملنے پر خود کو زیادہ سرگرم اور جذباتی دکھاتے ہیں۔ جیسے

کہ قرآن میں آیا ہے بعض لوگ ایک زاویہ نگاہ سے خدا کی عبادت کرتے ہیں اور جب کوئی مشکل وقت آئے تو فورا منقلب ہوجاتے ہیں شاید سامری کو اس لئے سامری کہا گیا کہ وہ ہمیشہ اس فکر میں دن رات گزارتا کہ اسے اپنے مقاصد واہداف حاصل کرنے کا موقع آخر کب ملے گا۔ جب حضرت موسٰی علیہ سلام کوہ طور پر توریت لینے گئے تو اس نے آپ کی غیبت میں سونے وچاندی سے ایسا بچھڑا بنایا جس سے آواز نکلتی تھی۔اس نے قوم بنی اسرائیل کو حضرت موسٰی علیہ سلام کی آمد تک اسکی پرستش کرنے کی دعوت دی۔حضرت موسٰی علیہ سلام کو جب یہ خبر ملی تو آپ انتہائی غصے اور کرب کی حالت میں اپنی قوم کی طرف واپس آئے۔ پہلے قوم کو اسکی پیروی کرنے پر ملامت کیا پھر اپنے غیض وغضب کے ساتھ سامری کے گوسالے کی طرف متوجہ ہوئے۔قارئین باقی قصہ کیلئے قصہ گوسالہ پرستی کی طرف رجوع کریں۔

لفظ سامری کو عبری زبان میں ''شمری'' کہا جاتا ہے۔عبری زبان کو عربی میں تبدیل کرتے وقت ''ش'' کی جگہ ''س'' لے لیتا ہے جیسا کہ موشی کے بدلے موسٰی اور یشوع کے بدلے یسوع لکھا گیا ہے۔سامری شمرون سے منسوب ہے۔شمرون فرزند ''بشاکر'' ہے کہتے ہیں بشاکر حضرت یعقوب علیہ سلام کے چوتھے فرزند تھے۔بعض نے کہا ہے سامری شہر سامرہ سے منسوب ہے کیونکہ سامری پچا یہود کے دین سے انحراف کر گیا تھا۔ چنانچہ یہود اور مسیح اسے مرتد کہتے تھے۔لہٰذا اس وقت سامری مرتد از دین کے نام سے مشہور تھا۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن نے اسے سامری کے لقب سے یاد کیا ہے۔

تفسیر طبری میں سامری کو بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ سے منسوب کیا گیا ہے۔اسی طرح کتاب قاموس مقدس میں اسے بنی اسرائیل کے خاندان سے بتایا گیا ہے۔تورات میں گوسالہ سازی کو برادر موسٰی حضرت ھارون کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ بہرحال سامری منسوب بہ شمرون ہے یا سامری کے معنی مرتد مطلق ہے یا سامری گامرس (GAMRES) فرعون کے ساحروں میں سے کسی ایک کا نام ہے۔

بعض افراد سامری کا دفاع کرتے ہوئے کہتے ہیں اس نے یہ عمل بنی اسرائیل کو انتشار اور افتراق سے بچانے اور انکو متحد اور مصروف رکھنے کے لئے کیا تا کہ بنی اسرائیل کیلئے غیبت موسٰی علیہ السلام میں خدا کا تصور موجود رہے وہ اسکی پوجا کرسکیں لہٰذا ان افراد کے خیال میں سامری کا یہ کردار اخلاص پرمبنی تھا۔سامری کا خودساختہ معبود بنانے کا یہ عمل چاہے اس کی کج فکری کیوجہ سے ہو یا مصریوں کی سابقہ عادات کی اتباع اور پیروی میں ہو وہ خود کہتا ہے مجھے میرے نفس اور خواہشات نے یہ تلقین کی کہ میں اس طرح کا کام کروں۔

''ہامان''

قصہ حضرت موسٰی کلیم اللہ میں فرعون کے ساتھیوں میں سے ہامان کا ذکر آتا ہے یہ فرعون کا وزیر تھا اور اسکی حکومت وسلطنت کی باگ دوڑ نظم ونسق اور قبض وبسط کا مالک تھا لہٰذا قرآن کریم میں اس کا نام چھ بار تکرار ہوا ہے:

﴿ونمکن لهم فی الارض ونری فرعون وهامٰن وجنودهما ما کانوا یحذرون﴾ ''اور ہم نے زمین میں انھیں اقتدار دیں اور ان کے ذریعے ہم نے فرعون اور ہامان اوران کے لشکروں کو وہ کچھ دکھا دیں جس کا انھیں ڈر تھا'' (قصص/ ۶) قصص/ ۸، قصص/ ۳۸، عنکبوت/ ۳۹، غافر/ ۳۴، غافر/ ۳۶ اور انہی جگہوں پر جہاں فرعون کا ذکر ہوا ہے۔فرعون نے جب بھی کوئی حکم اپنے رعیت پر نافذ کرنا چاہا تو اسکے اجراء کرنے کا حکم ہامان کو ہی دیا:

﴿فاوقد لی یاهامان علی الطین فاجعل لی صرحا لعلی اطلع الیٰ اله موسیٰ﴾ ''اے ہامان میرے لیے گارے کو آگ لگا پھر میرے لیے ایک اونچا محل بنادے تا کہ میں موسٰی کے خدا کو جھانک کر دیکھوں'' (قصص/ ۳۸)

''قارون''

قاموس لغت میں قارون مادۂ قرن سے لکھا ہے قرن نزدیک کو کہتے ہیں تورات

میں یہ کلمہ ''قورح'' آیا ہے قرآنِ کریم میں چار بار یہ نام آیا ہے سورۂ قصص میں آیا ہے کہ قارون موسیٰ سے تعلق رکھتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے تھے لیکن حضرت موسیٰؑ پر ایمان نہیں لایا چنانچہ خداوند متعال نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا ہے:

﴿الی فرعون و هامان و قارون فقالوا سٰحر کذاب﴾ ''فرعون، ہامان اور قارون کی طرف تو ان سب نے کہہ دیا کہ یہ جادوگر اور جھوٹے ہیں'' (غافر/ ۲۴) اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ گروہ فرعون سے تعلق رکھتا تھا۔

قارون کے خصوصیات

پہلی خصوصیت: قارون نظام فرعونی کا ایک اہم ستون ہے:

﴿وقارون و فرعن وهامان ولقد جاء هم موسٰی بالبینٰت﴾ ''اور قارون و فرعون و ہامان کو بھی یاد دکرو جن کے پاس موسیٰؑ کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے'' (عنکبوت/ ۳۹) میں اسکا فرعون و ہامان کے ساتھ ذکر کیا ہے ان دو آیت سے ثابت ہے کہ یہ تینوں حضرت موسیٰؑ کے حریف تھے۔

﴿ان قارون کان من قوم موسٰی فبغی علیهم واتینه من الکنوز ما ان مفاتحه لتنوا بالعصبة اولی القوة اذ قال لة قومة لاتفرح ان الله لا یحب الفرحین﴾ ''بیشک قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا مگر اس نے قوم پر ظلم کیے اور ہم نے بھی اسے اتنے خزانے دے دیے تھے کہ ایک طاقت ور جماعت سے بھی اس کی کنجیاں نہیں اٹھائی جاسکتی تھیں پھر جب اس سے قوم نے کہا کہ اس قدر نہ اتراؤ کہ خدا اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے'' (قصص/ ۷۶) میں اسے قوم حضرت موسیٰؑ میں سے بتایا ہے:

﴿ان قارون کان من قوم موسٰی﴾ ''یہ ایک واقعہ ہے کہ قارون موسی کے قوم کا ایک شخص تھا'' بعض روایات کے مطابق وہ حضرت موسیٰؑ کے قریبی رشتہ دار، چچازاد یا خالہ زاد بھائی تھا۔

دوسری خصوصیت: ﴿قال انما اوتیته علی علم عندی﴾ ''قارون نے کہا کہ

مجھے یہ سب کچھ میرے علم کی بنا پر دیا گیا ہے'' (قصص/ ۷۸) قصص ۷۶ میں انھیں ایک بڑا سرمایہ دار صاحب مال و دولت بتایا ہے:

﴿واتینٰه من الکنوز ماان مفاتحه لتنوا بالعصبة﴾ ''اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ ان کی کنجیاں طاقتور آدمیوں کی ایک جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی''

تیسری خصوصیت: ﴿فخرج علی قومه فی زینته قال الذین یریدون الحیوة الدنیا یلیت لنا مثل ما اوتی قارون انة لذو حظ عظیم﴾ ''پھر قارون اپنی قوم کے سامنے زیب و زینت کے ساتھ برآمد ہوا تو جن لوگوں کے دل میں زندگانی دنیا کی خواہش تھی انھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ کاش ہمارے پاس بھی یہ ساز و سامان ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے یہ تو بڑے عظیم حصہ کا مالک ہے قصص کی آیت ۷۹ میں اس کا رویہ اپنی قوم سے ایک متکبر اور باغی کا ہے:

﴿فخرج علی قومه فی زینته ، قال الذین یریدون الحیٰوة الدنیا یلیت لنا مثل ما اوتی قارون﴾ '' ایک روز وہ اپنی قوم کے سامنے اپنے پورے ٹھاٹھ میں نکلا۔ جو لوگ حیات دنیا کے طالب تھے وہ اسے دیکھ کر کہنے لگے کاش ہمیں بھی وہی کچھ ملتا جو قارون کو دیا گیا ہے''

چوتھی خصوصیت: سورۂ قصص آیت ۷۷ میں اس کے تکبر و غرور اور جابرانہ باغی سیر و سلوک سے تنگ آ کر بہت سے لوگوں نے اس رویے کو فساد فی الارض قرار دے کر اسے اس رویئے سے باز آنے کی دعوت دی:

﴿اذ قال لە قومه لا تفرح ان الله لا یحب الفرحین﴾ ''ایک دفعہ جب اس کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا پھول نہ جا، اللہ پھولنے والوں کو پسند نہیں کرتا''

پانچویں خصوصیت: خداوند متعال نے اس کو اسکی کفران نعمت، سرکشی اور طغیانی کی پاداش میں عذاب آخرت سے پہلے اس دنیا میں عذاب کے عالم میں اٹھایا جو اس قسم کی طغیانی و بغاوت کی سیرت اپنانے والوں کیلئے عبرت ہے۔

اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔تاہم عملی زندگی میں صاحبان ثروت ودولت اور دانشوروں کی خدمات ہمیشہ وقت کے طاغوتوں کے لئے ہی مخصوص رہی ہیں۔جسکی وجہ سے طاغوتی حکمرانوں کا معاشرہ پر تسلط اور اجارہ داری قائم رہی۔ایک صاحب ثروت جسکی دولت کا ذکر قرآن کریم کی سورۂ مبارکہ قصص کی آیت ۷۶ میں بھی بیان ہوا اسے قارون کہا ہے:

﴿ان قارون کان من قوم موسٰی فبغی علیهم واتینه من الکنوز ما ان مفاتحه لتنوا بالعصبة اولی القوة﴾ ''یہ ایک واقعہ ہے کہ قارون موسٰی کی قوم کا ایک شخص تھا، پھر وہ اپنے قوم کے خلاف سرکش ہوگیا اور ہم نے اُس کو اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ ان کی کنجیاں طاقتور آدمیوں کی ایک جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی''

اسی طرح جس عالم نے اپنے علم ومعرفت سے اپنی روحانیت اور معنویت کی منازل طے کرنے کی بجائے اس علم کو اس ذلیل دنیا کی حقیر متاع کے حصول کیلئے استعمال کیا قرآنی تعبیر کے مطابق اسے سانس پھونکنے والے کتے کی مانند قرار دیا ہے تاریخ نے اسکا نام بلعم باعور بتایا ہے اسکا ذکر قرآن کریم کی سورۂ اعراف ۱۷۶ میں موجود ہے:

﴿ولو شئنا لرفعنٰه بها ولکنّه اخلد الی الارض واتبع هوٰه فمثله کمثل الکلب ان تحمل علیه یلهث او تترکه یلهث ذٰلك مثل القوم الذین کذبوا بایٰتنا﴾ ''اگر ہم چاہتے تو اسے اُن آیتوں کے ذریعہ سے بلندی عطا کرتے، مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا اور اپنی خواہشِ نفس ہی کے پیچھے پڑا رہا، لہٰذا اس کی حالت کُتّے کی سی ہوگئی کہ تم اس پر حملہ کرو تب بھی زبان لٹکائے رہے اور اسے چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے رہے یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں''

وہ صاحبانِ مال و دولت جو اپنی تمام دولت سے عزت دنیا اور سعادت آخرت دونوں بنا سکتے تھے اسکے بجائے یہ دولت دنیا میں انکی ذلت اور آخرت میں نہ ختم ہونے والے عذاب کا

موجب بنی۔

''فرعون''

اصل کلمۂ ''فرعون'' کے بارے میں جیسا کہ کتاب ''اعلامِ قرآن'' میں آیا ہے۔ چار نظریئے پائے جاتے ہیں:

۱۔ پہلا نظریہ: دو کلمہ سے مرکب ہے ''فاہ'' یہ حرف تعریف کی جگہ ہے دوسرا کلمہ ''را'' جسکے معنی خورشید کے ہیں اس نظریئے کے تحت فرعون (سورج) خورشید کو کہتے ہیں جو اس وقت سب سے بڑا معبود تھا۔ بعد میں بادشاہوں نے خود کو اس کا مظہر قرار دیا ہے۔

۲۔ دوسرا نظریہ: فرعون لفظ ''ادرو'' (ا،د،ر،و) سے بنا ہے جسکے معنی قبطی زبان میں بادشاہ کے ہیں۔

۳۔ تیسرا نظریہ: دو کلمہ ''فارا'' (ف،ا،ر،ا) جسکے معنی قصر ہے ،دوسرا کلمہ ''آوہ'' (آ،و،ہ) جسکے معنی عالی یا دربار عالی اور بعد میں خود بادشاہان کا لقب ہوگیا۔

۴۔ چوتھا نظریہ: دو کلمہ ''ا'' ''فارع'' (ف،ا،ر،ع) جسکے معنی حاکم یا کاھن ہے۔

فرعون ایک اصطلاح ہے۔علوم عربیہ کے تحت یہ علم جنس اور لقب باشاہان قدیم مصر ہے۔ بہ اتفاق علوم عربیہ یہ کلمہ عجمی ہے جو عربی زبان میں داخل ہونے کے بعد مستعریات میں شامل ہوگیا ہے۔

''عون'' مصر کا ایک شہر ہے۔ف،ر،و،عون یوسف علیہ سلام کا سسر تھا۔انکا نام فوتی ف،رتھا۔ جب اس شہر کے حاکم نے پورے مصر پر حکومت کی تو وہاں سے تمام حکمران فرعون کہلانے لگے۔ تاریخ مذاہب وادیان میں صاحب اقرب الموارد لکھتے ہیں۔فرعون قبطی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی تمساح یعنی بڑی مچھلی کے ہیں۔عرب میں استعمال کے بعد یہ کلمہ عربی زبان میں فعل بنا ہے یہاں یہ کہتے ہیں تفرعنہ یعنی فلاں نے فرعونیت یعنی تکبر اور تجاوز کیا۔ یہ لفظ ۷۴ بار قرآن مجید میں آیا ہے اور ہر جگہ اس سے مراد وہ بادشاہ ہیں جو بنی اسرائیل کو

دردناک عذاب دیتے تھے۔ ان کے لڑکوں کو قتل کر دیتے اور لڑکیوں کو زندہ رکھتے۔ جیسے کہ شعراء ۲۹ میں آیا ہے ”فرعون نے کہا کہ تم نے میرے علاوہ کسی دوسرے خدا کو اختیار کیا تو تمھیں قیدیوں میں شامل کرونگا“ فرعون دعوی الوہیت و ربوبیت بھی کرتے تھے۔ تاریخ کے ساتھ ساتھ قرآن میں بھی یہ ذکر موجود ہے کہ فرعون بنی اسرائیل کی اولاد کو قتل کرتے اور عورتوں کو اپنی خدمت کے لئے زندہ رکھتے۔ جیسا کہ اعراف ۱۴۱ میں ہے ”اور جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی جو تمھیں بدترین عذاب میں مبتلا کر رہے تھے تمھارے لڑکوں کو قتل کر رہے تھے اور لڑکیوں کو خدمت کے لئے باقی رکھ رہے تھے“ ان کا یہ عمل بیک وقت انکی ستم گری کی نشانی ہونے کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل کی ذلت اور ناگفتہ بہ حالات کی ترجمانی کرتا ہے۔

جیسا کہ ”موسوعۃ عربی میسرہ“ میں آیا ہے کہ اس کلمہ کا اصل مصری زبان کے دو کلمے ہیں یعنی ”پرعو“ ”پرعو“ جس کے معنی بیت العظم بعد میں ”ملک“ کا نام ہوگیا ”پرعو“ یعنی ملک کو کہتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں مصر کے بادشاہ کے محل کو پرعو کہتے تھے۔ ایک ہزار سال قبل میلاد مسیح میں یہ نام بادشاہ مصر کیلئے استعمال ہونے لگا۔ یہ لقب تورات، سفر خروج اور قرآن کریم میں بھی تکرار ہوا ہے۔

کتاب کلمات القرآن قاموس مقدس سے نقل ہے کہ بادشاہ مصر کا لقب فرعون تھا جس طرح ”قیصر“ بادشاہ روم کا لقب تھا۔ بادشاہان فارس کا لقب شہنشاہِ کسریٰ، ملکِ یمن تبع اور ملکِ حبشہ میں نجاشی تھا کبھی ایک دور یا زمانہ کے بادشاہ کی شہرت کی وجہ سے اسکا نام مشہور ہو جاتا ہے۔ ابن وردی نے کہا ہے فراعنہ مصر کے قبطی خاندان سے آنے والے بادشاہوں کا نام ہے۔ اہل مصر قدیم زمانے میں بڑے بادشاہوں کی جگہ تھی۔ جہاں قبطی یونانی قوم رہتی تھی۔ اسکے اکثر بادشاہ اور رعیت بت پرست تھے۔ طوفان نوح کے بعد سب سے پہلا بادشاہ بیصر بن سام بن نوح تھا۔ اس نے مصر کے شہر منف (دارالخلافہ) میں اقامت اختیار کی اور اس کے ۳۰ بچے تھے اور اس کے بعد ان کے بیٹے مصر کے بادشاہ رہے۔ اس کے بعد تیونیس کی حکومت کی

تحقیق کے مطابق فراعنہ مصر نے ۲۶۰ پشتوں تک وہاں حکومت کی ان کی حکومت کا دورانیہ تقریبا ۳۰۰۰ سال تک محیط ہے۔ ان میں سے ۲۵ بادشاہ جو قبل میلاد مسیح تھے۔ انکا دارلخلافہ فنفیس میں یا تبتیس میں تھا لیکن حضرت موسٰی علیہ سلام کے زمانے کے بادشاہ مصر ۱۷۵۰ سال قبل میلادی مسیح کے تھے۔ جس طرح فرعون ابراھیم ۲۳۰۰ قبل میلاد مسیح تھا۔ مورخین نے میلاد ابراھیم خلیل اللہ کو طوفان نوح کے ۱۰۸۱ سال بعد لکھا ہے۔ اور تاریخ وفات حضرت ابراھیمؑ خلیل اللہ کے ۲۵۰ سال گزرنے کے بعد حضرت یوسف تشریف لائے۔ صاحب کلمات قرآن علامہ مصطفوی لکھتے ہیں کلمہ فرعون فارا سے ہے۔ اسکا معنی قتل، انتقام، غارت، ظلم، دیوار پر چڑھنا اور درخت پر چڑھنا ہے جیسا کہ طبری نے لغت میں اس طریقے سے ہی معنی کیا ہے۔ اور یہی معنی عربی زبان سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں یعنی خروج کرنا اور بالادستی حاصل کرنا استکبار کلمہ فرعون دونوں زبان میں حدود سے تجاوز کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

خداوند متعال نے قرآن کریم میں فرعون کو چند مذموم صفاتِ سے یاد کیا ہے:

(۱) طاغی اور سرکش ہے:

﴿اذھب الیٰ فرعون انه طغٰی﴾ ”اب تو فرعون کے پاس جا وہ سرکش ہوگیا ہے“ (طٰہٰ/۲۴)

حد سے تجاوز کرنے کو طغیان کہتے ہیں یعنی جب کوئی حد سے تجاوز کر کے اس چیز کو قبضہ میں لیتا ہے جو اس کا حق نہیں بنتا تو اسے طغیان اور طاغی کہا جاتا ہے فرعون نے صرف اپنے جیسے انسانوں کے حقوق پر قبضہ نہیں کیا بلکہ اس نے اللہ حق پر بھی تعدی کی اور اس نے دعویٰ الوہیت کیا۔

(۲) ظالم ہے:

﴿ان ائت القوم الظٰلمین۔قوم فرعون﴾

”ظالم قوم کے پاس جا۔ فرعون کی قومِ کے پاس جا“ (شعراء/۱۰،۱۱)

ان دونوں آیات میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے ”اے موسٰی، ظالمین کی طرف جاؤ جو

کہ قوم فرعون ہے۔فرعون کی قوم چند حوالوں سے ظالم تھی، انہوں نے خداوند متعال کو چھوڑ کر فرعون کو الٰہ قبول کیا اور فرعون کو خدا کی الوہیت میں شریک کیا اس طرح وہ لوگ شرک کے مرتکب ہوئے۔قوم فرعون بھی ظالم تھی: اسکے علاوہ انہوں نے اس انتہائی درجے کے ظلم وستم کے مقابلے میں خاموشی اختیار کی جبکہ اگر قوم فرعون' فرعون کو دعویٰ الوہیت سے روکتی تو وہ اس دعوے کی جرأت و جسارت نہ کرتا یہی وجہ ہے کہ علماء کہتے ہیں کہ صرف وہی انسان طاغوت ہوتا ہے کہ جس کے ظلم وستم میں عوام اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

فرعون کے مظالم:

(۱) عذاب وعتاب کرنا: ﴿فظلموا بها﴾ ''ہماری نشانیوں کے ساتھ ظلم کیا'' (اعراف/۱۰۳)

(۲) زمین خدا پر تکبر کرنا: ﴿وانه لمن المسرفين﴾ ''اور وہ ان لوگوں میں سے تھا جو کسی حد پر رکتے نہیں ہیں'' (یونس/۸۳)

(۳) صاحب ثروت ودولت ہونا: ﴿وقال موسیٰ ربنا انك اتيت فرعون وملاه زينةً واموالاً في الحيوٰة الدنيا﴾ ''موسیٰ نے دعا کی اے ہمارے رب تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور اموال سے نواز رکھا ہے'' (یونس/۸۸)

(۴) فرعون اپنے کام میں خطا کار تھا: ﴿ان فرعون وهامان وجنودهما منهم خٰطئين﴾ ''فرعون اور ہامان اور ان کے دونوں لشکر والے خطا کار تھے'' (قصص/۸)

(۵) فرعون لوگوں کے ہاتھوں پر میخیں لگاتا تھا: ﴿وفرعون ذو الاوتاد﴾ ''اور میخوں والے فرعون'' (ص/۱۲)

(۶) فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنیکا ارادہ کیا: ﴿وقال فرعون ذرونی اقتل موسیٰ﴾ ''ایک روز فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا چھوڑو مجھے میں اس موسیٰ کو قتل کیے دیتا ہوں'' (غافر/۲۶)

(۷) فرعون اپنے آپ کو ملک مصر کا واحد حکمران سمجھتا تھا: ﴿ونادیٰ فرعون فی قومه قال يٰقوم اليس لی ملك مصر وهٰذه الانهٰر تجری من تحتی افلا تبصرون﴾ ''ایک روز فرعون نے اپنی قوم کے درمیان پکار کر کہا، لوگو کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں؟'' (زخرف/۵۱)

(۸) فرعون طغیان کرتا تھا: ﴿اذهب الیٰ فرعون انه طغیٰ﴾ ''(پھر حکم دیا) فرعون کی طرف جائیں بلاشبہ وہ سرکش ہوگیا ہے'' (نازعات/۱۷)

اپنی حمایت ونصرت کرنیوالوں سے پہنچنے والے ممکنہ خطرات سے خود کو بچانے کی خاطر آہستہ آہستہ ان سب کو نیست ونابود کرنے یا مرعوب کرنے کی کوشش کرتا ہے بنی اسرائیل جب حضرت یوسفؑ کے زمانے میں مصر میں پہنچے تو اس وقت مصر کا بادشاہ ہیکسوس تھا جو غارت گری کرکے وہاں کے تخت وتاج پر قابض ہوگیا۔اس نے ایک طویل عرصہ تک مصر پر حکومت کی۔چنانچہ اس زمانے میں مصر کے بادشاہ کو فرعون نہیں کہا جاتا تھا۔جبکہ حضرت یوسفؑ سے پہلے اور بعد میں مصر کے بادشاہ کو فرعون کہتے تھے لیکن اس درمیانی وقفہ میں جس دوران حضرت یوسفؑ اور بنی اسرائیل وہاں تھے تو وہاں کے بادشاہ ان کی ایمانداری اور صداقت کو دیکھ کر ان کی حامی وناصر تھے۔چونکہ اس وقت کے بادشاہ نے حضرت یوسف کی صداقت وامانت داری اور مملکت کے اقتصادی شعبہ کو چلانے میں انتہائی مہارت دکھانے پر ان کے برادران اور نسل وخاندان کو اچھی خاصی پزیرائی بخشی اور امتیازات سے نوازا تھا لہٰذا جب فرعونیوں نے پہلے بادشاہ کے طرفداروں کو نکالا اور وہاں نسل فرعون دوبارہ برسر اقتدار آئی تو انہوں نے بنی اسرائیل کو اپنے غم وغصہ اور عتاب وعقاب کا نشانہ بنانے کا مستحق قرار دیا۔یہاں سوال یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے مردوں کو قتل کرکے انکی خواتین کو قتل نہ کرنیکی کیا منطق تھی اس سلسلے میں ایک بات تو واضح ہے کہ انہیں اصل اور زیادہ خطرہ تو مردوں ہی سے تھا لہٰذا وہ انہیں قتل کردیتے ہیں چونکہ اس زمانے میں خواتین سے چنداں خطرہ لاحق نہیں تھا لہٰذا وہ انہیں زندہ چھوڑتے یا اپنے گھروں میں ان سے خدمات لیتے شاید ان

خدمات میں وہ خدمات بھی شامل ہوں جو آج کل کے حکمران اپنے اقتدار کو طول و دوام دینے اور اپنے اہداف کے فروغ کے لئے ایک عرصے سے خواتین اور ان کی تنظیموں سے لے رہے ہیں ممکن ہے مردوں کو قتل کرنے کے باوجود خواتین کو زندہ چھوڑنے میں یہ فلسفہ بھی موجود ہو۔قتل بنی اسرائیل کے بارے میں ان آیات میں ذکر ہے:

﴿یذبح ابنآئھم ویستحی نسآئھم﴾ ''اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا تھا'' (قصص/۴) ﴿یذبحون ابنآئکم ویستحیون نسآئکم﴾ ''تمہارے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے'' (بقرہ/۴۹) ﴿ویذبحون ابنآئکم ویستحیون نسآئکم﴾ ''تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ بچا رکھتے تھے'' (ابراہیم/۶)

انبیاء کی دعوت کے تین مرکزی نکات

ا۔انسان و کائنات کا ایک خالق و مربی و مدبر ہے۔

۲۔ جب تنہا اللہ تبارک تعالی ہی خالق و مربی ہے اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں تو پھر عبادت و بندگی بھی صرف اسی کی ہی سزاوار ہے اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک کرنا شرک و کفر ہو گا۔

۳۔ چونکہ ہم خداوند متعال کی عبادت کے لیے خلق ہوئے ہیں لہٰذا اگر ہم عبادت و بندگی خدا سے روگردانی کریں گے تو ہمیں قہر اور غضب خدا کا سامنا ہوگا یہ عذاب اس دنیا کے بعد اور اس پہلے بھی ہوسکتا ہے چنانچہ قوم نوح ، عاد، قوم لوط اور شعیب عذاب آخرت سے پہلے عذاب دنیا میں مبتلا ہوئیں

دعوت انبیاء کے مزاحم اور مانعین:

انبیاء کی تین نکاتی دعوت سے مقابلہ و مزاحمت کرنے اور ان سے نبرد آزما ہونے والے گروہوں کی پہلی صف میں فرعون صفت' اطاعت خدا سے باغی اور آمر و جابر حکمران اور

ان کے احکام و ہدایات کو نافذ کرنے والے ان کے شریک عمل رؤسا اور سربراہان قوم شامل ہیں۔انکے علاوہ باقی وہ انسان جو انکے غلام ہیں جنھیں ان سے کوئی غرض نہیں کہ انبیاء چاہتے ہیں اور ظالم حکمراں کیا چاہتے ہیں۔ظالمین کی دین اور انبیاء کی مخالفت کی بنیادی وجہ بھی ایسی فکر اور ایسی وہ تمام انسان ہیں جو ظالم اور صالح و خیر خواہ کو مساوی اور برابر قرار دیتے ہیں۔ بادشاہان اور حکمران خداوند متعال کے بنائے ہوئے دین سے اس لیے خوفزدہ رہتے ہیں کہ لوگوں کو اپنے سامنے خاضع و خاشع کرنے' انہیں اپنے غلام اور اطاعت گزار بننے اور امر و نہی کے جو اختیارات انہیں حاصل ہیں وہ ان کے ہاتھوں سے نکل نہ جائیں۔لوگ انہیں اس کرسی اقتدار کا مالک سمجھنے کی بجائے غلاموں اور عام بندوں جیسے انسانوں میں شمار نہ کرنے لگیں ۔یہیں سے ہم آیات قرآن کریم سے یہ اخذ کر سکتے ہیں کہ انبیاء کی دعوت کی مزاحمت ہمیشہ مردوں نے کی ہے کیونکہ قرآن کریم میں بار بار یہ ارشاد باری تعالی نظروں سے گزرتا ہے کہ فلاں نبی اپنی قوم کی طرف آیا تو اس کی قوم نے اسے اور اس کی دعوت کو جھٹلا دیا۔قوم سے مراد قبیلہ نہیں بلکہ قوم سے مراد مرد ہیں کیونکہ عورتیں تو ہمیشہ گھروں میں رہتی ہیں۔ مرد ہی میدان میں آتے ہیں اور ہر مزاحمت و مقابلہ کا میدان مردوں ہی سے قائم ہوتا ہے۔

فرعونیت اور طاغوتیت (یا فرعونیت اور طاغوتیت کی پہچان)

یہ ایک مسلمہ اور نا قابل تردید حقیقت ہے جس سے ہر شخص کو آگاہ رہنا چاہیے۔کوئی بھی فرعون آمر' طاغی' جابر' ملک' بادشاہ وغیرہ ایسی حقیقتیں نہیں ہیں جسطرح ہمیشہ ایک درخت سے ایک ہی پھل نکلتا ہے ایک قسم کے حیوان سے اسی قسم کے حیوان جنم لیتے ہیں ایک نسل کا پرندہ اسی طرح کا انڈہ دیتا ہے اسی طرح فرعون سے ہمیشہ فرعون ہی پیدا نہیں ہوتا، انبیاء' آئمہ' ،فقہاء اور مجتہدین سے ہمیشہ نیک باز ، صالح پاکیزہ افراد ہی پیدا نہیں ہوتے بلکہ برے افراد بھی پیدا ہوتے ہیں جیسے فرزند حضرت نوح' جعفر کذاب (فرزندِ امام علی الہادیؑ) اور حال ہی میں بعض دو بڑے فقہاء کے فرزندان جنھوں نے مسلمانوں پر شب خون مارنے والی صلیبی طاقت امریکہ کا ساتھ دیا ہے اگر ہم انکی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ان میں سے اچھے حکمران اور

عبادت گذار بھی نکلے ہیں۔اسی طرح بہت سے ایسے ہیں جنھوں نے عدالت خواہی کے لیے قیام کیا لیکن آخر میں فرعونیت کی منزل پر پہنچے ہوں جیسا کہ اکبر بادشاہ اور ہٹلر وغیرہ کے بارے میں تاریخ میں موجود ہے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ اکثر وبیشتر حکمرانوں اور برسر اقتدار خاندانوں میں پیدا ہونے والے اپنی اولاد کو ابتداء سے ہی یہ باور کراتے تھے کہ وہ عام لوگوں سے مختلف ہیں عام لوگ انکی رعیت ہیں یہ ان پر حاکم ہیں۔اسی طرح عوام میں یہ تصور رائج کرنا کہ یہ ہی حاکم ہو سکتے ہیں اسکے پیچھے بہت سے در پردہ عوامل ہیں چنانچہ بعض درباری لوگ یا شاہی خاندان کے ٹکڑوں پر پلنے والے اپنے حاکموں کو ابن اللہ، سایہ خدا اور کبھی جانشین خدا وغیرہ کے القابات سے رواج دیتے ہیں۔

فرعون اصلی اور فرعون تقلیدی

سادہ عوام یا سادہ سوچ رکھنے والے عام طور پر مخصوص ظالم حکمرانوں کا نام استعمال کرتے ہیں بطور مثال جب فرعون کا نام لیا جاتا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل بادشاہ کا نام ذہن میں آتا ہے یا جب نمرود کا نام لیا جائے تو حضرت ابراھیم خلیل اللہ کے مقابل آنے والے بادشاہ کا نام ذہن میں آتا ہے اس طرح جب ہٹلر کا نام لیا جائے تو فرانس کے ڈکٹیٹر کا نام ہی ذہن میں آتا ہے۔ جب یزید ملعون کا نام لیا جاتا ہے تو سنہ ۶۱ ہجری میں امام حسین علیہ سلام کو شہید کرنے والے ظالم حاکم کا تصور ذہن میں آتا ہے یہ افراد بھول کر بھی وقت کے فرعون، ہٹلر اور یزید وقت کی نہ بات کرتے ہیں نہ ہی ان سے نفرت۔ بلکہ انکی غفلت کا حال یہ ہے کہ وقت کا یزید خود انھیں کہتا ہے آیئے ہم یزیدیت کے خلاف لڑیں۔ ہماری سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہم اصطلاحات میں بھی تقلید کو ترجیح دیتے ہیں اور کبھی اس کے لئے کوئی اصول وضابطہ وضع نہیں کرتے۔ ظالم و جابر کی خصوصیات کو سامنے رکھ کر فرعون عصر، نمرود عصر اور یزیدان وقت کی شناخت نہیں کر پاتے تاکہ فکری بیداری حاصل کر سکیں۔
اسی وجہ سے مسلمان ایک طویل عرصہ سے سلاطین اسلام اور کبھی غیر مسلم حکمرانوں کی فرعونی، نمرودی اور یزیدی دور سے گذر رہے ہیں۔

فراعنِ قدیم وجدید

بعض افراد قدیم وجدید چیزوں میں پائے جانے والے امتیازات وخصوصیات تلاش کرنے میں سرگرم رہتے ہیں تاکہ موجود چیز یا مسئلہ کو گذشتہ سے الگ ظاہر کر سکیں۔لیکن انکا یہ اصول ہر جگہ لاگو نہیں ہو سکتا کیونکہ قدیم زمانے کی پیاز اور جدید زمانے کی پیاز، قدیم زمانے کے سیب اور جدید زمانے کے سیب میں فرق نہیں۔ بلکہ ہمیں کوئی نتیجہ اور درس لینے کیلئے مشترکات کو تلاش کرنا چاہیے۔اگر ہم قدیم اور عصر حاضر کے فرعونوں کی مشترکات کو تلاش کریں تو ہمیں نتیجہ لینے میں آسانی ہوگی۔حکمرانوں کو اگر بادشاہ کہیں، خلیفتہ اللہ کہیں یا صدر یا وزیر اعظم کہیں انکی سرگرمیاں دو نقطوں پر مرکوز رہتی ہیں۔اگر سربراہان کی تمام تر سعی وکوشش رعیت کی ترقی اور تحفظ کی طرف مرکوز ہونگی تو ان حکمرانوں کو عادل سلطان عادل خلیفہ اور سایہ خدا کہا جاتا ہے۔

حکمرانوں کی اہم اور بنیادی ذمہ داریاں:

۱۔ امن وامان کا قیام: اگر حکمران اور انکے کارکنان بیدار ہوں تو رعیت آرام و سکون کی زندگی گذارے گی۔جسطرح ایک ماں بیدار ہو کر اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے تاکہ وہ چین میں رہے۔اسی طرح اگر حکمران بیدار رہوں تو وہ تمام سرحدوں کی نگرانی و پاسداری کرتے ہیں۔

۲۔ اقتصادی ذمہ داری: ضعیف ناتواں اور نادار لوگوں کے لئے روزگار کے مواقع پیدا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔حکومت کی ایک ذمہ داری مستقبل پر بھی نظر رکھنا ہے تاکہ دگرگوں حالات میں رعیت کو کوئی پریشانی لاحق نہ ہو۔

۳۔تعلیم وتربیت: تعلیم کی فراہمی بھی حکومت کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔
حکومت کی ذمہ داری ہے وہ رعیت کیلئے ادنی سے اعلی تعلیم تک کی درسگاہیں فراہم کرے۔
اگر حکمران مندرجہ بالا ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرتے ہوئے رعیت کے مستقبل

کیلئے اقتصاد کی مضبوطی تو درکنار بلکہ تمام تر درآمدات و برآمدات کو انفرادی اور سرمایہ داروں کے رحم کرم پر چھوڑیں۔ تعلیم کو بازار میں خرید و فروخت کیلئے پیش کریں، عدل و انصاف کے قیام کی بجائے رعیت کو بیرونی درندہ صفت طاقتوں سے وحشت زدہ کریں، ملک میں حقائق و معارف پر تحقیقات کی بجائے فرسودہ، کہنہ پرستی، آثار قدیمہ پر تحقیق اور انعامات مقرر کرنے جیسے افعال انجام دیں تو سمجھ لیں یہ حکمران فرعون ہے اور فرعونیت کے عزائم اور فرعونی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں۔

فرعونیت کے ستون:

کوئی مادی چیز چاہے وہ جمادات سے متعلق ہو یا نباتات، حیوان ہو یا انسان عدالت خواہ سب کے لئے اپنے مطلوب و مقصود تک رسائی کے لیے چند ستون کا ہونا ضروری ہے جن پر وہ اعتماد کر سکے۔

ا۔ استحصال اور امداد صاحبان ثروت و دولت۔

۲۔ خواص یعنی بیدار و آگاہ افراد ملت یا جہالت و نادانی کا مجسمہ۔

۳۔ علم و ضمیر فروش دانشمندان دین و دنیا یا عالم و دانا حق تلاش و حق شناس۔

اجتماعی انحرافات اور انکی اصلاح:۔

دین اسلام نے انحرافات کو چار حصوں میں منقسم کیا ہے۔

ا۔ وہ جرائم جو کسی انسان پر ظلم و تعدی اور تجاوز سے جنم لیتے ہوں جیسے قتل یا اس سے کم ظلم۔

۲۔ جرائم اقتصادی یا معاشی یعنی کسی کی ملکیت اور حق پر تجاوز کرنا۔

۳۔ جرائم اخلاقی۔

۴۔ اجتماعی جرم۔

ان جرائم کی اصلاح بھی چار عناصر پر موقوف ہے۔

ا۔ عدالت اجتماعی یعنی معاشرے سے ظلم و بربریت کا خاتمہ کر کے عدالت کا قیام کرنا۔

۲۔ انحرافات کرنے والوں کو سختی کے ساتھ کیفر کردار تک پہنچانا۔

۳۔ جرائم و انحرافات کو ختم کرنے کے لئے اجتماعی کردار ادا کرنا۔

انسانی نفس پر ظلم و تعدی و تجاوز کرنا یا قتل کرنا یا کم از کم زخم لگانا وغیرہ چاہے سہواً ہو یا عمداً مذہب اسلام کسی بھی قسم کے تجاوز کی اجازت نہیں دیتا چنانچہ قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿الشهر الحرام بالشهر الحرام والحرمٰت قصاص فمن اعتدىٰ عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدىٰ عليكم واتقوا الله واعلموا ان الله مع المتقين﴾ "ماہِ حرام کا بدلہ ماہِ حرام ہی ہے اور تمام حرمتوں کا لحاظ برابری کے ساتھ ہوگا لہٰذا جو تم پر دست درازی کرے تم بھی اسی طرح اس پر دست درازی کرو البتہ اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان رکھو کہ اللہ انھی لوگوں کے ساتھ ہے جو اس کی حدود توڑنے سے پرہیز کرتے ہیں" (بقرہ/۱۹۴)

اگر کسی نے کسی پر تعدی کی ہے تو وہ اسکا مکافات دے:

﴿وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس والعين بالعين والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق به فهو كفارة له ومن لم يحكم بما انزل الله فاولٰئك هم الظلمون﴾ "توریت میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کے لئے برابر کا بدلہ۔ پھر جو قصاص کا صدقہ کردے تو اس کیلئے کفارہ ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں" (مائدہ/۴۵)

اس میں تجاوزات کی اصلاح اور روکنے کا واحد طریقہ مجازات مثل قرار دیا گیا ہے۔ اسکو قانون عقوبات بھی کہتے ہیں۔ اسلام نے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ ادبی عقوبات اور مادی عقوبات:

جوقرآن وسنت میں بیان ہوئی ہیں جو قاضی کے لئے ہیں وہ اس میں اپنی رضا ورغبت سے کمی بیشی نہیں کرسکتا۔ قاضی کا کام ان عقوبات کا اجرا کرنا جیسے قتل میں قصاص زخم کے بدلے زخم جیسا کہ: ﴿یاایھاالذین اٰمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلٰی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثٰی بالانثٰی﴾ ''اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص لکھ دیا گیا ہے آزاد کے بدلے آزاد' غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت'' (سورۂ بقرہ آیت ۱۷۸)

زنا، لواط، مساحقہ، تہمت لگانا، چوری کرنا، مسکرات کا ارتکاب، مرتد ہونا راستہ کاٹنا اور غیرہ ان تمام حدود کا قرآن کریم میں واضح بیان موجود ہے:

﴿والذین اتخذوا مسجدًا ضرارًا و کفرًا و تفریقًا بین المؤمنین و ارصادًا لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل ولیحلفن ان اردنا الحسنٰی واللہ یشھد انھم لکٰذبون﴾ ''کچھ اور لوگ ہیں جنھوں نے ایک مسجد بنائی اس غرض کیلئے کہ (دعوت حق کو) نقصان پہنچائیں اور (خدا کی بندگی کے بجائے) کفر کریں اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں اور (اس بظاہر عبادت گاہ کو) اس شخص کیلئے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور اس کے رسولؐ کے خلاف برسر پیکار ہو چکا ہے وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا کسی دوسری چیز کا نہ تھا مگر اللہ گواہ ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں'' (توبہ/۱۰۷)

﴿انما جزٰؤا الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادًا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلافٍ او ینفوا من الارض ذٰلک لھم خزیٌ فی الدنیا ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم﴾ ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے ہیں اور روئے زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کی سزا بس یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے

کاٹ دیئے جائیں یا ملک بدر کئے جائیں یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کیلئے عذاب عظیم ہے'' (مائدہ/۳۳)

۲۔ تعزیرات جن کا تعین اور حدود حاکم وقت کی صوابدید پر منحصر ہے۔

اسکے مقابلے میں اسکو مال دینا ہے یا وہ واجبات مالی جو جنایت کی صورت میں ہے:

﴿وما کان لمؤمنٍ ان یقتل مؤمنًا الا خطئًا و من قتل مؤمنًا خطئًا فتحریر رقبۃٍ مؤمنۃٍ ودیۃ مسلمۃ الٰی اھلہ الا ان یصدقوا﴾ ''کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ دوسرے مومن کو قتل کرے الّا یہ کہ اُس سے چوک ہو جائے اور جو؟ شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے الّا یہ کہ وہ خون بہا معاف کر دیں'' (نساء/۹۲)

قانون دیت جو شریعت میں واضح ہے۔ یہ جو قتل کی دیت جسکا اندازہ کرنا حاکم پر چھوڑا گیا ہے اور جرم و جنایت کے سد باب کے لئے جو اصلاحات وقوانین خود ساختہ یا مغرب سے لیکر بنائے گئے ہیں جیسے مجرم کو زندان میں رکھنا یا کسی ادارے کی خدمت میں رکھنا یا اسکے مقابلے میں مالی معاوضہ طلب کرنا وہ قوانین ہیں جن سے جرائم کا خاتمہ ناممکن ہے کوئی یہ نہیں کہ سکتا کہ اسلام بھی مال دے کر دوام بخشتا ہے یہ بات غلط ہے سورہ اسراء ۳۳ کے مطابق اسلام نے بدلہ مجرم اور حاکم کے درمیان کچھ طے کرنے کا نہیں کہا بلکہ مجرم اور مظلوم میں معاملہ طے کروانا ہے اور اسلام اختیار مظلوم کو دیتا ہے: ﴿ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ومن قتل مظلومًا فقد جعلنا لولیہ﴾ ''اور جس جان کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے تم اسے قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ اور جو شخص مظلوم مارا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو (قصاص کا) اختیار دیا جائے'' اسلام نے مالی معاوضہ وہاں قرار دیا ہے جہاں خطا و لغزش ہو۔

داخلی استعمار اور طاغوت کی بنیادیں:

معاشرے پر مسلط کسی شخص یا گروہ سے آزادی حاصل کرنا انتہائی مشکل امر ہے کتاب نظریہ

اجتماعیہ کے صفحہ نمبر ۴۴ پر ڈاکٹر زہیر اعرجی لکھتے ہیں:

۱۔ جس فرد وگروہ کا درآمدات کے مراکز پر تسلط ہو ان کیلئے حکومت واقتدار کا حصول آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ اقتدار عوام پر قائم ہوتا ہے اور اقتصاد یعنی مال ودولت اجتماع کے قریب ہونے کا اہم ذریعہ ہے۔ مال ودولت اور اقتدار وحکومت کی ایک واضح وروشن مثال خداوند کریم نے فرعون کے اقتدار کے بارے میں فرمائی ہے:

﴿وقال موسٰی ربنا انك اٰتیت فرعون وملاه زینةً وامو الاً فی الحیٰوة الدنیا﴾ ''اور موسٰی نے عرض کی: اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دنیاوی زندگی میں زینت بخشی اور دولت سے نوازا ہے'' (یونس/ ۸۸) قصص آیت ۷۶۔

۲۔ دوسری سیڑھی فکر وثقافت ہے کسی ملک کی اقوام وملل کے افکار ونظریات ہمیشہ احکام کے تابع ہوتے ہیں جس زبان میں قوم وملت گفتگو کرتی ہے حکام ہمیشہ ان پر تسلط قائم کرنے کے لئے اسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ اور وہیں سے انھیں انحراف کی طرف لے جاتے ہیں۔

جب فرعون نے چاہا مصر کی عوام پر تسلط حاصل کرے تو پہلے اس نے لوگوں کو خرافات کا عادی بنایا انہیں حقائق سے دور کیا۔ مثلاً فرعون نے پہلے کہا تمہارے خدا تمہارے بت ہیں موسیٰؑ وہارونؑ ہمیں ہمارے بتوں سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ اس طریقے سے فرعون نے پہلے مرحلے میں لوگوں کو بت پرستی کی طرف راغب کیا۔

۲۔ دوسرے مرحلے میں ایک ایسے خدا کے بارے میں تحقیق کرنے کا شوشہ چھوڑا جس کا ذکر سورۂ غافر کی آیت نمبر ۳۶ میں آیا ہے:

﴿وامایـنزغنك من الشیطٰن نزغ فاستعذ بالله﴾ ''اور اگر آپ شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ محسوس کریں تو اللہ کی پناہ مانگیں''

۳۔ تیسرے مرحلے میں خود کو پیش کر کے کہا میرے علاوہ تمہارا کوئی خدا نہیں ہے:

﴿وقال فرعون یایها الملاما علمت لكم من الٰهٍ غیری﴾ ''اور فرعون نے کہا: اے درباریو! میں تمہارے لئے اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا'' (قصص/ ۳۸)

۴۔ چوتھے مرحلے پر کہا ہے کہ اصل خدا سے آپ ناآشنا ہیں: ﴿قال فرعون ومارب العٰلمین﴾ ''فرعون نے کہا: اور رب العالمین کیا ہے؟'' (شعراء/ ۲۳)

۵۔ پانچویں مرحلے میں کہا کہ اصلاً تمہیں اپنے بارے میں خود نہیں سوچنا چاہیے ہم ہی تمہارے بارے سوچیں گے اس سے اگلے مرحلے پر لوگوں کو اپنی مخالفت کرنے کا خوف دلاتا ہے:

﴿فما اٰمن لموسٰی الا ذریة من قومه علٰی خوفٍ من فرعون وملائهم ان یفتنهم﴾ ''چنانچہ موسیٰ پر ان کی اپنی قوم کے چند افراد کے سوا کوئی ایمان نہ لایا فرعون اور اس کے سرداروں سے خوف کی وجہ سے کہ کہیں وہ انھیں مصیبت سے دوچار کر دیں'' (یونس/ ۸۳) اس کے بعد مکار وفریب کاروں کو جمع کیا:

﴿وقال فرعون ائتونی بكل سٰحرٍ علیم﴾ ''اور فرعون نے کہا: تمام ماہر جادوگروں کو میرے پاس لے آؤ'' (یونس/ ۷۹)

اور پھر عذاب کا سلسلہ شروع ہوا: ﴿قال سنقتل ابنآئهم ونستحی نسآئهم﴾ ''فرعون بولا: ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیں گے'' (اعراف/ ۱۲۷)

نظام فرعونی کے اہداف:

ظالم حکومتیں کسی قسم کی عقلی وشرعی بنیاد پر قائم نہیں ہوتی ہیں بلکہ ان کے پاؤں بر ہوا رہتے ہیں اپنی حکومتوں کے دوام وبقاء کی خاطر ان کا سب سے پہلا قدم جس پر یہ اپنی تمام تر توجہ مرکوز رکھتے ہیں وہ یہ معاشرے کی اکثریت کو حقائق سے ناآشنا اور جاہل رکھنا ہے کیونکہ یہ

جانتے ہیں کہ جاہل معاشرہ ہر وقت متاثر ہوتا ہے اور کبھی بھی جاہل معاشرہ کسی دوسرے پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا ایسے جاہل و نادان معاشرے کے افراد حسب فرمان امیر المومنینؑ **ھمج الرعی** ہیں یعنی جہاں سے کوئی آواز سنتے ہیں اسی طرف چل پڑتے ہیں دوسری جگہ امیر المومنینؑ کلمات قصار نمبر ۲۱۷ میں فرماتے ہیں کہ یہ لوگ کسی بات پر اکٹھے یا جمع ہو جائیں تو غالب آجاتے ہیں اور اگر یہ منتشر ہو جائیں تو فتح و کامرانی یا غلبہ حاصل نہیں ہوتا۔ ظالمین کی معاشرے کو جاہل رکھنے کی یہ فکر دور قدیم سے عصر حاضر تک جاری ہے۔ ہمارے ملک میں بھی تعلیم جو کہ حکومت کی اولین ذمہ داری ہے اس سے سبکدوش ہو کر ایک عرصہ سے حکومت نے اسے بازار میں رکھ کر خرید و فروخت کی مہم بنا دیا ہے۔ ہر صاحب عقل و شعور اس بات کو آسانی سے درک کر سکتا ہے جس طرح روٹی وہی کھا سکتا ہے جس کے پاس اس کی قوت خرید ہو اسی طرح حکومت کے اس اولین ذمہ داری سے پیچھے ہٹنے سے اس قباحت کا سامنا ہوا وہی لوگ اپنے بچوں کو تعلیم دلوا سکیں گے کہ جو بھاری بھرم فیس اور دیگر ان گنت تعلیمی اخراجات برداشت کرنے کی قوت و صلاحیت رکھتے ہوں گے۔ اس میں دوسری قباحت یہ ہے پرائیویٹ سکول بچوں کو اپنے سکول کی طرف کھینچنے کے لئے امتحان میں اپنی طرف سے نمبر لگا کر ہر بچے کو اہلیت کے بغیر ہی پاس کر دیتے ہیں۔

نظام فرعونی کی برقراری کے مقدمات اور تمہیدات

کسی چیز کے تکامل کے لیے مکان و زمان کی نیاز مندی ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔ اس اصول مسلمہ کے تحت ایک نظام استبدای و فرعونی اور آمریت کیلئے بھی وقت درکار ہے۔ یہ کسی قوم میں ایک ہی دن یا ایک وقت نافذ نہیں ہوتے۔ بلکہ اسکے لئے ایک عرصہ دراز کی منصوبہ بندی اور تمہیدی امور کی انجام دہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ نظام استبدادی اور نظام فرعونی کے تمہیدات و مقدمات کیا ہیں اس سے آگاہی و واقفیت بہت ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں شہید باقر الصدرؒ نے اپنی کتاب ''دروس سنن تاریخی یعنی قانونِ تاریخ قرآنی زاوئیہ سے'' میں ایک انوکھی تحلیل پیش کی ہی ہے آپ لکھتے ہیں انکا پہلا قدم قوم کو رائج رسومات و روایات و

سنت کا عادی بنانا اور ہر قسم کی نئی سوچ و فکر کی مخالفت و مزاحمت کیلئے ذہنوں کو آمادہ کرنا۔ دوسرا اصول غلط اور منحرف انسانوں کی بالا دستی کے لئے معاشرے میں جگہ بنانا۔ یہاں حکمران لوگوں کی سوچ پر ہمیشہ غور و فکر کرنے پر پابندی لگاتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں آپ اس مسئلہ پر مت سوچیں یہ صرف حکومت کی ذمہ داری ہے لہٰذا اسے حکومت پر ہی چھوڑیں۔ جیسے سورۂ قصص آیت ۳۸ میں فرعون نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ تمھارے لئے میرے علاوہ کوئی اور خدا ہو۔ اور اسی طرح سورۂ غافر ۲۹ میں بھی ذکر ہوا ہے:

﴿وقال فرعون یایھا الملا ما علمت لکم من الہ غیری﴾ ''اور فرعون نے کہا اے درباریو میں تمہارے لیے اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا'' (قصص/ ۳۸)

﴿قال فرعون ما اریکم الا ماارى وما اھدیکم الا سبیل الرشاد﴾ ''فرعون نے کہا میں تمہیں صرف وہی رائے دوں گا جسے میں صائب سمجھتا ہوں اور میں اسی راستے کی طرف تمہاری راہنمائی کرتا ہوں جو درست ہے'' (غافر/ ۲۹)

چنانچہ اس سلسلے میں آیت اللہ شہید سید محمد باقر الصدرؒ نے اپنے درس قرآن کے تیرہویں درس میں مندرجہ ذیل ارشادات فرمائے ہیں۔

شہید الصدرؒ کا فرعونی معاشرہ کے قیام پر تحلیل اور تجزیہ

انسان کو طبیعت سے تعلق میں جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ قانون طبیعی کو اخذ کرنے کے بعد ختم ہو سکتی ہیں۔ لیکن انسان کے انسان سے تعلق میں جو مشکلات درپیش ہیں ان میں فرق ہے۔ جیسا ہم نے ذکر کیا انسان اور طبیعت ایک حوالے سے استقلال رکھتے ہیں لیکن یہ استقلال اپنی جگہ ایک استقلال نسبی ہے ایسا استقلال نہیں جس کی وجہ سے یہ ایک دوسرے پر اثر انداز نہ ہو سکتے ہوں جبکہ ان دونوں میں ایک دوسرے پر اثر اندازی کی صورت موجود ہے۔ ان دونوں میں موجود تاثیر متبادل کو ہم قرآن کریم کی روشنی میں بیان کریں گے۔

پہلا تعلق: یعنی انسان کا طبیعت سے تعلق کس حد تک انسان کے انسان سے تعلق پر اثر انداز ہوتا ہے۔

دوسرا تعلق: یعنی انسان کا انسان سے تعلق کس حد تک طبیعت سے تعلق پر اثر انداز ہوتا ہے۔

پہلا تعلق: انسان کا طبیعت سے تعلق کس حد تک انسان کے انسان سے تعلق پر اثر انداز ہوسکتا ہے۔اس بارے میں جیسے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں انسان کی جتنی طبیعت کے بارے میں آگاہی بڑھتی جائے گی اتنا طبیعت سے تعلق میں اسکا دائرہ وسیع ہوتا جائے گا جتنا وہ طبیعت کے ذخائز پر قابض ہوگا اتنا ہی اس کی بے نیازی میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ یہاں سے وہ انسان کے انسان سے تعلق میں استحصال کرے گا۔چنانچہ قرآن کریم میں اس کا ذکر ہے:

﴿كلّاانّ الانسان ليطغٰى۔ان راه استغنٰى﴾ ”انسان جب بھی بے نیاز ہوتا ہے وہ طاغی ہوجاتا ہے“(علق/۶)

یہ آیت اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان کا جتنا طبیعت پر تسلط زیادہ ہوتا جائے گا وہ زیادہ وسائل پیدوار حاصل کرے گا اتنا ہی اسکا اثر انسان کے انسان سے تعلق پر ہوگا یہاں سے ہی اسکی شہوات اور خواہشات کا دروازہ کھل جائے گا وہ ان وسائل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غریب اور ضعیف کا استحصال کرے گا۔

مثلاً آپ تصور کریں ایک ایسے معاشرے کا جہاں کے افراد ہاتھ یا لکڑی یا بیلچہ سے شکار کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں ایسا معاشرہ طاقت وروں اور وحشت گری کرنے والوں جیسا کردار ادا نہیں کرسکتا ہے؟ یہ اجتماعی استحصال پر قادر نہیں کیونکہ ان کی پیداوار اور ان کی قدرت محدود ہے اس معاشرے میں ہر انسان اپنی مزدوری سے اپنی روزمرہ زندگی گزارتا ہے اسکے پاس اتنی قدرت نہیں کہ وہ ایک وسیع اجتماع پر طغیانی وسرکشی کرسکے۔

اسکے برعکس ایک ایسا معاشرہ ہے جو ترقی یافتہ ہے جہاں انسان کے وسائل پیداوار شمار میں نہیں آتے اس نے الیکٹرونک اور ایٹمی ٹیکنالوجی کے ذریعے طبیعت کو اپنے ارادے کے تحت کیا ہے۔ ایسے معاشرے میں پیچیدہ اور جدید الیکٹرونک اور ایٹمی ٹیکنالوجی انسان کا دوسرے انسان سے تعلقات بڑھانے کا ذریعہ ہے، یہ امکان فراہم کرتی ہے یہاں فلاسفہ کی اصطلاح کے تحت استحصال بالقوہ ہے پس انتظار ہے قوت فعلیت میں تبدیل ہوجائے

پس انسان ہی ہے جو استحصال کرتا ہے انسان ہی ہے جب ایٹمی اور الیکٹرونک طاقت اسے میسر آئی تو اس نے نظام سرمایہ داری اور استحصال کرنے والے نظاموں کو پیدا کیا لیکن یہ الیکٹرونک اور ایٹمی ٹیکنالوجی ہے جو اسے استحصال کے مواقع فراہم کرتی ہے اسکی خواہشات کے دروازہ کھولتی ہے۔اس کی داخلی جدل اور تناقض کو حرکت دیتی ہے تاکہ اس میدان کے مناسب وسائل اور پیداوار پیدا کریں۔

یہی وہ فرق ہے جو ہمارے اور تاریخ مادی (مارکسیزم) والوں کے درمیان میں ہے مادی تاریخ والوں کا عقیدہ ہے کہ خود وسائل استحصال پیدا کرتے ہیں وسائل ہی مناسب نظام بناتے ہیں لیکن ہم کہتے ہیں وسائل کا کردار صانع کا نہیں بلکہ وسائل صرف انسان کو موقع فراہم کرنے کا کردار ادا کرتے ہیں قابلیت وصلاحیت دیتے ہیں۔لیکن منفی یا مثبت اثرات کا مرتب کرنا، امانت داری یا خیانت کا مظاہرہ کرنا، استقامت یا شکست کا مظاہرہ کرنا ان سب میں انسان کا کردار شامل ہے اسکی وہ مثل اعلیٰ ہیں جو اسے حرکت دیتی ہیں کہ وہ اپنی حرکت کو ان مثل اعلیٰ سے ہم آہنگ کرے۔اثر پذیری کے لحاظ سے پہلے تعلق کے کردار کو ہم نے بیان کیا۔

دوسرا تعلق: انسان کا انسان سے تعلق اسکے طبیعت سے تعلق پر کس حد تک اثر انداز ہوتا ہے۔قرآن کے مطابق جتنا انسان کے انسان سے تعلق میں عدل کا غلبہ ہوگا جتنا وہ عدالت کے اصولوں کو درک کرسکے گا اسی تناسب سے یہ ہر قسم کے ظلم و جور اور استحصال سے دور رہے گا۔اتنا ہی انسان کا طبیعت سے تعلق زیادہ اور روشن وتابناک ہوگا طبیعت اس وقت ذخائر کے دروازے اس کیلئے کھول دے گی۔آسمان سے برکتیں نازل ہونگی۔زمین اپنی نعمتوں کو منفجر کردے گی۔

انسان کے انسان سے تعلق کے بارے میں قرآن کا نقطہ نظر قرآن کریم کے بہت سارے اور آیات میں اس کی تشریح ہوئی ہے:

﴿وان لّواستقاموا على الطّريقة لاسقناهم مّآءً غدقًا﴾ ”اور (انھیں یہ بھی

سمجھا دیں کہ) اگر یہ لوگ اسی راہ پر ثابت قدم رہتے تو ہم انھیں وافر پانی سے سیراب کرتے'' (جن/۱۶)

﴿ولو انّھم اقاموا التّورٰۃ والانجیل وما انزل الیھم مّن رّبّھم لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم منھم امّۃٌ مّقتصدۃٌ وکثیرٌ مّنھم سآء مایعملون﴾ ''اور اگر یہ اہل کتاب توریت و انجیل اور ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل شدہ دیگر تعلیمات کو قائم رکھتے تو وہ اپنے اوپر کی (آسمانی برکات) اور نیچے کی (زمینی برکات) سے مالا مال ہوتے ان میں کچھ میانہ رو بھی ہیں لیکن ان میں اکثریت بدکردار لوگوں کی ہے'' (مائدہ/۶۶)

﴿ولو اھل القرٰی اٰمنوا واتّقوا لفتحنا علیھم برکاتٍ مّن السّمآء والارض ولٰکن کذّبوا فاخذنٰھم بما کانوا یکسبون﴾ ''اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انھوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کے سبب انھیں گرفت میں لے لیا'' (اعراف/۹۶)

انسان کا تعلق طبیعت سے اسی تناسب سے ہوگا جتنا وہ اپنے بھائی انسان کے ساتھ عدالت کی راہ کو انتخاب کرے گا۔ جتنا عدالت کو فروغ ملے گا اتنا ہی انسان کا تعلق طبیعت سے بہتر ہوگا۔ اسی طرح جتنا عدالت کو میدان سے ہٹایا جائے گا اتنا ہی طبیعت اپنے خزانے روک دے گی یعنی عادل معاشرہ جہاں انسانی تعلقات میں زیادہ عدالت ہوگی طبیعت سے اتنا ہی تعلقات بڑھیں گے اسکے برعکس ظالم معاشرہ کا نتیجہ یہ ہوگا ان تعلقات میں کمی آئے گی اور اسی طرح طبعیت کے فیوضات میں بھی کمی آئے گی۔

مثل اعلیٰ اور مثل فرعونی میں فرق:۔

انسان کے انسان سے تعلق کا انسان کا طبیعت سے تعلق پر اثر انداز ہونا فقط ایک غیبی مفہوم نہیں۔ گرچہ ہمارا یہ بھی اعتقاد ہے کہ یہ ایک غیبی مفہوم رکھتا ہے، لیکن غیبی ربانی مفہوم کے

علاوہ مفہوم قرآن کریم کے تحت یہ قوانین تاریخ میں سے ایک قانون بھی ہے۔ طول تاریخ میں فرعونی معاشرہ ایک پراگندہ معاشرہ ہے ایک منتشر فرعونی گروہ ہے جب یہ گروہ اپنے جیسے انسان کے بارے میں کوئی حکم نافذ کرتا ہے تو اس کا ہدف معاشرہ کی طاقت اور قدرتوں کا پراگندہ کرنا ہے، اس کے گروہوں کو منتشر کرتا ہے اس کے امکانات کو ہوا میں اڑانا ہے یہ ایک واضح سی بات ہے منتشر معاشرے کے افراد کی حقیقی طاقتوں کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔ تاکہ طبیعت سے معاملہ اور استفادہ لینے کی میدان میں طبیعی طور پر اس میں رشد و نمو آجائے اور طبیعت پر مسلط ہوا جاسکے یہ ہے پست مثل اعلیٰ فرعونی اور مثل اعلیٰ حقیقی یعنی توحیدی میں فرق۔ مثل اعلیٰ توحیدی انسانی معاشرے کو متحد کرتی ہیں۔ ہر قسم کے اختلافات وامتیازات جو اس مثل اعلیٰ کی حدود میں ہیں ان کو مٹاتی ہے اس میں شامل ہونے کے اعتبار سے وہ تمام حدود اور امتیازات کو اپنے احاطہ میں رکھتی ہے ان میں تمام اختلافات کو پی لیا جاتا ہے ان میں بعض سے بعض کے درمیان فرق پیدا کرنے کی کوئی چیز نہیں یہاں امتیازات کے معیار کیلئے نہ خون نہ جنس اور نہ قومیت یا قبیلہ یا جغرافیائی حدود کسی کو قبول نہیں کیا جاتا۔

یہ مثل اعلیٰ اپنی شمولیت کے لحاظ سے بشر کو متحد کرتی ہے لیکن اسکے برعکس پست مثل اعلیٰ ہمیشہ معاشرے میں تقسیم بندی اور تفرقہ ہی ڈالتی ہے دیکھیں مثل اعلیٰ توحیدی کو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے:

﴿انّ ھٰذہٖ امّتکم امّۃً وّاحدۃً وّانا ربّکم فاعبدون﴾ ''یہ تمہاری امت یقیناً امت واحدہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں لہٰذا تم صرف میری عبادت کرو'' (انبیاء/۹۲)

﴿وانّ ھٰذہٖ امّتکم امّۃً وّاحدۃً وّانا ربّکم فاتّقون﴾ ''اور تمہاری یہ امت یقیناً امت واحدہ ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں لہٰذا مجھ سے ہی ڈرو'' (مومنون/۵۲)

یہ مثل اعلیٰ توحیدی کی منطق ہے جو کسی قسم کی حد بندی اور بشریت کے درمیان فاصلہ حجاب

کی قائل نہیں ہے آیئے اب پست مثل اعلیٰ کی منطق کو دیکھیں اور اس ظالم معاشرے کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے انکی کیا منطق ہے:

﴿انّ فرعون علافی الارض وجعل اهلهاشيعًايّستضعف طآئفةً مّنهم يذبّح انبآء هم ويستحي نسآء هم انّه كان من المفسدين﴾ ''اور فرعون نے زمین میں سر اٹھا رکھا تھا اور اس کے باسیوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا ان میں سے ایک گروہ کو اس نے بے بس کر رکھا تھا وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑتا تھا اور وہ یقیناً فسادیوں میں سے تھا'' (قصص/۴)

فرعون پست مثل اعلیٰ کا نمونہ ہے پوری تاریخ میں فرعونیوں نے انسان اور انسان کے درمیان تعلقات کو ظلم واستحصال پر قائم کیا۔فرعون معاشرے کو منتشر کرتا ہے، اجتماع کی توانائیوں کو برباد کرتا ہے انسانوں کے اندر جو توانائی وقدرت ہے انکا ضیاع کرتا ہے، انسان کی وہ صلاحیتیں جو طبیعت سے استفادہ اور اس میں نمو اور رشد کیلئے ہیں انھیں چھین لیتا ہے۔

فرعونی معاشرے کا گروہ

فرعونی معاشرہ اپنی تقسیم بندی کے حوالے سے چند گروہوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

پہلا گروہ: اس معاشرے کا پہلا گروہ ظالم ہے لیکن ساتھ ہی مستضعف بھی ہے۔ یہ گروہ جہاں ظالم ہے وہیں مظلوم بھی ہے یا اسے ہمارے آئمہؑ کی تعبیر کے مطابق ''اعوان الظلمہ''یعنی ظالمین کے مددگار ہیں۔یہ ظالم مستضعف فرعون کی حمایت کرتے ہیں اجتماع میں یہی لوگ فرعون کیلئے پشت پناہ ہیں یہ گروہ ہی اسکے استمرار اور ڈھانچہ کی ضمانت ہے خداوند عالم فرماتے ہیں:

﴿وقال الّذين كفروالن نؤمن بهٰذاالقراٰن ولابالّذى بين يديه ولوترٰى اذالظّالمون موقوفون عندربهم يرجع بعضهم الى بعض القول يقول الّذين اسُتضُعفوا للّذين استُكبروالولاانتم لكنّامؤمنين﴾ ''اور کفار یہ کہتے

ہیں کہ ہم نہ اس قرآن پر ایمان لائیں گے اور نہ اس سے پہلے والی کتابوں پر تو کاش آپ دیکھتے جب ان ظالموں کو پروردگار کے حضور کھڑا کیا جائے گا اور ہر ایک بات کو دوسرے کی طرف پلٹائے گا اور جن لوگوں کو کمزور سمجھ لیا گیا ہے وہ اونچے بن جانے والوں سے کہیں گے کہ اگر تم درمیان میں نہ آ گئے ہوتے تو ہم صاحب ایمان ہو گئے ہوتے'' (سباء/۳۱)

اس آیت میں خداوند عالم نے ظالمین کے بارے میں گفتگو کی ہے: ﴿اذالظّالمون موقوفون﴾ جب قیامت کے دن ظالمین کو کھڑا کیا جائے گا یہ گروہ اپنی جگہ دو حصوں میں تقسیم ہونگے ایک ظالم ہیں استکبار کرنے والے یعنی صاحب قدرت اور دوسرے وہ ہیں جنھیں ضعیف بنا کر مظلوم بنایا گیا ہوگا پس یہاں پر ظالمین میں مستکبرین بھی ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو معاشرہ میں فرعونیت پھیلاتے ہیں اور ان میں مستضعفین ہیں پس فرعونی ظالم معاشرہ کی تقسیم میں پہلا گروہ ظالمین اور مستضعفین ہیں۔

یہ لوگ قیامت کے دن ظالمین کے ساتھ محشور ہونگے۔یہ لوگ اس دن ان ظالمین ومستکبرین کو خطاب کریں گے جنہوں نے انھیں ظلم کرنے کیلئے مستضعف بنایا کہ اگر تم لوگ نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے لہٰذا اس پہلے گروہ میں ظالمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو فرعون کی حمایت کرنے والے ہیں۔

دوسرا گروہ: ظالم معاشرے میں فرعونی پراگندگی کے عمل کے لحاظ سے دوسرا گروہ فرعونی حکومت کے حاشیہ نشین ہیں یعنی جو اسکی حکومت کے گن گاتے ہیں یہ لوگ خود ظلم نہیں کرتے لیکن ہمیشہ فرعون کی حمایت کرتے ہیں۔فرعون کی کامیابی ودوام کے خواہاں ہیں اسکی خواہشات کے مطابق چلتے ہیں اور خود ان سے پہلے انکے مفادات کی بات کرتے ہیں تاکہ انکے کردار اور سیرت پر صحت کی مہر لگ جائے ان کے بارے میں یہ آیت ملاحظہ کریں:

﴿وقال الملا من قوم فرعون اتذرموسٰى وقومه ليفسدوافى الارض ويذرك والهتك قال سنقتل ابنآء هم ونستحي نسآء هم وانافوقهم

قاهرون﴾

''اورفرعون کی قوم کے ایک گروہ نے کہا کہ کیا تو موسیٰ اوران کی قوم کو یوں ہی چھوڑدے گا کہ یہ زمین میں فساد برپا کریں اور تجھے اور تیرے خداؤں کو چھوڑ دیں اس نے کہا کہ میں عنقریب ان کے لڑکوں کو قتل کر ڈالوں گا اوران کی عورتوں کو زندہ رکھوں گا میں ان پر قوت اور غلبہ رکھتا ہوں'' (اعراف/۱۲۷)

یہ وہ گروہ ہے جو فرعون کو اٹھاتا ہے یہ لوگ جانتے ہیں ان کی باتیں فرعون کے دل میں موجود انتقامی جذبہ کو ابھاریں گی۔خود فرعون ایسی باتیں کرنے والوں کا نیازمند بھی ہے لہٰذا یہ لوگ ایسی باتیں کرتے وقت ایک دوسرے پر سبقت لینے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ فرعون کو اسکے اندر سے آگاہ کریں اور اسکے ساتھ وہ انکی حمایت احساسات وعواطف کو بھی جان لے۔

تیسرا گروہ: فرعونی معاشرے کی تقسیم بندی میں ظالمین کا تیسرا گروہ وہ ہے جن کے بارے میں امیرالمومنینؑ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ یہ لوگ ''همج الرعٰی'' ہیں۔یہ گروہ صرف ایک آلہ ہیں یہ ظلم کے سامنے سرتسلیم خم ہوتے ہیں،شاید ان پر ظلم ہوتے وقت خود انھیں اس بات کا احساس بھی نہ ہوتا ہو کہ یہ مظلوم ہیں یا یہ بھی درک نہیں کرتے کہ معاشرے پر ظلم ہورہا ہے انکی گردش مشین کے پرزے کی مانند ہے مثلاً گاڑی کے ٹائر کی حرکت کی طرح ہیں بغیر سوچے سمجھے اور تدبر کے ایک اتباع اور اطاعت میں محو ہیں۔فرعون نے ان سے تدبر اور فکر کی صلاحیت کو چھین لیا ہے ان کی عقل اوران کی سوچ کو ان سے سلب کیا ہے ان کے ہاتھ کو ان سے جوڑے رکھا ہے اوران کی عقل کو ان سے الگ کر رکھا ہے اسی وجہ سے ان کی ہاتھ کی حرکت ایک آلہ کی حرکت کی طرح ہوتا ہے ہر قسم کے احکام کے سامنے سرتسلیم خم ہیں۔تمام فرعونی اوامر کی بغیر کسی سوال ومناقشہ کے اطاعت کرتے ہیں۔

یہ وہ گروہ ہے جس نے طبیعت سے لڑنے اوراس سے استفادہ کرنے کی صلاحیت کو

محو کر دیا ہے اسکی تمام قابلیت ختم ہو چکی ہے کیونکہ یہ ایک مشین کے آلہ میں بدل گیا ہے اگر اس سے کہیں کوئی قدرت وایجاد دیکھنے میں آئے تو یہ اسکی عقل وشعور کی پیدا کردہ نہیں ہوگی بلکہ اس فرعون کی ایجادات ہونگی۔یہ ایسے انسان نہیں جن سے معاشرے میں کوئی ایجاد یا تحریک چلائی جا سکے:

﴿وقالوا ربنا انا اطعنا سادتنا و کبرآء نا فاضلونا السّبیلاً ﴾ ''اور کہیں گے کہ ہم نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی اطاعت کی تو انھوں نے راستے سے بہکا دیا'' (احزاب/۶۷)

انکے کلام میں آپ کو کوئی ایسی چیز نہیں ملے گی کہ جس سے یہ اندازہ ہو کہ یہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا احساس کر رہے ہیں یا یہ حس کر رہے ہوں کہ یہ مظلوم ہیں بلکہ انکا کام صرف اطاعت وپیروی کرنا ہے۔

یہی گروہ مولا امیرالمومنینؑ کے اس فرمان میں تیسرا گروہ ہیں جہاں آپؑ نے فرمایا: لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں ایک عالم ربانی ہیں دوسرے نجات کیلئے راستہ تلاش کرنے والے متعلم ہیں اور تیسرے یہی **همج الرعٰی** ہیں جو ہر آواز کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔

یہ تیسرا گروہ ہر صالح معاشرے کے لئے مشکل ایجاد کرتا ہے لہٰذا صالح معاشرے کو چاہیے کہ جتنا ممکن ہو سکے اس گروہ کو ختم کرے اوراسکو دوسرے گروہ میں تبدیل کرے یعنی حضرت امیرالمومنینؑ کے تعبیر کے مطابق حقیقت کے متلاشی گروہ یعنی متعلم علی سبیل نجات یا قرآن کریم کے تعبیر کے مطابق تابع بہ احسان میں تبدیل کرے یا آگاہانہ بصیرت کے ساتھ تقلید کرنے والوں میں تبدیل کریں جیسے فقہ میں آیا ہے۔جتنا اس گروہ کو دوسرے گروہ میں تبدیل کیا جائے گا اتنا ہی معاشرہ دوام پائے گا اور اسکی عمر طویل ہوگی یہاں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امیرالمومنینؑ کی نظر میں یہ صالح معاشرہ کی ضرورت میں سے کہ اس تیسرے گروہ سے نفرت کی جائے یہ گروہ همج الرعٰی ہیں یہ ہر آواز کے پیچھے چلتے ہیں انکی اپنی کوئی عقل یا ارادہ نہیں ہے لہٰذا امام علیؑ کا یہ نظریہ ہے کہ اس گروہ کا صالح معاشرے سے خاتمہ ہونا چاہیے۔

یہاں خاتمہ سے مراد انکو قتل کرنا نہیں بلکہ انھیں دوسرے گروہ میں تبدیل کرنا ہے تا کہ صالح معاشرہ اپنی ایجاد وابتکار کو جاری رکھ سکے۔ دنیا کے تمدن میں شریک ہو سکے اور فرعونیوں کے خلاف اٹھ سکے۔

لیکن اس کے برخلاف فرعون اور فرعونی معاشرہ ہمیشہ یہ چاہتا ہے۔ اس ھمج الرعٰی گروہ کو وسعت ملے جو ہر آواز کے پیچھے چلتے ہیں کیونکہ جتنی ان میں وسعت آئے گی معاشرہ اتنا ہی پستی کی طرف جائے گا کیونکہ اگر داخل یا باہر سے کوئی مصیبت آجائے تو یہ گروہ کسی بھی صورت میں اپنے معاشرہ کا دفاع نہیں کر سکے گا۔ معاشرہ میں اس طبقہ کا جتنا اضافہ ہوگا معاشرہ فنا و نابودی کی طرف جائے گا اور آخر کار طبیعی موت مر جائے گا۔

قرآنی اصطلاح کے تحت معاشرہ، اقوام اور امتوں کیلئے جس موت کا ذکر ہے وہ مرنے کے بعد دفنانے والی موت نہیں بلکہ اجتماع کیلئے دو موتیں ہیں ایک موت طبیعی ہے اور دوسری موت شگافی معاشرے کی طبعی موت اس تیسرے گروہ کی تعداد اور کیفیت میں اضافے سے ہوتی ہے۔

چوتھا گروہ: چوتھا گروہ وہ ہے جو ظالم کو نفسیاتی طور پر مسترد کرتا ہے اس گروہ نے فرعون اور فرعونیت کے مقابل میں اپنی عقل کو نہیں کھویا ہے یہ ظلم کو برا گردانتے ہیں۔ لیکن عملی طور پر خاموشی اختیار کرتے ہیں اور وقت گذرنے کا انتظار کرتے ہیں۔ یہ لوگ پریشانی اور اضطراب کی زندگی گزارتے ہیں جب ایسی حالت میں زندگی گزرتے ہیں تو انسان کے طبیعت کے ساتھ تعلقات میں کوئی ایجاد و تجدید اور رشد و نمو نہیں کر سکتے انکے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

﴿انّ الّذین توفّٰھم الملٓئکة ظالمی انفسھم قالوافیم کنتم قالواکنّامستضعفین فی الارض قالواالم تکن ارض اللّٰہ واسعةً فتھاجروافیھافاولٓئك مأوٰھم جھنّم وسآء ت مصیرًا﴾ ''وہ لوگ جو اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں تو ان

سے پوچھتے ہیں: تم کسی حال میں مبتلا تھے؟ وہ کہتے ہیں: ہم اس سرزمین میں بے بس تھے فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی سرزمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے ؟ پس ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے'' (نساء/ ۹۷)

انہوں نے دوسروں پر ظلم نہیں کیا یہ لوگ ظالم مستضعف بھی نہیں ہیں جیسا کہ پہلا گروہ تھا اور نہ ہی حاشیہ نشین اور فرعون کے مداحان میں سے ہیں اور نہ ہی انکا شمار ھمج الرعٰی میں ہے جو اپنی عقل کھو چکے ہیں، نہیں یہ لوگ ایسے نہیں ہیں بلکہ اس کے برعکس یہ لوگ درک کرتے ہیں کہ وہ مستضعف ہیں: ﴿قالوا کنّا مستضعفین فی الارض﴾ انہوں نے اپنی عقل کو نہیں کھویا یہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا احساس کرتے ہیں لیکن اپنے گرد و نواح کے حالات کے ساتھ مصالح اور خاموشی میں زندگی گزارتے ہیں لہٰذا قرآن کریم نے فرمایا انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے کیا اس گروہ سے یہ توقع رکھنا صحیح ہے انسان اور طبیعت کے تعلقات کے میدان میں ان سے کوئی ایجادات رونما ہونگے؟ ہر گز نہیں!۔

پانچواں گروہ: فرعونی معاشرے کی تقسیم بندی کے درمیان ظالمین کا پانچواں گروہ وہ ہے جو میدان سے فرار کی راہ اختیار کرتا ہے میدان سے دور ہو جاتا ہے یہ گروہ رہبانیت ہے جو طول تاریخ میں تمام ظالم معاشروں میں موجود رہا ہے انکی بھی دو قسمیں ہیں۔

ان میں سے ایک گروہ خود کو نجات دلوانا چاہتا ہے خود کو اس ظالم معاشرے میں ملوث نہیں کرنا چاہتا یہ جدّیت اپنانے والا گروہ ہے اسکا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے:

﴿ثم قفّیناعلیٰٓ اٰثارھم برسلناوقفّینابعیسی ابن مریم واٰتیناه الانجیل وجعلنافی قلوب الّذین اتّبعوه رأفةً ورحمةً ورھبانیة ابُتدعوھاماکتبناھاعلیھم الاابُتغاء رضوان اللّٰہ فمارعوھاحق رعیتھافاٰتیناالّذین اٰمنوامنھم اجرھم و کثیرٌمّنھم فاسقون﴾ ''پھر ہم نے انھیں کے نقش قدم پر دوسرے رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور انھیں انجیل عطا کر دی اور ان کا اتباع کرنے والوں کے دلوں میں مہربانی

اورمحبت قرار دیدی اور جس رہبانیت کو ان لوگوں نے ازخود ایجاد کرلیا تھا اور اس سے رضائے خدا کے طلبگار تھے اسے ہم نے ان کے اوپر فرض نہیں قرار دیا تھا اورانھوں نے خود بھی اس کی مکمل پاسداری نہیں کی تو ہم نے ان میں سے واقعاً ایمان لانے والوں کو اجرعطا کردیا اوران میں سے بہت سے تو بالکل فاسق اور بدکردار تھے ''(حدید/۲۷)

اسلام اس رہبانیت کو مسترد کرتا ہے کیونکہ یہ اسلام کا روئے زمین پر خلیفہ ہونے کی مسئولیت کے بارے میں منفی موقف رکھتی ہے۔

یہاں ایک جعلی اور خود ساختہ رہبانیت ہے۔ راھبوں کا لباس پہنتے ہیں لیکن اندر سے راھب نہیں ہیں بلکہ یہ مصنوعی رہبانیت سے لوگوں کو غفلت میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اور فرعون اور اسکے ظلم کے خلاف اٹھنے سے روکتے ہیں لوگوں پر روحی اور نفسی لحاظ سے مسلط ہونا چاہتے ہیں اس گروہ رہبانیت کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے:

﴿یـاَیّھـاالّذین اٰمنوااِنّ کثیرًامّن الاحبار والرّھبان لیأکلون اموال النّاس بـالبـاطـل ویـصـدّون عـن سبیـل اللّٰہ والّذین یکنزون الذھب والفضّۃ ولا ینفقونھافی سبیل اللّٰہ فبشّرھـم بعذابٍ الیمٍ﴾ ''اے ایمان والو! (اہل کتاب کے) بہت سے علماء اور راھب لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور انھیں راہ خدا سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیجئے'' (توبہ/۳۴)

چھٹا گروہ: چھٹا اور آخری گروہ میں وہ مستضعف ہیں جب فرعونیت نے معاشرہ کو گروہوں میں تقسیم کیا۔ اور ایک معین گروہ کو مستضعف بنایا انھیں ذلیل کرنا چاہا انکی کرامت وعزت کو گرایا ہے کیونکہ یہ وہی وہ حقیقی گروہ تھا جو فرعون کے خلاف حرکت کی بنیاد رکھتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے چن چن کر انھیں مستضعف بنایا اسکا ذکر اس آیت میں ہے:

﴿واذانجینا کم من اٰل فرعون یسومونکم سوٓء العذاب یذبّحون ابنآء کـم ویستحیون نسآء کم وفی ذٰلکم بلاءٌ مّن رّبّکم عظیم﴾ ''اور (وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمھیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمھیں بری طرح اذیت دیتے تھے، تمہارے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑا امتحان تھا'' (بقرہ/۴۹) یہ چھٹا گروہ ہے۔

قوانین تاریخ میں سے ایک قانون کے ضمن میں ہے کہ ظالم فرعونی معاشرہ کی ترکیب کے ہر گروہ کی موقعیت ظلم ختم ہونے کے بعد اسی تناسب سے اس میں تبدیلی آئے گی (مثلاً جب عدالت قائم ہوگی تو چھٹا گروہ پہلا گروہ ہوگا) (مترجم) وہ گروہ جو صحیح معنوں میں ظلم کو مسترد کرتا ہے اور اسکا خاتمہ چاہتا ہے وہ یہی چھٹا گروہ ہے اسکا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں موجود ہے:

﴿ونـریـدان نّـمـنّ عـلـی الّـذین اسۡتضعفوا فی الارض ونجعلھم ایمۃً وّنجعلھم الوٰرثین﴾

''اورہم یہ چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو زمین میں کمزور بنادیا گیا ہے ان پر احسان کریں اور انھیں لوگوں کا پیشوا بنائیں اور زمین کا وارث قرار دیدیں'' (قصص/۵)

خدا چاہتا ہے اس چھٹے گروہ کو قائد ورہبر بنائے۔ اسے روئے زمین پر اپنا وارث بنائے یہ ایک الگ تاریخی قانون ہے۔ اب ہم یہاں سابقہ الذکر حقیقت کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ معاشرہ میں ظلم کے ساتھ انسان کے طبیعت کے ساتھ تعلقات کے زیادہ ہونے میں برعکس تناسب ہے (یعنی جب ظلم نہ ہوتو تعلقات بہتر ہونگے) اور معاشرہ میں عدل ہونے کے ساتھ انسان کے طبیعت کے ساتھ تعلقات زیادہ ہونے میں مثبت تناسب ہے۔ فرعونی معاشرہ جو پراگندہ اور تقسیم در تقسیم کے عمل سے دوچار ہے۔ اس کی قابلیت اور صلاحتیں ضائع

ہوتی ہیں۔ طاقت وتوانائیاں جامد ہوتی ہیں اسی وجہ سے ان پر آسمان اپنی رحمت روک دیتا ہے۔اورزمین بھی اپنی برکات کھینچ لیتی ہے۔لیکن جہاں معاشرے پرعدل کی حکمرانی ہو وہاں اسکے برعکس ہے۔تمام صلاحتیں اور قابلیت متحد ہوتی ہیں اور قدرت وتوانائی کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔اس معاشرے میں جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ امام زمانؑ کے ظہور کے موقع پر زمین وآسمان اپنی خیرات کے دروازے کھول دیں گے اوراس کی وجہ عدالت کا قائم ہونا ہے، عدالت طبیعت کے پھلنے پھولنے میں بڑا کردار رکھتی ہے یہ تھے وہ دوزاویے یعنی انسان کا تعلق طبیعت سے اورانسان کا تعلق انسان سے اوران دونوں کا آپس میں ایک دوسرے پراثر انداز ہونا۔

۴۔شہید سید محمد باقر الصدر رضوان اللہ علیہ کا فرعونی معاشرہ کے قیام پر تحلیل وتجزیہ پیش کرنے کے بعد قارئین کرام کیلئے اپنے اس موجودہ معاشرے میں آثار ورسومات فرعونی کی پہچان چنداں مشکل نہیں ہوگی۔ ہمارے معاشرے میں آثار فرعونی کی ایک واضح وآشکار مثال ہرقسم کی اصلاح کوآباواجداد کی سیرت کے خلاف بغاوت قرار دینا ہے۔

﴿بل قالو انا وجد نا ابائنا علی امة وان علی اثرھم مھتدون﴾ ''بلکہ یہ کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک رسم پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں'' (زخرف/۲۲)﴿واذ قیل لھم اتبعوا ما انزل الله قالو بل نتبع ما الفینا علیه ابائنا، اولو کان ابائوھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون﴾ ''اورجب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام کی پیروی کروتو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباءواجداد کو پایا ہے خواہ ان کے آباءواجداد نے نہ عقل سے کام لیا ہو نہ ھدایت حاصل کی ہو'' (بقرہ/۱۷۰)﴿قالوا اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیه اباء نا﴾ ''وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں اس راستے سے پھیر دوجس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے'' (یونس/۷۸)

ہرصاحب عقل یہ درک کرسکتا ہے انسان کی ترقی وتمدن تنہا وحی وعقل سے وابستہ

ہونے میں مضمر ہے۔ نہ ترقی اور جدیدیت (ترقی پسند،نئی ایجادات) سے لگاؤ اور نہ ہی قدامت پرستی میں ہے۔ یہ لوگ قدامت پرستی کی طرف رجوع کرنے کی یہ منطق پیش کرتے ہیں گذشتگان ہم سے افضل واشرف تھے۔ یہ ایک بے ہودہ دلیل ہے بلکہ ایسی منطق ہے جسکی کوئی دلیل نہیں افضل ہونے کیلئے ہمیشہ ایک دائمی معیار موجود ہے۔

شناختِ انبیاء

انسان نے اپنی ابتداء سے ہی کائنات میں دو حقیقتوں کوموجود پایا جن میں سے ایک تو اس کائنات کیلئے ایک خالق ومدبر ہونے کا عقیدہ، جس کی طرف کائنات کی تمام تخلیقات کی برگشت ہے اور وہی ہے جو موجود حقیقی ہے انسان چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے غیب کی طرف کشش رکھتا ہے کیونکہ وہ خود اپنی مرضی سے اس دنیا میں نہیں آیا اسی طرح اسکی زندگی کے بہت سے اموراس کے ارادہ سے باہر ہیں، اسکے دل کی دھڑکن، رگوں میں خون کا دوڑنا، کبھی غمی کبھی خوشی ان سب کا اسے سامنا کرنا پڑتا ہے لہٰذا ان امور کی وجہ سے وہ غیب کی طرف متوجہ رہتا ہے:

﴿ذلك بان الله ھو الحق وان مایدعون من دونه الباطل وان الله ھو العلی الکبیر﴾ ''یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اوراسے چھوڑ کر جن چیزوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور (اس وجہ سے کہ) اللہ ہی بزرگ وبرتر ہے'' (لقمان/۳۰)

دوسری چیز جوانسان کو اپنے آنے پر یہاں پہلے سے موجود ملی وہ زمین، سورج، چاند ستارے اور پہاڑ ودریا وغیرہ ہیں جو اس موجود اول وموجود حقیقی کی مخلوق ہیں:

﴿ماخلقنا السمٰوٰت والارض ومابینھما الا بالحق واجلٍ مسمًّی﴾ ''ہم نے زمین اور آسمانوں اوراُن ساری چیزوں کو جواُن کے درمیان ہیں برحق اور ایک مدتِ خاص کے تعین کے ساتھ پیدا کیا'' (احقاف/۳)

انسان نے درک کیا ان کا خالق اور موجود اول وحقیقی انکے آنے سے پہلے ہر جگہ

موجود ہے۔اور پھر اسنے یہ بھی ظاہراً دیکھ لیا کہ دیگر موجودات بھی اس کے یہاں آنے سے پہلے ہی یہاں موجود ہیں۔ اس سے انسان کے علم ومعرفت اور آگہی میں اضافہ ہوتا گیا۔

خداوند متعال نے انسان کو ان موجودات کی شناخت اور آگاہی کے جو وسائل و ذرائع عطا کیے ہیں وہ سماعت وبصارت اور ذائقہ وشامہ اور لامسہ ہیں۔ان پانچ صفات سے اس نے اپنے اندر معلومات کے بے بہا ذخائر جمع کئے۔اس طریقے سے انسان حیوانیت سے نکل کر انسانیت میں داخل ہوگیا اس کے محسوسات نے کائنات کے بہت سے ظواہر سورج' چاند' نہریں اور رعد برق جو مظاہر طبیعت ہیں کو درک کرلیا لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بہت سے ایسے حقائق کو درک نہ کرسکا اور ان کی تہ تک نہ پہنچ سکا جو ماورائے محسوسات ہیں جب سورج اور چاند گردش کرتے ہیں تو اس سے شب وروز وجود میں آتے ہیں لیکن وہ ان کے اصل وحقیقی اسباب وعلل کو درک نہ کرسکا اور اپنے محسوسات سے معقولات تک نہ پہنچ سکا یہاں سے اس نے اپنی عقل سے ان حقائق کو سمجھنے اور درک کرنے کی کوشش شروع کردی۔

انسان کو بعض مخلوقات فائدہ پہنچاتی ہیں اور بعض نقصان وخسارہ کا باعث ہیں، جن چیزوں سے انسان کو فائدہ پہنچ رہا ہے ان سے وہ انس ومحبت وآشتی پیدا کرنے لگا ان کیطرف جھکاؤ پیدا ہوگیا اور جن سے اسے نقصان ہوا ان سے وہ نفرت اور دوری وگریز کرنے لگا یہاں سے ہی بت پرستی کا آغاز ہوا۔انسان نے بت پرستی کیلئے سب سے پہلے مظاہر طبیعت کا انتخاب کیا اور وہ چاند سورج اور دریاوں کو اپنا معبود ومحبوب قرار دینے لگا چنانچہ اس نے مظاہر طبیعت سے نفع ونقصان کے مظاہر درک کئے اور وہ حرارت وسردی' بارش وخشک سالی وسیلاب' خیر وشر' بخل اور جود وسخا سب درک کرنے لگا یہاں سے انسانی عقل اشتباہ کا شکار ہوئی اور وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ ان تمام چیزوں کا خالق ومرکز ایک ہی ہے جو ان تمام متضاد صفات رکھنے والی چیزوں کا خالق ومالک ہے۔وہ یہ سمجھنے لگا کہ انسان کو نفع ونقصان پہنچانے والے خدا الگ الگ ہیں جیسے گرمی، بارش وغیرہ جو کہ انسان کو نفع پہنچاتے ہیں اور اس کیلئے خیر ہیں اور طوفان وسیلاب اور خشک سالی انسان کو شر ونقصان پہنچاتے ہیں یہاں سے انسان نے بیک وقت

دو خداؤں یا دو الٰہ کے تصور کو اپنا لیا اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ ایک الٰہ خیر ہے اور ایک الٰہ شر۔ چنانچہ سورۂ اعراف آیت ۷۱ اور ہود آیت ۵۳،۵۴ میں قوم ہود کی بت پرستی کے بارے میں یہ ذکر آیا ہے:

﴿قالوا اجئتنا لنعبد الله وحده ونذر ما کان یعبد اٰبائونا﴾ ''کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور انھیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں'' ﴿قالوا یٰھود ما جئتنا ببینةٍ وما نحن بتارکی اٰلھتنا عن قولك وما نحن لك بمؤمنین۔ان نقول الا اعترٰك بعض اٰلھتنا بسوٓء﴾ ''انھوں نے جواب دیا اے ہود، تو ہمارے پاس کوئی صریح شہادت لے کر نہیں آیا ہے اور تیرے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے اور تجھ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے''

ایسی صورت حال میں خداوند عالم کے لطف وکرم کا تقاضا ہے اپنے بندوں کو شقاوت وبدبختی سے نجات دلانے، گمراہیوں سے نکالنے، نیز سعادت دین ودنیا کی راہ پر گامزن کرنے کا اہتمام کرے۔اس مقصد کیلئے وہ حجت باطنی یعنی فطرت وعقل کے علاوہ خود انسانوں ہی میں سے کسی ہستی کو اس کی ہدایت ورہبری کیلئے منتخب کر کے مبعوث فرمائے تا کہ وہ لوگ جو اپنی فطرت سے انحراف، عقل وشعور میں فتور اور سستی کے نتیجہ میں ضلالت وگمراہی میں مبتلا ہوگئے ہیں اور چاہ تاریکی میں ڈوب گئے ہیں، اس سے انھیں نجات دلا سکے اور اس ضلالت وگمراہی سے آگاہ بھی کرسکے۔

وہ ہستی جسے خداوند عالم اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے منتخب فرماتا ہے اس انتخاب الٰہی کے باعث ایک بلند وبالا منصب پر فائز ہوتی ہے۔لہٰذا دوسروں کیلئے اسکا محسود واقع ہونا لازمی ہے۔بنابریں خطرہ یہ رہتا ہے کہ خدا کے ان منتخب بندوں کے مقابل بعض افراد اس منصب پر فائز ہونے کے جھوٹے مدعی بن کر یہ دعویٰ کر بیٹھیں کہ وہ بھی خدا کی طرف سے مبعوث کئے گئے ہیں اور انھیں بھی لوگوں کی ہدایت کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے

پیغمبر اکرمؐ کی حیات طیبہ میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی جھوٹے مدعیان نبوت وامامت کا مسئلہ اٹھتا رہا ہے۔ انبیاء وائمہ برحق و بندگان حق کی تلاش کرنے والے ہمیشہ اس مسئلہ سے دوچار رہتے ہیں۔

نبوت انسانوں میں ایک بلند و بالا منصب و مقام ہے۔ اس منصب کے جھوٹے مدعیان سے ہر زمانہ میں انبیاءِ برحق اور امتوں کو سامنا رہا ہے۔ اس منصب کی انتہائی اہمیت کے پیش نظر، طول تاریخ میں استعماری طاقتوں نے بھی مسلمانوں کی انبیائے برحق اور دین حق سے دور رکھنے کے لئے جھوٹے نبی کھڑے کئے ہیں۔

حکم عقلی کے ساتھ ساتھ نقل مسلمہ بھی تائید کرتی ہیں انسان کو ہر مدعی کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کرنی چاہئے بلکہ اگر زمانے میں افراتفری اور دھوکہ دہی کا بازار گرم ہو تو کسی کے بارے میں حسن ظن رکھنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اگر معاشرہ میں داعیان حق اور باطل کا تناسب برابر، برابر ہو تو ایسی صورت حال میں کسی شخص پر بھروسہ کرنا، بالخصوص دین و مذہب اور آخرت سے وابستہ امور میں بغیر تصدیق کئے کسی کی پیروی کرنا دین و مذہب کی بدبختی کا سبب بنتا ہے ایسا کرنا شقاوت و بدنصیبی کو اپنا مقدر بنانے کے مترادف ہے۔ ایک ایسے معاشرے میں جب کوئی شخص کوئی خلاف معمول، خلاف قانون فطرت وطبعیت، خرق عادت عمل انجام دیتے ہوئے دعویٰ نبوت کرے تو امت پر اسکی تصدیق کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ نبی حق اور نبی باطل کی پہچان کیلئے علمائے عقائد نے شناخت کے تین اصول بیان کئے ہیں:

۱۔ نبی کی اپنی شخصیت

۲۔ انبیائے گذشتہ کی بشارت

۳۔ معجزہ

۴۔ خودساختہ، جعلی قائدین اور راہبران تمام مال و دولت، ریاست واقتدار کی ہوس رکھنے کے باوجود عوام کی فلاح و بہبودی کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ لیکن انکی خواہشات اور دولت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انکا مقصد لوگوں کی خدمت نہیں بلکہ

اپنی خدمت کرنا ہے۔ لیکن دوسری طرف ہم انبیاء کو دیکھتے ہیں جو لوگوں کی دولت اور خواہشات سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ یہ کسی قسم کی لالچ نہیں رکھتے اور اپنی دعوت میں ان سے کوئی اجر نہیں مانگتے لہٰذا یہ دلیل ہے انکی نبوت کی:

﴿یقوم لااسئلکم علیه اجرًا﴾ 'اے قوم! میں اس کام پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا'' (هود/۵۱) ﴿اتبعوا من لایسئلکم اجرًا﴾ ''ان کا اتباع کرو جو تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے'' (یٰسین/۲۱)

﴿قل لااسئلکم علیه اجرًا الاالمودة فی القربیٰ﴾ ''کہہ دیجئے: میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا'' (شوریٰ/۲۳) ﴿وما اسئلکم علیه من اجرٍ﴾ ''اور اس کام پر میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا'' (شعراء/۱۰۹، ۱۲۷، ۱۴۵، ۱۶۴، ۱۸۰)

﴿قل ماسالتکم من اجرٍ فهو لکم﴾ ''کہہ دیجئے: اگر میں نے تم سے کوئی صلہ مانگا ہے تو وہ خود تمہارے ہی لئے ہے'' (سباء/۴۷) ﴿فما سالتکم من اجرٍ﴾ ''میں نے تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگا'' (یونس/۷۲)

۵۔ جدال احسن: فریق مخالف کی بات کو عقل و منطق سے رد کرتے ہیں مثلاً جب لوگوں نے کہا ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں تو ان کے جواب میں فرمایا یہ تم کیسی بات کرتے ہو کہ اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور خدا کیلئے بیٹیاں۔

۱۔ نبی کی اپنی شخصیت

داعی نبوت نے زندگی کا ایک طویل عرصہ اسی معاشرہ میں گذارا ہوا ہوتا ہے۔ لوگ اس کی شخصیت سے، اسکے کردار و گفتار سے واقف ہوتے ہیں۔ یہ ضروری ہے اس سے کبھی بھی کوئی جھوٹا اور انحرافی عمل سرزد نہ ہوا ہو، اسکا سابقہ کردار بالکل صاف اور پاک ہو۔ یہ بات بجائے خود اسکے دعویٰ کی صداقت کا ثبوت ہے چنانچہ نبی فرماتے ہیں:

۱۔ ﴿فقدلبثت فیکم عمرًامن قبله افلاتعقلون﴾ ''اس سے پہلے میں تمہارے

درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں' کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟'' (یونس/۱۶)

۲۔ابراہیم نبی صدیق تھے:

﴿واذکر فی الکتٰب ابرٰھیم انه کان صدیقًا نبیًا﴾ ''اور اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے یقیناً وہ بڑے سچے نبی تھے'' (مریم/۴۱) ﴿انه کان صدیقًا نبیًا﴾ ''وہ یقیناً راستگو نبی تھے'' (مریم/۵۶)

اسی طرح خاتم النبین نے اپنے بعثت کے اعلان کے موقع پر اہل مکہ سے اپنی صداقت وامانتداری کا اعتراف لینے کے بعد اپنی نبوت کا اعلان کیا اس طرح سے ہر نبی اپنے معاشرے میں معجزہ دکھانے سے پہلے اپنی شخصیت کی صداقت وامانتداری کا لوگوں سے اعتراف لیتے تھے چنانچہ پیغمبر اکرمؐ کی نبوت کی حقانیت کے بارے میں خود نبی کی شخصیت کو ایک بڑی علامت ونشانی کے طور پر متعارف کرایا جب منکرینِ نبوت نے آپؐ کی رسالت ونبوت کا انکار کیا ملاحظہ کریں سورۂ رعد کی آخری آیت شاہد وگواہ ہے:

﴿ویقول الذین کفروا لست مرسلًا قل کفٰی بالله شهیدًا بینی وبینکم ومن عنده علم الکتٰب﴾ ''یہ منکرین کہتے ہیں کہ تم خدا کے بھیجے ہوئے نہیں ہو کہو میرے اور تمھارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے اور پھر اس شخص کی گواہی جو کتاب آسمانی کا علم رکھتا ہے''

اپنے کردار ہی کو سند بتاتے ہوئے ہمارے نبی اور بعض دیگر انبیاء نے اپنی، اپنی قوموں سے سوال کیا ہم نے ایک عمر تمہارے درمیان گزاری ہے، کیا تم نے ہمیں جھوٹا پایا؟ شناخت کے اسی اصول کے تحت بہت سے لوگ اپنے دور کے نبی پر فورا ایمان لائے۔ ہمارے نبی پر بھی بہت سے لوگ اسی بنیاد پر ایمان لائے مثلاً حضرت خدیجۃ الکبریٰ' امیر المومنین علیؑ، جناب ابوطالبؑ حمزہؓ زید بن حارثہؓ اور بعض دیگر افراد پیغمبر کی صدق وصفا سے پر گزشتہ زندگی کو دیکھ کر ہی ایمان لائے تھے۔

۲۔انبیائے گزشتہ کی بشارت

کسی نبی کی صداقت اور حقانیت پر ایمان لانے کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ انبیاءِ سابقہ اس نبی کے آنے کی بشارت دے یا سابقہ کتب آسمانی میں اس کی آمد کی خبر دی گئی ہو۔ایک صورت یہ بھی ہے کہ نبی گزشتہ اپنے بعد آنے والے نبی کی خصوصیات کی تصدیق کرے اور جو کتاب اس نئے نبی پر نازل ہوئی ہے اس میں بھی گزشتہ پیغمبر کا تذکرہ موجود ہو۔ چنانچہ نہج البلاغہ میں موجود خطبہ میں امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: [من سابق سمی له من بعده ،او غابر عرفه من قبله] ''ہر گزرنے والے نبی نے اپنے بعد میں آنے والے نبی کی بشارت دی ہے اور ہر آنے والے نبی نے اپنے سے پہلے نبی کی تصدیق کی ہے کیونکہ سلسلہ انبیاء میں مبداء ومعاد، مرسل ورسالت کے مسائل میں آپس میں کوئی فرق نہیں ہے''

خود قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ ایک نبی اور دوسرے نبی میں فرق نہیں۔ان آیات میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

﴿کل امن بالله وملائکته وکتبه ورسله لانفرق بین احدٍ من رسله﴾ ''اور سب ایمان والے بھی اللہ اور اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور (وہ کہتے ہیں:) ہم رسولوں میں تفریق کے قائل نہیں ہیں'' (بقرہ/۲۸۵) ﴿وما اوتی موسٰی وعیسٰی والنبیون من ربهم لانفرق بین احدٍ منهم ونحن له مسلمون﴾ ''اور جو تعلیمات موسیٰ وعیسیٰ اور باقی نبیوں کو اپنے رب کی طرف سے ملی ہیں ان پر بھی ایمان لائے ہیں ہم ان کے درمیان کسی تفریق کے قائل نہیں ہیں ہم تو اللہ کے تابع ہیں'' (آل عمران/۸۴)

یہود اپنی کتابوں میں اسفار تکوین کے تحت پیغمبر آخر الزمان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔سورۂ بقرہ آیت ۱۴۶ میں خدا کا فرمان ہے کہ یہود پیغمبرؐ کی آمد سے پہلے، ان کی صفات اور اوصاف کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے تھے:

﴿الذین اٰتینٰهم الکتٰب یعرفونه کمایعرفون ابنآئهم﴾ ''جن لوگوں کو ہم نے

کتاب دی ہے وہ اس (رسول) کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں‘‘

انعام آیت ۲۰ میں بھی یہی ذکر ہے۔

سورۂ صف آیت ۶ میں حضرت عیسیٰؑ کا بیان ہے میں تمھیں آئندہ آنے والے نبی کی بشارت دینے کے لئے آیا ہوں:

﴿اذقال عیسیٰ ابن مریم یبنی اسرآئیل انی رسول الله الیکم مصدقًالمابین یدی من التورٰۃ ومبشرًابرسولٍ یأتی من بعد اسمه احمد﴾ ’’اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور اپنے سے پہلے کی کتاب توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جن کا نام احمد ہے‘‘

ہم نے مجلّہ اعتقاد شمارہ اول صفحہ ۸۸ میں اہل کتاب کے عنوان کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ ضرورت بعثت انبیاء کے قاعدے کے تحت ہر دور میں ایک نبی کا ہونا ضروری ہے۔ اس اصول کے تحت اہل کتاب پر فرض عائد ہوتا تھا کہ جب آنے والا نبی دعوائے نبوت کرے تو وہ اس کے صدق وصداقت کے بارے میں تحقیق کریں تاکہ جھوٹا دعوی ہونے کا احتمال نہ رہے۔ ایسی صورت میں وہ بری الذمہ قرار پائیں گے۔ لیکن اگر یک طرفہ طور اور بلا تصدیق مسترد کر دیا اور مدعی نبوت واقعا خدا کا فرستادہ ہوا، تو عنداللہ مسئول ہونگے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات جن میں سے چند کا ذکر پہلے آچکا ہے، اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تمام تر تحریفات کے باوجود ہمارے پیغمبرؐ کے حلیہ اور آپ کے صفات وامتیازات کا ذکر اس دور کی تورات وانجیل میں موجود تھا لیکن بجائے تصدیق کرنے کے ان کے علماء نے دنیاوی فائدے کی خاطر اس عظیم حقیقت کو جان بوجھ کر چھپانے کی کوشش کی۔ مگر ان کے لئے ایک مشکل یہ تھی کہ اہل کتاب پیغمبر کو یکسر مسترد بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ایک طرف تو سلسلہ نبوت ختم نہیں ہوا تھا اور دوسری طرف ان کی کتابوں میں خاتم

الانبیاء کے آمد کی خبر دی گئی تھی۔ غرض یہ کہ ہر مدعی نبوت کے بارے میں تحقیق کرنا اہل کتاب کا عقلی اور شرعی فریضہ تھا۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیات موجود ہیں:

﴿ولما جآئهم رسول من عندالله مصدق لمامعهم نبذفریق من الذین اوتواالکتٰب کتٰب الله ورآئظهورهم کانهم لایعلمون﴾ ’’اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی رسول اس کتاب کی تصدیق وتائید کرتا ہوا آیا جو ان کے ہاں پہلے سے موجود تھی، تو ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کتاب کو اللہ اس طرح پس پشت ڈالا گویا کہ وہ کچھ جانتے ہی نہیں‘‘ (بقرہ/۱۰۱) ﴿واذاخذالله میثاق النبین لمآاتیکم من کتٰبٍ وحکمةٍ ثم جآئکم رسول مصدق لمامعکم لتؤمنن به ولتنصرنه﴾ ’’یاد کرو اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج میں نے تمہیں کتاب اور حکمت ودانش سے نوازا ہے کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اُسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی‘‘ (آل عمران/۸۱) ﴿ومن قبله کتٰب موسٰی امامًاورحمةً وهٰذاکتٰب مصدق لسانًاعربیًا﴾ ’’اس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب تھی جو رہنما اور رحمت تھی اور یہ کتاب عربی زبان میں سب کی تصدیق کرنے والی ہے‘‘ (احقاف/۱۲) ﴿قالوایٰقومنااناسمعناکتٰبًاانزل من بعدموسٰی مصدقًالمابین یهدی الحق والیٰ طریقٍ مستقیم﴾ ’’کہنے لگے اے ہماری قوم ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے، جو اپنے سے پہلی (نازل کی گئی) کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے، جو سچے دین اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے‘‘ (احقاف/۳۰) ﴿وآمنوابماانزلت مصدقًالمامعکم﴾ ’’اور میری اس نازل کردہ کتاب پر ایمان لاؤ جو تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے‘‘ (بقرہ/۴۱) ﴿نزل علیك الکتٰب بالحق مصدقًالمابین یدیه وانزل التورٰۃ والانجیل﴾ ’’اے نبی، اس نے تم پر یہ کتاب نازل کی جو حق لے کر آئی ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کر رہی ہے جو پہلے سے آئی

ہوئی تھیں اس سے پہلے وہ انسانوں کی ہدایت کیلئے تورات اور انجیل نازل کر چکا ہے'' (آل عمران/۳) ﴿وقفینا علیٰ اٰثارهم بعیسی ابن مریم مصدقًا لمابین یدیه من التورٰة واٰتینٰه الانجیل فیه هدًی و نور و مصدقًا لمابین یدیه من التورٰة ﴾ ''اور ان کے بعد ہم نے عیسٰی بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب توریت کی تصدیق کرتے تھے اور ہم نے انھیں انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور تھا اور جو اپنے سے پہلے والی کتاب توریت کی تصدیق کرتی تھی'' (مائدہ/۴۶) ﴿ولیحکم اهل الانجیل بماانزل الله فیه ومن لم یحکم بماانزل الله فاولٰئك هم الفٰسقون ﴾ ''اہل انجیل کو چاہیے کہ وہ ان احکام کے مطابق فیصلے کریں جو اللہ نے انجیل میں نازل کئے ہیں اور جو لوگ اللہ کی نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ فاسق ہیں'' (مائدہ/۴۷)

اس کے برعکس مسلمانوں کیلئے نہ صرف یہ کہ دعویٰ نبوت کرنے والوں کے بارے میں تحقیق کرنا عقلاً وشرعاً ضروری نہیں بلکہ پہلے ہی مرحلے میں اسے مسترد کرنا واجب ہے، کیونکہ آیات قرآنی کے تحت ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور سلسلہ نبوت آپکی ذات پر آ کر ختم ہوگیا ہے۔

تمام انبیاء ایک باپ کی متعدد اولاد کی مانند ہیں یہ سب خداوند متعال کی طرف سے مبعوث ہوئے ہیں۔ سب کی بعثت کا مقصد انسان کی ہدایت کرنا ہے۔ سب کا پیغام ایک ہے ہر گزرنے والا نبی اپنے بعد آنے والے نبی کی بشارت دیتا ہے ہر بعد میں آنے والا نبی اپنے سے پہلے کی تصدیق کرتا ہے۔ چنانچہ سورۂ مبارکہ آیت ۸۹ میں خداوند متعال پیغمبر کی نبوت کی صداقت کے بارے میں یہود سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہود پیغمبر کی آمد سے پہلے اس نبی کے انتظار میں تھے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاء هم ما عرفوا کفرو به﴾

''پہلے وہ لوگ دشمنوں کے مقابلہ میں اسی کے ذریعہ طلب فتح بھی کرتے تھے لیکن اس

کے آتے ہی منکر ہو گئے حالانکہ اسے پہچانتے بھی تھے'' (بقرہ/۸۹)

یہود صفات محمدؐ سے اپنی اولاد کی مانند واقف تھے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿الذین اٰتینٰهم الکتب یعرفونه کما یعرفون ابنائهم ﴾ ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ ان کو اسطرح پہچانتے ہیں، جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں'' (بقرہ/۱۴۶)

سورۂ اعراف آیت ۱۵۷ میں تمام تر صفات محمدؐ کا ذکر ہے:

﴿الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراته والا نجیل یامرهم بالمعروف وینههم عن المنکر ویحل لهم الطیبت ویحرم علیهم الخبیثت ویضع عنهم اصرهم والاغلل التی کانت علیهم ﴾ ''جو لوگ رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں، جس کا ذکر اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں کہ وہ نیکیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان پر سے احکام کی سنگین بوجھ اور قید و بند کو اٹھا دیتا ہے''

اسی طرح سورۂ مبارکہ صف آیت ۶ میں حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے محمدؐ کا ذکر ہے:

﴿واذقال عیسی بن مریم یبنی اسرائیل انی رسول الله الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراته و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد ﴾ ''اور اس وقت کو یاد کرو جب عیسی بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلے کی کتاب توریت کی تصدیق کرنے والا اور اپنے بعد کے لئے ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، جس کا نام احمد ہے''

اس سلسلہ کو ہم یہیں ختم کرتے ہیں کیونکہ اگر کتب جدید وقدیم میں موجود تمام بشارتوں کا ذکر کیا جائے تو وہ بجائے خود ایک ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر لے گی۔

۳۔ "معجزہ" یا آیاتِ انبیاء:

انبیاء کو اپنی نبی ثابت کرنے کیلئے خدا کی طرف سے نشانی چاہئے جو دوسروں کیلئے ممکن نہ ہو چونکہ انسانی معاشرہ میں جاہل طبقہ کی اکثریت ہوتی ہے جو صرف محسوسات کے راستے سے حقائق کو پہچانتے ہیں چونکہ محسوساتی نشانیوں میں اشتباہ کی گنجائش زیادہ ہے جیسے سحر، جادو واکتشافات وغیرہ

سحر و جادو کو معجزہ سے الگ قرار دینے یا سمجھنے کے لئے ضروری ہے کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے حوادث وتغیرات کی اقسام ومراحل ومراتب کا دقت سے جائزہ لیں۔

۱۔ ایجاد و تخلیق یعنی کوئی نئی چیز خلق کرنا یہ کام صرف ذات باری تعالیٰ تک محدود ہے۔ خدا کے سوا کوئی بھی جادو وسحر کرنے والا ہو یا انبیاء و مرسل ہوں کوئی یہ کام انجام نہیں دے سکتے۔

۲۔ کسی چیز کے معلول کی علت عقلی اور منطقی ہو۔ ہر معدوم چیز بغیر علت کے واقع نہیں ہوسکتی اس میں حرکت نہیں آسکتی مثلاً ایک پتھر اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا جب تک اسے کوئی حرکت نہ دے۔

۳۔ سبب کا مشخص ہونا ضروری ہے۔ جسطرح آگ لکڑی جلانے کیلئے علت ہے لیکن اس لئے ضروری ہے کہ لکڑی کو آگ کے قریب کریں۔ کسی چیز کا کسی کیلئے سبب بننے کیلئے چند چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

دنیا میں مختلف ماہرین اور سائنسدان ان قوانین علمی وطبیعی کے تحت کشف واختراع کرتے ہیں اور نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے ہیں۔ ابتداء میں یہ قوانین طبیعی عام لوگوں کو معلوم نہیں ہوتے۔ لیکن رفتہ رفتہ دوسرے لوگ بھی ان سے آگاہی حاصل کر لیتے ہیں اور ان چیزوں کو بنانے لگتے ہیں۔ چنانچہ جتنی بھی اختراعات وایجادات ہیں، آئے دن اس کے جاننے والے اور پیدا کرنے والے ہزاروں افراد اور کارخانے وجود میں آتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس ہزاروں سال قبل رونما ہونے والے معجزات میں جو خرق عادت اعمال انجام

پائے اور خلاف طبیعت تغیر رونما ہوا، آج تک دنیا اسکے اسباب کو سمجھنے سے قاصر ہے، چہ جائیکہ اس میں ترمیم واضافہ کیا جاسکا ہو۔

بعض قوانین طبیعت ایسے ہوتے ہیں جن سے عام انسان آسانی سے آگاہ نہیں ہو پاتا۔ ان سے آگاہی کیلئے وسیع تحقیق و تجربہ درکار ہوتا ہے۔ اور توانائی خرچ کرنی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر گزشتہ زمانہ کا انسان پانی سے بجلی پیدا کرنے کے قانون طبیعت سے آگاہ نہ تھا۔ جب طویل تحقیق وتجربہ کے بعد بجلی دریافت ہوئی تو اس سے حاصل ہونے والے فائدے معجزہ نما تھے۔ اسی طرح دوسری سائنسی ایجادات و اختراعات ہیں جو آجکل کے انسان کیلئے روزمرہ کے استعمال کی عام چیزیں ہیں لیکن کل کے انسان کیلئے معجزہ سے کم نہ تھیں۔ بعض قوانین طبیعت ایسے ہیں جن سے بشر بالکل بھی واقف نہیں ہے۔ یہ قوانین مختص بہ خدا ہیں۔ جب خدا چاہتا ہے تو کسی خاص ہدف کیلئے اپنے منتخب بندوں کو ان سے آگاہ کرتا ہے۔ یہ بندہ یا تو خدا کی مرضی کے مطابق ان قوانین کو استعمال میں لا کر طبیعت میں تغیر پیدا کرتا ہے یا پھر خدا خود یہ کام سرانجام دیتا ہے اور بندہ اس کا مظہر بنتا ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ عمل معجزہ کہلاتا ہے۔

کتاب ہٰذا حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے تعلق رکھتی ہے۔ ان دونوں نبیوں کو اپنے معجزہ کے مقابل میں سحر اور اکتشافات کا سامنا تھا لہٰذا ضروری ہے معجزہ اور سحر کا فرق کو واضح کریں:

"معجزہ":

مادہ "عجز" سے مشتق ہے اور اسم فاعل ہے۔ اس کا مصدر "اعجاز" ہے۔ عجز کے معنی لغت عرب میں ناتواں ہونے، ہاتھ سے چھٹنے یا چھن جانے کے بیان ہوئے ہیں۔ چونکہ نبی کا یہ فعل، منکرین نبوت سے ہر قسم کی مزاحمت کے جواز کو سلب کر لیتا ہے یا ان سے دعویٰ کو مسترد کرنیکی قدرت وتوانائی چھین لیتا ہے اور ان کو اس سلسلے میں عجز وناتواں بنا دیتا ہے اس لئے اس عمل کو معجزہ کہتے ہیں علمائے اعتقاد کے بقول وہ فعل جو خرق عادت ہو اور خلاف قانون

طبیعت انجام پایا ہوا سے معجزہ کہتے ہیں۔اسمیں مندرجہ ذیل شرائط کا ہونا لازم وضروری ہے:

۱۔ یہ عمل عادی قانون کو توڑ ڈالے۔یعنی یہ عمل تبدیل مادہ کے بارے میں رائج اصول وقوانین کے حدود وابعاد سے باہر ہو۔

۲۔ یہ عمل دعوی نبوت کے ساتھ ہو۔دعوی نبوت کے ساتھ یا اسکے بعد انجام پائے۔

۳۔ اس عمل کی انجام دہی کے ساتھ فریقین کو اس جیسا عمل کرنے کی دعوت مبارزہ دی جائے علمائے اعتقاد نے اسے تحدی کہا ہے۔

۴۔ عام بشر ایسا فعل بجالانے سے قاصر وناتواں ہو۔ بلکہ کلی طور پر یہ ناممکن ہو۔

۵۔ یہ ایک شرط خواجہ نصیر الدین طوسی نے تجرید اعتقاد میں اضافہ کے ساتھ لکھی ہے کہ دعوی اور عمل میں مطابقت یعنی فعل معجزہ دعوی کے خلاف نہ ہو گرچہ خلاف دعوی عمل انجام دینا عام بشر کے لئے ناممکن ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت آیت اللہ خوئی رضوان اللہ تعالیٰ نے معجزہ کو چند شرائط سے مشروط کیا ہے یعنی کسی عمل کو اس وقت تک معجزہ نہیں کہہ سکتے جب تک وہ حسب ذیل شرائط پر پورا نہ اترتا ہو:

۱۔ جو فعل انجام دیا جارہا ہے وہ خرق عادت اور خلاف قانون طبیعت ہو۔

۲۔ اس فعل کی انجام دہی' دعویٰ منصب الٰہی کو ثابت کرنے کیلئے ہو۔

۳۔ دوسروں کو ایسے فعل کے انجام دینے، مقابلہ کرنے یا مثل لانے کا چیلنج دیا جائے۔

۴۔ وہ فعل حکم عقلی اور نقلی مسلمات کے خلاف نہ ہو۔مثلاً دعویٰ الوہیت خلاف عقل فعل ہے۔اسی طرح دعویٰ مہدویت ایسا دعویٰ ہے جو خلاف نقل مسلمات ہے۔

جس طرح خود داعی منصب جھوٹا اور خود ساختہ ہوسکتا ہے اسی طرح خارق عادت اور خلاف طبیعت افعال بھی جعلی ہوسکتے ہیں۔لہٰذا محض خارق عادت اور خلاف طبیعت افعال کو دیکھ کر ہر کس وناکس کو خدا کا نمائندہ' نبی یا امام تسلیم کر لینا انسان کے لئے ارتکاب خطا کا

باعث بن سکتا ہے اور وہ دغا بازوں کے چکر میں پھنس سکتا ہے۔ان سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ معجزہ کے تمام پہلوؤں کو واضح وروشن صورت میں پیش کیا جائے تاکہ ہر شخص سمجھ سکے کس قسم کے خارق عادت یا خلاف طبعیت افعال معجزہ کے زمرہ میں آئیں گے جس کے دکھانے پر صاحب معجزہ کے منصب کو قبول کرنا ضروری ولازم قرار پاتا ہے۔اس مقصد کیلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ کی مندرجہ بالا شرائط،جنھیں علمائے اعتقاد وکلام نے پیش کیا ہے اور آقائے خوئی رضوان اللہ تعالی نے نقل فرمایا ہے، وضاحت کے ساتھ بیان کئے جائیں تاکہ جعلیات اور اس بادسموم سے بچا جاسکے جو ملحدین اور شکاکین کی جانب سے مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل کرنے کے لئے چلائی جاتی ہیں۔

''معجزہ'' کی حقیقت کیا ہے؟

نبوت اور معجزہ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔خداوند عالم نے بہت سے معجزات پیغمبر کے ہاتھوں جاری فرمائے ہیں جن سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔معجزہ کا نام سنتے ہی کسی ایسے عمل کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے جو عادت، الفت اور مانوس زندگی سے ماوراہو۔انسان کیلئے بہت سی چیزیں ایک زمانے میں غیر مانوس تھیں لیکن بعد میں انھیں چیزوں سے وہ مانوس ہوگیا۔لہٰذا ستارے، حرکت افلاک، قانون جاذبیہ، دوران خون، اور خود انسان سب معجزہ ہیں۔کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ انسان ایک حیوان غیبی ہے جس کی حقیقت معلوم نہیں۔

معجزے کے بارے میں مختلف زاویوں سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے اس پر گفتگو کا ایک زاویہ قوانین طبیعت کے حوالے سے ہے اس زاویہ نگاہ سے معجزہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ خلاف قانون طبیعت عمل ہے اگر مان لیا جائے کہ معجزہ ایک خلاف قانون عمل ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کوئی قانون شکن عمل کیسے اس بات کا سبب بن سکتا ہے کہ لوگ اس کو دیکھ کر پیغمبر پر ایمان لائیں کیونکہ ہمارا تو یہ ایمان ہے پیغمبری ایک جائز اور قانونی عہدہ ہے قانون ہمیں دعوت دیتا ہے پیغمبر پر ایمان لائیں لیکن دوسری طرف پیغمبر کی پہچان یہ ہو کہ وہ

قانون شکن ہے! بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟۔

معجزہ فعلِ انبیاء ہے یا انبیاء مظہرِ فعل ہے؟

ارکانِ ثلاثہ توحید یعنی توحید خالقیت ،توحید ربوبیت اور حاکمیت پر اعتقاد رکھنے کے بعد وہ انبیاءِ کرام اپنی نبوت کی حقانیت کی دلیل میں معجزات پیش کرتے ہیں یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے آیا یہ عمل جو نبی سے ظاہر ہوا ہے واقعًا نبی ہی اس کا فاعل ہے اس صورت میں یہ عقیدہ توحید خالقیت سے متصادم ہوگا یا اس عمل کا فاعل خدا ہے نبی اسکا مظہر ہے اس صورت میں توحید خالقیت پر عقیدہ اپنی جگہ سالم رہے گا اور نبی کی نبوت پر بھی دلیل بنے گا جن آیات میں نبی کی معجزہ نمائی کا ذکر آیا ہے وہاں اس دوسرے مفروضے کی تائید ہوتی ہے۔

اگر کہا جائے کہ فلان فعل (یعنی معجزہ) خدا نے انجام دیا ہے تو جب فعل خدا کا ہے تو یہ امتیاز اور فرق کیسے ہوگا وہ ہستی جسکے ذریعہ سے فعل سرزد ہوا ہے خدا کا نمائندہ ہے۔

''معجزہ'' مادۂ عجز٬ اسم فاعل ہے یعنی دوسرے کو عاجز اور ناتوان کرنے والے قول وفعل کو معجزہ کہتے ہیں جو انبیاءِ الٰہی اپنے دعویٰ نبوت کو ثابت کرنے کیلئے بطور دلیل پیش کرتے ہیں تاکہ مدعٰی صادق اور کاذب میں تمیز ہوسکے یہ اصطلاح علماء کے طرف سے وضع کی گئی ہے ۔قرآنِ کریم میں یہ آیت٬ بینہ (گواہ)٬ مبصرہ (بصارت دینا) وغیرہ استعمال ہوا ہے۔معجزہ جو انبیاء لاتے تھے کبھی ازخود لاتے جیسا کہ عصاءِ موسٰی یدِ بیضاء، معجزات حضرت مسیح۔کبھی لوگوں کی طلب کی بنیاد پر کہ لوگ ایمان لانے کیلئے صادق وکاذب معلوم کرنے کے لئے طلب کرتے تھے۔انبیاءِ کرام کے معجزے دو قسم کے تھے ایک معجزہ عادی ومحسوس ہے اور ایک معجزہ٬ معجزۂ کلام ہے جو خداوند عالم نے صرف خاتم الانبیاءؐ کو بخشا۔

علماءِ اعلام نے انبیاء کے معجزہ لانے کی شرائط میں بتایا ہے:

۱۔ معجزہ خارق العادت ہو اور عقلاً ممکن ہو

۲۔ عناد ودشمنی اور لجاجت کیلئے نہ ہو

۳۔ معجزہ میں دوسروں کو ایسا کرنے کا چیلنج موجود ہو

۴۔ معجزہ طلبِ نامعقول نہ ہو جیسا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسٰی سے کہا کہ ہمیں خدا دکھادو

۵۔معجزہ نبی کے علاوہ کسی اور کیلئے ممکن نہ ہو ورنہ وہ معجزہ نہیں ہوگا جیسا کہ قریش نے خاتم الانبیاء سے طلب کیا:

﴿قالوالن نؤمن لك حتٰی تفجرلنامن الارض ینبوعا۔اوتکون لك جنة من نخیلٍ وعنبٍ الانھٰرخللھاتفجیرًا۔اوتسقط السمآء کمازعمت علینا کسفًااوتاتی باللہ والملٰئکة قبیلاً۔او یکون لك بیت من زخرفٍ اوترقٰی فی السمآء ولن نؤمن لرقیك حتٰی تنزل علینا کتٰبًانقرئوہ﴾ ''انھوں نے کہا ہم تیری بات نہ مانیں گے جب تک کہ تو ہمارے لئے زمین کو پھاڑ کر ایک چشمہ جاری نہ کردے یا تیرے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور تو اس میں نہریں رواں کردے یا تو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرادے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئے یا تیرے لئے سونے کا ایک گھر بن جائے یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور تیرے چڑھنے کا بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک کہ تو ہمارے اوپر ایک ایسی تحریر نہ اتار لائے جسے ہم پڑھیں'' (اسراء/۹۰ سے ۹۳)

''معجزہ''اور قانون علت:

(۱) بعضِ نادان دوست معجزے کو قانون علت ومعلول اور سبب ومسبب کے خلاف چیلنج سمجھتے ہیں۔اس بنا پر ملحدین معجزے کو مسترد کرنے اور اس کو بے بنیاد قرار دینے کے لئے معجزے کی یوں تعریف کرتے ہیں معجزہ علت کے بغیر کسی معلول کا نام ہے۔یہ منطق چاہے نافہم لوگوں کی طرف سے ہو یا ملحدین کی دین دشمنی میں ہو بے اساس وبے بنیاد ہے۔علماء ومحققین ادیان ومذاہب کا اعتقاد ہے معجزہ بغیر علت نہیں ہے اگر معجزہ کا بغیر علت ہونے کی منطق کو اپنائیں گے تو تنہا نبوت انبیاء ثابت نہیں ہوگی بلکہ وجود خدا بھی ثابت نہیں ہوسکے گا۔چونکہ وجود خدا ضرورت بعثت انبیاء اور شناخت انبیاء ہے۔اور یہ بات قانون

علت ومعلول کی رو سے ثابت ہے۔لہٰذا معجزہ قانون علت سے باہر نہیں بلکہ قانون علت کے تحت ہی ہے۔البتہ کسی چیز کے حدوث وجود کے لئے علت کا ہونا ضروری ہے اور اسکی کئی علتیں ہوسکتی ہیں۔بعض علت عادی سے لوگ فی زمانہ واقف ہیں اور بعض طبیعی علل سے فی زمانہ ماہرین بھی واقف نہیں ہیں لیکن شاید آئندہ زمانے میں اختراع وانکشافات کرنے والے اپنی تحقیقات وتجربے کی روشنی میں نئی ایجادات میں کشف کرسکیں۔لیکن معجزے کی علت کوصرف خالق مادہ ہی جانتا ہے۔اس تک عام انسان کی رسائی ناممکن ہے لیکن یہ عقل و قانون علت کے خلاف بھی نہیں ہے۔

کیونکہ اس علت سے خداوند متعال اس فعل کو اپنے نبی کے ہاتھوں اجراء کرتا ہے۔
لہٰذا معجزہ قانون علت کے خلاف نہیں اسی طرح دوسرے کسی انسان کا اس علت سے واقف ہونا بھی ممکن نہیں ہے۔

(۲) آیا معجزہ سنت الٰہی میں تبدیلی کا نام ہے یا عادی سنت الٰہی میں تبدیلی وتغیر کے برابر ہے جوکہ خود قرآن کے مطابق ناممکن ہے:

﴿ولا تجد لسنتنا تحویلاً﴾ ''ہمارے طریقِ کار میں تم کوئی تغیر نہ پاؤ گے'' (اسراء/۷۷)﴿ولن تجد لسنة الله تبدیلاً﴾ ''اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے'' (احزاب/۶۲)﴿فلن تجد لسنت الله تبدیلاً﴾ ''تو تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم کبھی نہ دیکھو گے کہ اللہ کی سنت کو اس کے مقرر راستے سے کوئی طاقت پھیر سکتی ہے'' (فاطر/۴۳)﴿سنة الله التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنت الله تبدیلاً﴾ ''یہ اللہ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ'' (فتح/۲۳)

سنت الٰہی اسباب وعلل اور معروف وعادی کے ساتھ اسباب وعلل غیر عادی بھی سنن الٰہی کے اندر ہیں۔

یہاں سے اس بات کا بھی جواب ہوگا کہ آیا عمل معجزہ فعل محال ہے یا فعل ممکن چونکہ

محال اور بغیر علت ایک ہی ہیں لیکن معجزہ ایک ممکن عمل ہے نا کہ فعل محال۔

ا۔ عصا کا اژدھا بن جانا کہ جس نے ساحروں کے رسی اور لاٹھیوں کو (جو سانپ کی شکل میں رینگ رہے تھے) کھایا۔موسٰی کی عصا پھینکنے کی صورت میں وہ حقیقی اژدھا بن جاتا تھا:

﴿فالقھا فاذا ھی حیة تسعیٰ﴾ ''اب جو موسیٰ نے ڈال دیا تو کیا دیکھا کہ وہ سانپ بن کر دوڑ رہا ہے'' (طٰہٰ/۲۰)

''معجزہ'' خرق عادت قانون طبیعت کے خلاف عمل

معجزہ کی اصل حقیقت کو سمجھنے میں جو چیزیں مانع ہیں اور جن کی وجہ سے اذہان الجھن کا شکار ہوتے ہیں، وہ دوسرے معجزہ نما، خرق عادت افعال ہیں۔اگر ذہنوں میں ان کی حقیقت بھی واضح ہو جائے تو پھر معجزہ کی حقیقت کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔لہٰذا آیئے پہلے ہم ان معجزہ نما خرق عادت افعال کا مختصر جائزہ لے لیں تا کہ ذہنوں کی الجھین دور ہو سکے۔

اس عنوان پر گفتگو شروع کرنے سے پہلے بہتر ہوگا کہ ہم ان تینوں الفاظ یعنی ''خرق'' ''عادت'' اور ''طبیعت'' کے معنوں کو واضح کریں۔لفظ ''خرق'' کی جمع خروق ہے، جس طرح فلس کی جمع فلوس ہے۔خرق دیوار میں سوراخ کرنے یا کسی مسافت کو قطع کرنے کو کہتے ہیں۔''عادت'' مادہ ''عوذ'' سے لیا گیا ہے۔''عوذ'' کے معنی ہیں واپس آنا، پلٹ آنا۔اسی لئے ہر وہ چیز جسکی بار بار تکرار ہوتی ہے اس کو عادت کہتے ہیں۔''طبیعت کا تعلق مادہ سے اور جسم وجسمانیت سے ہے۔طبیعیات اس علم کا نام ہے جس میں اجسام کے تغیر اور ان کی خاصیت سے بحث کی جاتی ہے۔تمام طبیعی افعال کسی خاص قانون کے تحت انجام پاتے ہیں۔
اسکے برخلاف مدعی نبوت جو فعل انجام دیتا ہے اور جسے معجزہ کہا جاتا ہے، وہ عمومی طریقہ کے تحت نہیں ہوتا بلکہ اس سے ماورا ہوتا ہے۔جس طریقہ سے یہ ہستیاں خلاف طبیعت افعال انجام دیتی ہیں، عام انسان اس سے قاصر نظر آتا ہے۔اسی لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے خرق عادت اور خلاف طبیعت فعل انجام دیا ہے۔

قانونِ طبیعت ''قدر''

طبیعت ایک دوسرے میں خود بخود تبدیل نہیں ہوتی۔ طبیعت میں تغیر کیلئے سبب ضروری ہے۔ بغیر کسی سبب کے تغیر کا خود بخود ہونا ناممکن ہے۔ اگر طبیعت میں تبدیلی رائج اسباب وعلل کے تحت آئے تو اسے عادی وطبیعی تبدیلی کہیں گے اور اگر یہ رائج اور معروف اسباب وعلل سے ماورا ہو تو اس تبدیلی کو خرق عادت یا قانون طبیعت کے خلاف کہیں گے۔ معاشرہ میں متعدد خرق عادت یا خلاف طبیعت افعال انجام پاتے رہتے ہیں مگر ہر خرق عادت یا خلاف طبیعت انجام پانے والا عمل معجزہ نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم پہلے قانون طبیعت میں تغیر کے اقسام وانواع اور اسباب وعلل کو بیان کریں۔ لیکن اس سے بھی پہلے یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ خرق عادت یا خلاف طبیعت فعل بغیر کسی سبب وعلت کے وجود میں نہیں آسکتا، کیونکہ ایسا ہونا عقلا محال ہے اور جو چیز عقلاً محال ہو وہ انبیاء نہیں کر سکتے۔ لہٰذا پہلی بات تو یہ ہے کہ طبیعت میں تغیر وتبدل کے پیچھے کوئی سبب کارفرما ہوتا ہے اور ایسا کسی قانون کے تحت ہوتا ہے۔ وہ قانون جو طبیعت کے وجود میں آنے یا فنا ہونے یا اس میں تبدیلی لانے کے لئے خالق طبیعت نے بنایا ہے، اسے قرآن کریم میں لفظ ''قدر'' سے تعبیر کیا گیا ہے:

﴿قد جعل الله بكل شی قدرا﴾ ''اس نے ہر شئے کیلئے ایک مقدار معین کر دی ہے'' (طلاق/۳) ﴿نحن قدرنا بينكم الموت وما نحن بمسبوقين﴾ ''ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں'' (واقعہ/۶۰) ﴿ان كل شی خلقنه بقدر﴾ ''بے شک ہم نے ہر شے کو ایک اندازہ کے مطابق پیدا کیا ہے'' (قمر/۴۹) ﴿والله يقدر اليل والنهار﴾ ''اللہ دن و رات کا صحیح اندازہ رکھتا ہے'' (مزمل/۲۰) ﴿وكان امر الله قدرا مقدورا﴾ ''اللہ کا حکم صحیح اندازے کے مطابق مقرر کیا ہوا ہوتا ہے'' (احزاب/ ۳۸) ﴿وما ننزله الا بقدر معلوم﴾ ''اور ہم ہر شے کو ایک معین مقدار میں ہی نازل کرتے ہیں'' (حجر/۲۱) ﴿ولذی قدر فهدی﴾ ''جس نے تقدیر معین کی اور ہدایت دی'' (اعلیٰ/۳)

ان آیات کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ خداوند عالم نے ہر چیز کو سبب، علت اور تقدیر کے تحت خلق کیا ہے۔ پس طبیعت پر قانون حاکم ہے۔ اس طبیعت میں معروف ورائج اسباب وعلل سے ہٹ کر ہونے والے تغیر وتبدل کے اقسام وانواع ہیں اور معجزہ ان میں سے ایک ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ ان میں سے کس شق میں آتا ہے؟۔

''سحر''

بے بنیاد دعویٰ کرنے والے افراد عوامی ذہنیت کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے دعویٰ کرتے ہیں تاکہ عوام ان سے کسی دلیل کا مطالبہ نہ کریں۔ اس مقصد کیلئے کبھی یہ معجزہ کا دعوی کرتے ہیں، کبھی سحر وجادو کا اور کبھی جدید اکتشافات کا۔ قدیم زمانے سے دور حاضر تک نام نہاد دعویٰ اکتشاف کرنے والے خود کو ایک ناقابل تسخیر قوت سے متعارف کرواتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لہٰذا صاحبان علم ودانش اور تلاش حقیقت رکھنے والے افراد کو چاہیے کہ وہ سحر وجادو کے ان مفاھیم کا اصطلاح جدید میں آپریشن کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ قارئین کی خدمت میں سحر وجادو کے بارے میں کچھ معلومات پیش کریں۔

''سحر'' وہ عمل ہے جس میں بظاہر تو طبیعت میں تغیر وتبدل نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہوتی اور طبیعت اپنی سابقہ حالت پر بدستور باقی رہتی ہے۔ اس تبدیلی کا قانون طبیعی سے کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ اس عمل کو ''سحر'' ''شعبدہ'' یا ''کہانت'' کہتے ہیں۔

سحر یا جادو، خرق عادت بھی دکھائی دیتے ہیں اور خلاف طبیعیات بھی نظر آتے ہیں۔ ساحر ہمیشہ سے خلائق کو ورغلانے، دھوکہ دینے، حتی انبیاء کی نبوت کو چیلنج کرنے اور ان سے مزاحمت کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اس کی سب سے واضح مثال فرعون کے ساحر ہیں جنہوں نے نبی برحق حضرت موسیٰؑ کا مقابلہ کیا۔ یہ سلسلہ اب بھی دنیا کے گوشہ وکنار میں جاری ہے۔

چونکہ معجزہ کے بالمقابل عام طور پر سحر وساحری کو پیش کیا جاتا ہے اس لئے ہم یہاں

سحراور معجزہ کے فرق کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے تا کہ معجزہ کے نام سے سحر کے جال میں پھنسانے کی جو کوششیں ہوتی رہتی ہیں ان سے قارئین کرام کو آگاہ رکھا جا سکے۔

''سحر''لغت اور قرآن میں

ارباب لغت ومعاجم وماہرین لغت عرب نے اپنی کتب میں اس مادے س، ح، ر کو تین حرکتوں میں پیش کیا ہے۔تینوں میں اسکے مختلف معنی ہیں۔ایک سحر یعنی پھیپھڑا جو انسان کے حلقوم سے متصل ہے لہٰذا بزدل شخص کو کہا جاتا ہے کہ اس کے پھیپھڑوں میں ہوا بھر گئی ہے۔اسی طرح سَحر یعنی س اور ح پر زبر کے ساتھ رات اور فجر صادق کے درمیانی وقت کو سحر کہتے ہیں۔جیسا کہ:

﴿وبالاسحار هم يستغفرون﴾ ''اور سحر کے وقت اللہ کی بارگاہ میں استغفار کیا کرتے تھے''(ذاریات/۱۸) میں آیا ہے۔

سُحر یعنی کھانے والی چیز اور اسی طرح سحر باطل کو حق کی صورت میں پیش کرنے دھوکہ دینے کے معنوں میں ہے اور ہمارا اس وقت موضوعِ سخن یہی تیسری شکل ہے۔ جسے راغب اصفہانی نے خیرہ، خیال،شعبدہ کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ سحر درحقیقت آنکھوں کے سامنے کسی چیز کا تصور پیش کرنا ہے۔گویا تصور کیا جائے کہ باہر ایسے ہے جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔یعنی کسی چیز کو خلاف حقیقت تصور میں لانے کے عمل کو سحر کہتے ہیں۔معجزہ اور سحر میں فرق ہے سحر رسی کو سانپ دکھاتا ہے نہ کہ سانپ میں تبدیل کرتا ہے۔جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ سلام کے واقعہ میں عصاء سانپ میں تبدیل ہوا اور رسی سانپ میں تبدیل نہیں ہوئی۔قرآن کریم میں سحر انھی معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ:﴿فلما القوا سحروا اعين الناس واسترهبوهم وجاء و بسحر عظيم﴾ ''ان لوگوں نے رسیاں پھینکیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انھیں خوفزدہ کر دیا اور بہت بڑے جادو کا مظاہرہ کیا''(اعراف/۱۱٦) اور اسی طرح﴿فاذا حبالهم و عصيهم يخيل اليه من سحرهم انها تسعى﴾ ''ان کی رسیاں اور لکڑیاں جادو کی بنا پر ایسی لگنے لگیں جیسے سب دوڑ

رہی ہوں''(طہٰ/٦٦)

راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ سحر کے تین معنی ہیں قاموس لغت میں بھی یہی لکھا ہے ذیل میں مختصراً ہم انکا ذکر کریں گے:

۱۔ حیلہ،خیال،حقیقت سے عاری،اپنے ہاتھ کی تری کے ذریعہ سے کسی کی آنکھ جس جسم کو دیکھ رہی ہو،اسے وہاں سے دیکھنے سے روکنا۔

۲۔ کہانت،آنکھ پر پردہ ڈالنا یا آنکھ میں کوئی غیر حقیقی شے دکھانا۔

گویا ساحر مسحور کی نظر پر تصرف کرتا ہے جس کے سبب آنکھ کو کوئی شئے یا عمل متغیر نظر آتا ہے جبکہ حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہوتی۔سورہ مبارکہ اعراف کی درج ذیل آیت اس بات کی دلیل ہے آیت میں بیان ہے کہ انہوں نے لوگوں کی آنکھ میں خفیہ کام کیا ملاحظہ ہو:

﴿قال القوا فلما القوا سحروا اعين الناس﴾ ''(موسیٰ) سے فرمایا کہ تم ہی ڈالو، پس جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا (نظر بندی کر دی)''(اعراف/۱۱٦)

اسی طرح سورہ مبارکہ طہٰ کی آیت ہے کہ انہوں نے سحر کے ذریعے رسی کو چلتا ہوا سانپ دکھایا، جبکہ رسی اپنی جگہ رسی ہے:

﴿قال بل القوا فاذا حبالهم و عصيهم يخيل اليه من سحرهم انها تسعى﴾ ''(موسیٰ) نے جواب دیا کہ نہیں تم ہی پہلے ڈالو (جب انہوں نے چیزیں ڈالیں) تو موسیٰ کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں انکے جادو کے زور سے دوڑ بھاگ رہی ہیں''(طہٰ/٦٦)

ایک طرف سحر آنکھوں میں تصرف کرتا ہے اور دوسری طرف ذہن میں طرح طرح کے خیالات پیدا کرتا ہے۔ چونکہ سحر دکھاوا ہے، تصور ہے، خیال ہے، اس لئے ساحر اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اسکے برعکس معجزہ حقیقت پر مبنی ہوتا ہے یعنی طبیعت اپنی

سابقہ حالت کو چھوڑ کر ایک نئی طبیعت میں داخل ہو جاتی ہے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کا عصا جب اژدھا بن گیا تو پھر وہ عصا نہیں رہا بلکہ وہ تمام آثار جو ایک اصلی اژدھا میں ہوتے ہیں اس میں بھی پیدا ہو گئے۔ لہٰذا وہ تمام رسیاں جو جادوگروں نے ڈالی تھیں اس نے ہڑپ کر لیں۔ بس معجزہ اور سحر میں یہی فرق ہے۔ خدا کے برگزیدہ بندوں پر سحر کا اثر نہیں ہوتا:

﴿وقال الظلمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا﴾ ''اور ان ظالموں نے کہا کہ تم ایسے آدمی کے پیچھے ہو لئے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے'' (فرقان/ ۸)

﴿اذ يقول الظلمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا﴾ ''جبکہ یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم اس کی تابعداری میں لگے ہوئے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے'' (اسراء/ ۴۷)

ان آیات میں خداوند متعال فرماتا ہے کہ ظالمین کہتے تھے کہ پیغمبرؐ پر سحر ہوا ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے مخالفین پیغمبرؐ کہتے تھے کہ پیغمبر سحر زدہ ہیں چنانچہ روایت کی بعض کتابوں میں مثلاً ''مجمع البیان'' میں حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ''عید ابن عاصم یہودی'' نے رسول اللہ پر سحر کیا جسکی وجہ سے آپ مریض ہو گئے۔ آپ کچھ کرنا چاہتے تھے لیکن نہیں کر پاتے تھے۔ اس خداوند عالم نے جبرئیل کے ذریعے دو سورتیں (معوذتین) نازل فرمائیں جنکو پڑھنے کے بعد آپ کو شفا ملی۔ بعض افراد کے بقول پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو ان لوگوں سے لڑنے بھیجا جنہوں نے آپؐ پر سحر کیا تھا یہ تمام روایتیں جعلی اور من گھڑت ہیں اگر ان روایتوں کو مان لیا جائے تو نعوذ باللہ پیغمبر اکرمؐ کی عقل میں فطور کا شبہ ہوگا' چاہے ایسا چند لمحوں کے لئے ہی ہو۔

اس طرح مشرکین نے بھی پیغمبرؐ کی بات کو غیر موثر کرنے کیلئے آنحضرت کو مسحور قرار دینے کی کوشش کی۔ خداوند عالم نے شدت سے' کثیر آیات میں پیغمبرؐ پر سحر کے صادر ہونے یا ان کا سحر سے متاثر ہونے کی نفی کی ہے۔

۳۔ سحر کے تیسرے معنی صبح سے نزدیک ترین وقت کے ہیں۔ چونکہ یہ وقت انتہائی مخفی و باریک ہوتا ہے اور اس وقت رات اور صبح میں تمیز کرنا مشکل ہوتا ہے اسلئے سحر کہلاتا ہے:

﴿انا ارسلنا عليهم حاصبا الا ال لوط نجينهم بسحر﴾ ''بیشک ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی سوائے لوطؑ کے گھر والوں کے، انہیں ہم نے سحر کے وقت نجات دے دی'' (قمر/۳۴)

سحر کے تین معنی تو وہ ہیں جو راغب اصفہانی اور صاحب قاموس قرآن نے ذکر کئے ہیں۔ اسکے علاوہ بعض دیگر ماہرین نے پھیپھڑوں کو بھی سحر کے معنی میں بیان کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ہر وہ چیز جو حق کو چھپائے یا باطل کو حق کی صورت میں دکھائے' سحر کہلاتی ہے۔ اسی لئے دھوکہ دینے اور چھپا کر پیش کرنے کو سحر کہتے ہیں۔

ہمارے ملک میں اکثر خواتین کا موضوع سخن اور گفتگو سحر کا پھیلاؤ ہوتا ہے۔ ہم آئے دن خواتین کی زبانی سنتے ہیں کہ فلاں پر جادو کا اثر ہو گیا ہے یا فلاں پر کسی نے کالا جادو کر دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں لوگوں کو خوفزدہ' پریشان اور سرگردان رکھتی ہیں۔ اس طرح لوگوں کے نفوس کمزور ہو جاتے ہیں اور ذہن انسانی ہر الٹی سیدھی بات قبول کرنے کیلئے آمادہ رہتا ہے۔

سحر ایک مخفی و پوشیدہ عمل ہے جسکی چند شکلیں ہیں:

۱۔ کسی باطل عمل کے ذریعے چشم بندی کر کے کسی شئے کو ایک خاص شکل میں دکھانا سحر ہے۔

۲۔ لوگوں کے ذہنوں میں ایک خاص تصور اجاگر کرنے کے بعد پھر اسکی ترویج کر کے اسے پختہ کرنے کی کوشش کرنا بھی ایک قسم کا سحر ہے۔ اسے القاء ذہن کہا جاتا ہے۔

۳۔ سحر کا ایک طریقہ کیمیائی ذریعوں سے آنکھوں کو خلاف حقیقت چیز دکھلانا ہے۔

۴۔ سحر کی ایک اور مروجہ شکل ذرائع ابلاغ کے وسائل کو بروئے کار لا کر لوگوں کو مسحور کیا جانا ہے۔

چونکہ عام لوگ سادہ لوح ہوتے ہیں، اس لئے خلق خدا کو گمراہ کرنے میں کچھ زیادہ دشواری پیش نہیں آتی۔ چونکہ اس دھوکہ اور ضرر رسانی کا مقصد لوگوں کو حقیقت سے دور رکھنا

ہوتا ہے، اس لئے شریعت نے اس عمل سے منع کیا ہے اور اسکے سیکھنے کو حرام قرار دیا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص نیک نیتی کے ساتھ اس گمراہ کن پروپیگنڈے کو رد کرنے کیلئے سیکھنا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔

سحر ایک حقیقت یا وہم وخیال:

سحر ایک حقیقت یا وہم وخیال ہونے اور دوسروں پر اثر انداز ہونے میں علماء کے درمیان ایک اہم موضوع بحث ہے اس پر ہر ایک نے نفی اور اثبات میں اپنے اپنے دلائل پیش کئے ہیں لیکن دونوں صورتوں (یعنی سحر کے حقیقت یا وہم وخیال ہونے) میں اس پر عمل کرنا حرام اور کفر کے قریب ہونے پر تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے۔

سحر کی حرمت کے بارے میں دلائل پیش ہیں:

(۱) سحر کے ذریعے لوگوں کو نقصان پہچانا۔

(۲) عمل سحر ایک مستقل عمل ہے جس میں ارادۂ الٰہی کا کوئی دخل نہیں ہے اور ساتھ ہی نفع ونقصان میں جہاں تک عمل سحر میں کردار کا تعلق ہے تو اس کیلئے سورۂ بقرہ کی وہ آیت ہے جس میں عمل سحر کو کفر کے نزدیک قرار دیا گیا ہے:

﴿واتبعوا ماتتلوا الشیطین علیٰ ملك سلیمٰن ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر وماانزل علی الملکین ببابل ھاروت وماروت ومایعلمٰن من احدٍ حتٰے یقولا انما نحن فتنة فلاتکفر﴾ ''اور لگے ان چیزوں کی پیروی کرنے جو شیاطین، سلیمان کی سلطنت کا نام لیکر پیش کیا کرتے تھے حالانکہ سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا، کفر کے مرتکب تو وہ شیاطین تھے جو لوگوں کو جادوگری کی تعلیم دیتے تھے وہ پیچھے پڑے اس چیز کے جو بابل میں دو فرشتوں' ہاروت وماروت پر نازل کی گئی تھی، حالانکہ وہ (فرشتے) جب بھی کسی کو اس کی تعلیم دیتے تھے، تو پہلے صاف طور پر متنبہ کر دیا کرتے تھے کہ دیکھ' ہم محض ایک آزمائش ہیں' تو کفر میں مبتلا نہ ہو'' (بقرہ/۱۰۲)

(۳) سحر بھی ایک علم ہے اس سلسلے میں آیت اللہ طباطبائی قدسرہ اپنی تفسیر

المیزان کی جلد اوّل صفحہ نمبر ۲۴۴ میں لکھتے ہیں وہ علوم جن کی تاثیر عجیب ہے اور ان میں بعض متداول اور رائج ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) اسیمیاء: اسیمیاء وہ قوت ہے جو قوت ارادی کو ایک اور قوت مادی میں ترکیب کر کے کسی کے خیال میں اثر انداز کرتی ہے۔ سحر عیون یعنی چشم بندی یہ سب سے زیادہ رائج ومستعدول سحر ہے۔

(۲) الیمیاء: الیمیاء وہ علم ہے جس سے انسان اپنے ارادے کو ارواح قوی سے متصل کرتے ہیں جیسے کواکب وستارے اور دیگر موجودات جنکو تسخیر کرتے ہیں۔

(۳) ہیمیاء: یہ وہ علم ہے جس سے عالم علوی کو عالم سفلی سے جوڑتے ہیں اور اس سے جو اثرات برآمد ہوتے ہیں انہیں طلسمات کہتے ہیں۔

(۴) ارہمیاء: یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے مادی طاقتوں کو تسخیر کر کے یہ دکھایا جاتا ہے کہ یہ عام عادی حالات سے خارج ہیں اسے شعبدہ کہتے ہیں۔

(۵) کیمیا: یہ وہ علم ہے جس میں دو عناصر کا مرکب بنایا جاتا ہے۔

ان تمام علوم سحر کے قائل علماء کے مقابلے میں ایک فریق نے بعض آیات قرآن سے استدلال کیا ہے کہ سحر ایک وہمی وتصوراتی ہے اس میں کوئی ایسی حقیقت نہیں جس میں واقعی حقیقی اثرات ہوں جن آیات کریمہ سے اس نے استدلال کیا ہے وہ یہ ہیں:

﴿قال بل القوا فاذا حبالھم وعصیھم یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعٰی﴾ ''جادوگر بولے، موسیٰ تم پھینکتے ہو یا پہلے ہم پھینکیں؟ موسیٰ نے کہا، نہیں تم ہی پھینکو یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کی زور سے موسیٰ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور موسیٰ اپنے دل میں ڈر گئے'' (طٰہٰ/۶۶)

﴿قال القوا فلما القوا سحروا اعین الناس واسترھبوھم وجآء وبسحر عظیمٍ﴾ ''پھر انھوں نے موسیٰ سے کہا تم پھینکتے ہو یا ہم پھینکیں؟ موسیٰ نے جواب دیا تم ہی پھینکو انھوں نے جو اپنے انچھر پھینکے تو نگاہوں کو مسحور اور دلوں کو خوف زدہ کر دیا اور بڑا

ہی زبردست جادو بنالائے‘‘ (اعراف/۱۱۶)

دوسری آیت میں سحر کی تین خصوصیات بتائی ہیں (۱) لوگوں کی آنکھوں کو تسخیر کرنا ۔(۲) ڈرانا (۳) کسی چیز کو بڑھا کر پیش کرنا۔

’’سحر‘‘ اور ’’جادو‘‘

سحر و جادو کی اقسام:

۱۔ چشم بندی: کسی کی بینائی کو کیمیائی وسائل یا سرعت کے ذریعے حقائق کو الٹا کر کے پیش کرنا۔

۲۔ سماعت بندی: ایک خبر کو اسطرح اچھالنا کہ لوگوں کی توجہ انکی طرف مبذول ہو جائے اور وہ حق بات سننے کیلئے تیار ہی نہ ہوں۔

۳۔ ثانوی مسائل میں الجھانا: ایسے فروعی اور ثانوی مسائل میں الجھانا تاکہ لوگ بنیادی مسائل سے دور ہوں۔

۴۔ عمل بندی: کوئی ایسا اعلان کرنا تاکہ ان کے خلاف کوئی عملی اقدام نہ کرے۔ مثلا جب حکومت کوئی فیصلہ کرنا چاہتی ہے تو ایسے متنازعہ مسائل کو اٹھاتی ہے کہ لوگ اسکی مخالفت میں سرگرم ہوجاتے ہیں اور وہ اپنا اصل کام آسانی سے کرلیتی ہے۔

سحر کے موثر ہونے کا اعتقاد رکھنے والوں کا کہنا ہے۔ انسان کس چیز کا نام ہے اگر انسان اس ڈھانچہ کو کہتے ہیں جو عناصر اربعہ سے مرکب ہے تو اس عناصر میں سے ایک عنصر اثر رکھ سکتا ہے۔ اگر انسان اس نفس کو کہتے ہیں تو بعض نفس عجیب نوعیت کے حامل ہوتے ہیں مثلا ایک انسان درخت کی گری ہوئی شاخ پر تو چل سکتا ہے لیکن ایک کھائی پر بنے ہوئے پل پر نہیں چل سکتا کیونکہ وہ اپنے نفس میں یہ خوف محسوس کرتا ہے کہ کہیں وہ گر نہ جائے۔ لہٰذا اگر اسکی یہ کیفیت قوی ہوجائے تو وہ واقعی پل سے نیچے گر پڑے گا۔ اسی طرح ڈاکٹر حضرات نکسیر کے مریضوں کو سرخ چیزیں دیکھنے سے منع کرتے ہیں یا مرگی کے مریض کو تیز اور چمکدار چیزیں دیکھنے سے منع کرتے ہیں۔ دوسری مثال: سب کہتے ہیں دعا میں اثر ہے۔ لیکن یہ اثر

صرف لقلقہ لسانی میں نہیں ہوتا بلکہ اس دعا میں ہوتا ہے جو دل اور ارادے سے نکلے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے ارادے میں اثر موجود ہے۔ تیسری مثال جو بعض احادیث اور قصے کہانیوں میں بیان ہوتی ہے کہ چشم بد میں اثر ہے۔ یعنی وسائل و آلات کے بغیر کسی انسان پر اثر کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جو روح عالم علوی کی طرف کشش رکھتی ہے وہ اس روح پر جو جسم لذات سے اوپر نہیں جاتی اس پر اثر رکھتی ہے۔

تسخیر ارواح کا اثر

اس سحر میں ارواح جن سے مدد لینے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ فلاسفہ متاخرین کا کہنا ہے اس سحر کے جاننے والے ناقص نفوس جن سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔

سحر تخلیات اور چشم بندی

یہ سحر بعض مقدمات پر متوقف ہے۔ انکا کہنا ہے انسان کی آنکھ دھوکے کا شکار ہوتی ہے مثلاً ایک شخص کشتی پر سوار ہے اور دوسرا کنارے سے اسے دیکھتا ہے تو اسے نظر آتا ہے کشتی رکی ہے اور پانی چل رہا ہے۔ اسی طرح بارش قطرات کی صورت میں آتی ہے لیکن دیکھنے میں یہ پھوار کی صورت میں نظر آتی ہے۔ چھوٹے قد کا انسان نزدیک سے بڑا دکھائی دیتا ہے جبکہ دراز قد انسان دور سے چھوٹا دکھائی دیتا ہے۔ یعنی آنکھ دھوکے کا شکار ہوسکتی ہے مثلا چکی اپنے گرد مختلف رنگوں میں گردش کرتی ہے لیکن آنکھ کو ایک جیسا نظر آتا ہے۔ اسی طرح انسان اگر کسی کے ساتھ بات کرنے میں محو ہو تو اسے دوسروں کے بارے میں خبر نہیں رہتی جیسے اگر کوئی بادشاہ سے بات کرنے میں محو ہو تو اسے کسی دوسرے کی فکر نہیں ہوگی۔ اسی طرح آپ کی آنکھ میں اگر کوئی چیز چلی گئی ہے اور آپ شیشے میں دیکھ رہے ہیں تو آپ صرف آنکھ ہی کو دیکھیں گے جبکہ دوسرے خد و خال کی طرف متوجہ نہیں ہوتے یا شیشے کو صاف کرتے ہیں تو اپنی شکل کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ ان مثالوں سے سحر چشم بند اپنے کردار کو ثابت کرتے ہیں۔

ساحر اشیاء کو حقیقی صورت میں دیکھتا ہے:

جب حضرت موسیٰؑ نے اعصا پھینکا تو وہ اژدھا بن گیا جادوگروں نے اس کو حقیقت میں عصانہیں بلکہ سانپ ہی دیکھا۔ یہاں سے جادوگروں کو یقین ہوا کہ جو طاقت و قدرت یا معجزہ موسیٰؑ کے پاس ہے وہ اس کا مقابلہ کرنے سے قاصر و عاجز ہیں ۔فرعون خود ساختہ بلندیوں سے گر کر تحت الثریٰ پر آیا۔وہ اپنے دل ہی دل میں احساس کمتری وحقارت میں مبتلا ہوا۔اس کے ذھن سے یہ محو ہو گیا کہ میں ربِ اعلیٰ ہوں میرے علاوہ کوئی الہٰ نہیں اسکے بالمقابل وہ قوم کے دامن سے تمسک کرنے لگا اوران سے معاونت چاہی اور چاپلوسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انکو اپنی الوہیت کا شریک کار بنا کران سے مشورہ طلب کیا۔اور کہا ہم سب مل کران کا مقابلہ کریں کہا اے میری قوم یہ تنہا میرے لئے خطرہ نہیں سب کے لئے خطرہ ہیں ۔ یہ دو ساحر ہمیں اپنی سلطنت وحکومت سے نکال باہر پھینکنا چاہتے ہیں ۔کہو تمہارا فیصلہ کیا ہے سب نے کہاان دونوں کو اپنی تحویل میں کرلو یا داخل زندان کرواور پورے شہر کے ساحر بلالوو تا کہ ان کے سحر کا توڑ کریں ۔فرعون اور آل فرعون کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ اس وسیلہ سے تمسک کرتے ہوئے موسیٰؑ اور ہارونؑ کی اس دعوت کو جو انکی الوہیت اور حکمرانی کیلئے خطرہ ہے تمام ساحرین کو جمع کر کے اس لاحق خطرے کو ختم کریں ۔لیکن انکے دلوں میں وسوسہ و فتورات تھے ان پر خوف طاری تھا۔ کہ کہیں حکومت زوال پذیر نہ ہو جائے غصے اور خوف کی حالت میں حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ تم ہمیں اپنے ملک فلئے آئے ہو۔فرعون آپ سے خوف کھانے لگا۔اس نے کہا آیئے ایک دن معین کرتے ہیں مقابلہ کیلئے اسکی نہ تم مخالفت کرو گے نہ ہم ۔حضرت موسیٰؑ نے چاہا یہ ایسا دن ہو جس دن زیادہ اجتماع ہو اور فرعون کے جھوٹے دعویٰ الوہیت سے پردہ ہٹے اور زیادہ لوگ نظارہ کریں اور آیات الٰہی ارادۂ خدا کی مظہر آیت حق کو بھی سب دیکھیں فرمایا اس کے لئے عید کا دن منتخب کرلیں تا کہ سب دیکھیں اس دن سب خوشی کا موقع سمجھ کر اکٹھے ہوتے ہیں ۔فرعون نے تمام ساحروں کو اس دن وقت اور جگہ کیلئے پابند اور مدعو کیا تا کہ اسکی سلطنت کو بچائیں اور موسیٰؑ اور دعویٰ موسیٰؑ کا خاتمہ کریں سب جمع ہوئے تو موسیٰ نے ندائے الٰہی کو ساحرین کے کانوں تک پہنچایا اور صدائے حق بلند کی تا کہ وہ گمرائی اور غفلت کی

نیند سے بیدار ہو جائیں اور انکے دلوں پر لگے پردے ہٹ جائیں اور دعوت حق وحقانیت پر لبیک کہیں اور راہ حق نمایاں ہو جائے ۔تمام ساحرین کا لشکر جو کہ ہزاروں میں تھا اپنے اپنے اوزار لے کر آئے ۔اپنی عملی اور فنی تکبر میں مستغرق تھے انھوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب آ گئے تو ہمارے لئے کیا انعام واکرام ہوگا۔فرعون نے مالی انعام واکرام کے ساتھ قرب کا وعدہ بھی دیا۔ساحرین نے آرزو مال وتقربِ فرعون میں اپنے سحر کے دف بجائے اور موسیٰؑ سے کہا کہ آپ اپنا عمل پہلے کریں گے یا ہم حضرت موسیٰؑ نے بے پرواہو کران سے کہا پہلے تم اپنے کردار دکھاؤ اور جب تم فارغ ہو جاؤ گے پھر خدا کی حقانیت کا ظہور ہوگا۔

چنانچہ جب فرعون کے ساحرین نے جن رسیوں اور عصاوں کو پھینکا تھا لوگوں کو تو وہ بڑے بڑے سانپ معلوم ہو رہے تھے جبکہ ساحروں کو تو وہ رسیاں اور عصا ہی نظر آ رہے تھے کیونکہ ساحر حقیقت کو دیکھتے ہیں اور وہ سحر کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں لہٰذا جب حضرت موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا تو ساحروں نے دیکھا کہ وہ تو واقعی اور حقیقی طور پر سانپ بن گیا ہے اوران کی رسیوں کو کھائے جا رہا ہے۔وہ جان گئے کہ اگر موسیٰؑ بھی ساحر ہوتے اوران کا یہ عمل سحر ہوتا توان کا عصا حقیقی سانپ بن کران کی رسیوں کو کھا نہ جاتا لہٰذا وہ فوراً پکار اٹھے کہ یہ فعل موسیٰؑ نہیں بلکہ یہ فعلِ ربِّ موسیٰ ہے اور حضرت موسیٰؑ ایسا فعل انجام نہیں دے سکتے لہٰذا ان ساحروں نے یہ درک کرلیا کہ یہ معجزہ ہے سحر نہیں لہٰذا وہ موسیٰ کی رسالت پر ایمان لے آئے اور کہا کہ ہم ربِ موسیٰ و ہارون پر ایمان لاتے ہیں یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ خداوند متعال نے جب بھی کسی پیغمبر کو معجزہ دیا وہ اس دور میں رائج وفروغ یافتہ اور ترقی یافتہ فکر کے مطابق ہوتا ہے کیونکہ اگر معجزہ اپنے دور میں فروغ پانے والے فن کے خلاف ہوتا تو وہ لوگ اسے تسلیم نہ کرتے اور وہ اپنے فن پر نازاں رہتے اور دوسری طرف وہ اپنے فن پر خوش ومسرور ہو جاتے اوراس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا اور وہ لوگ کہتے کہ اگر تو مرد ہے تو جس فعل کو ہم کر رہے ہیں اسی کو کر کے دکھا اوراس میں فن مہارت دکھا کیونکہ جس طرح کوئی سیاست دان کسی ریاضی دان کو سیاست میں مقابلے کا چیلنج نہیں کرسکتا اسی طرح انبیاء کے معجزے بھی

ان کے دور کی ترقی یافتہ فکر وفن کے خلاف نہیں ہوتے تھے۔

جابر وظالم حکمران اور سحر ساحران:

سحر وہ ہے جس سے اشیاء اپنی ماہیت وحقیقت باقی رکھتیں ہیں لیکن نظروں میں کوئی اور چیز دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ جب ساحرین فرعون نے اپنی عصا اور رسیاں پھینکیں تو عصا اور رسیاں اپنی حقیقت پر باقی رہیں لیکن عوام الناس کو وہ سانپ نظر آئے اور لوگوں کو سانپ نظر آنا تغیر اشیاء نہیں بلکہ تغیر آنکھوں میں آیا۔ ساحر لوگوں کی نظروں میں تغیر لاتا ہے جبکہ معجزہ حقیقت و ماہیت اشیاء کو تبدیل کرتا ہے۔ شیاطین جن کو یہ قدرت حاصل کہ یہ اپنی شکل بدل سکتے ہیں۔ انسان انھیں انکی اصلی صورت میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے شیطان جن خود کو گدھے، بلی یا کتے کی شکل میں دکھاتے ہیں لہٰذا اگر انسان اس پر گولی چلائے تو یہ اسے ھلاک کردے گی۔ شیاطین جن جب کسی دوسری شکل میں آتے ہیں تو یہ اس پر زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتے کیونکہ انھیں ڈر ہوتا ہے کہ انھیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔ خداوند متعال نے اس طریقے سے کائنات کو محفوظ کیا ہے۔

کسی بھی ملک میں حکمران فرعون صفت اس وقت بنتے ہیں جب وہ کسی طاقت وقدرت یا دھوکہ دہی کے ذریعے برسر اقتدار آتے ہیں۔ یہ حکمران اپنے اقتدار کے دوام کی خاطر اپنی رعیت کو حالات و واقعات سے غفلت کے اندھیروں میں رکھنے کے لیے ایسے پروگرام مرتب کرتے ہیں جن کے حقائق سے غیر محسوس طور پر عوام اجنبی ہو کر صرف اپنے ذاتی مفادات سے وابستہ ہو جاتے ہیں رفتہ رفتہ وہ دین' اجتماع اور ملک کے مسائل سے بلکل غافل ہو جاتے ہیں جب حکمرانوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ عوام صحیح اور غلط کی تمیز کھو چکے ہیں تو وہ وقتاً فوقتاً ان کی آزمائش کرتے ہیں اور بڑے کارنامے انجام دیتے وقت ایسے غافل اور سرگرداں رکھنے والے مسائل میں الجھا دیتے ہیں تاکہ عوام غفلت کے اندھیروں میں رہیں اور حقائق تک نہ پہنچ سکیں۔ حکمرانوں کی اس طرح کی کاروائیوں کو سحر کہتے ہیں اور ان کو عملی جامہ پہنچانے والے ساحر اور ان کا حکم دینے والے فرعون کہلاتے ہیں یہ فرعون صفت حکمران ہر دور میں ایسے افراد کو پال کر رکھتے

ہیں تاکہ کسی بھی وقت آنیوالے موسیٰ کا مقابلہ کیا جا سکے ہر دور کے فرعون صفت چھوٹے بڑے ہر قسم کے حکمران اپنے ساتھ ایسے ساحرین کو ہمیشہ رکھتے ہیں تاکہ وہ حقائق کو مسخ کرنے کے کرتب سرانجام دیں آج کل کے دور کے ساحران کے زیر استعمال آلات ریڈیو' ٹی وی' اخبار و جرائد' کیبل اور انٹرنیٹ ہیں اور ساحرین کا کردار ادا کرنے والے بعض مفاد پرست صحافی ہوتے ہیں جو حقائق کو مسخ کر کے پیش کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

فرعون کے جادوگر اپنے پیشے سے راضی نہیں تھے۔ ان کی نئی نسل اس پیشے کو اپنانے سے کراہت محسوس کرتی تھی۔ لیکن حکومت ظلم اور حکومت فرعون کے اقتدار کی بقاء ودوام ہمیشہ لوگوں کو دھوکہ وفریب دینے میں رہی ہے۔ وہ ساحروں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ اپنے بچوں کو یہ پیشہ سکھائیں تاکہ ظالم وجابر حکمرانوں کے دھوکے کا سلسلہ باقی رہے۔ جادوگر یہ عمل بلا معاوضہ کرتے تھے وہ فرعون سے اس سلسلے میں کوئی معاوضہ و اجرت نہیں لیتے تھے لیکن حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں جب فرعون کی حکومت کی بقاء وفنا کا مسلہ پیش آیا تو اس موقع سے استفادہ کرتے ہوئے ساحروں نے فرعون سے اجرت طلب کی۔ ان دو باتوں کی دلیل کہ ساحرین اس پیشے سے راضی نہیں تھے اور وہ اسے مفت میں انجام دیتے تھے سورۂ طٰہٰ کی آیت ۷۳ میں ہے:

﴿انا آمنا بربنا لیغفر لنا خطٰینا وما اکرھتنا علیه من السحر﴾ ''ہم تو اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف کردے اور اس جادوگردی سے' جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا، درگزر فرمائے''

معجزہ اور سحر لغتِ عرب اور آیاتِ قرآنی اور علماءِ قصصِ قرآنی کی آراء ونظریات بیان کرنے کے بعد عصرِ حاضر میں دین وسیاست دونوں کو مسخ کرنے والی جدید قسم کی سحر شعبدہ' جادو' ذرائع وابلاغ کی صورت میں اور دینی مراکز میں کھیلنے والی کاروباری معجزات کا درک کرنا صاحبانِ عقل وفراست کیلئے چندان مشکل نہیں ہوگا۔

خود بنی کیلئے ''معجزہ'' کی ضرورت کیوں ہے؟

یہ بات واضح وعیاں ہے اگر کوئی شخص دعویٰ نبوت کرے تو اس سے اپنے دعویٰ کو سچ ثابت کرنے کے لئے دلیل طلب کرنا ہر شخص خصوصاً جن افراد کے دلوں میں اس دعویٰ کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوں ان کا عقلی ومنطقی دونوں حوالوں سے حق بنتا ہے وہ اس مدعی سے اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کرنے کا مطالبہ کریں قرآن کریم میں اس دلیل کو آیت کہا گیا ہے یعنی نشانی جبکہ علمائے اعتقاد کی اصطلاح کے تحت اسے معجزہ کہتے ہیں یعنی ایسا عمل جسے دوسرے انجام دینے سے عاجز ہوں۔ ابواب اعتقاد میں یہ ایک مسلمہ و نا قابل تردید حقیقت ہے لیکن یہاں پر جس عنوان کو ہم نے اٹھایا ہے وہ یہ ہے خود نبی کے لئے یہ کیسے ثابت ہو کہ اسے خداوند عالم نے نبوت کیلئے انتخاب کیا ہے۔ کیونکہ نبی بننے سے پہلے انکا خدا سے اس قسم کا کوئی امتیازی ربط نہیں تھا۔ اگر کوئی آواز آئے کہ ہم نے آپ کو نبوت کیلئے منتخب کیا ہے جیسا کہ حضرت موسٰی علیہ سلام کے لئے ہوا۔ کہ میں آپ کا رب ہوں آپ اپنے نعلین مبارک اتار دیں کیونکہ آپ وادی مقدس میں ہیں اور ہم نے آپ کو منتخب کیا ہے:

﴿انی انا ربك فاخلع نعليك انك بالواد المقدس طوى﴾ ''میں ہی آپ کا رب ہوں پس اپنی جوتیاں اتار دیں بتحقیق آپ طوی کی مقدس وادی میں ہیں'' (طٰہٰ/۱۲) ﴿وانا اخترتك فاستمع لما يوحى﴾ ''اور میں نے آپ کو منتخب کرلیا ہے لہٰذا جو وحی کی جا رہی ہے اسے سنیں'' (طٰہٰ/۱۳)

یہاں اس آواز کے بارے میں دو حوالے سے سوال ہوسکتا ہے ایک تو خدا کا کوئی دوست نہیں کہ وہ اس کی آواز پہچان سکے۔ دوسرا نبی اس سے پہلے خدا کی آواز سے آشنا نہیں۔ تو اسے کیسے یقین ہو کہ وہ نبی بن چکا ہے۔ اگر اس طریقہ کو بغیر کسی سند ودلیل کے قبول کرنا ممکن ہو جائے تو ہر شخص جہاں سے بھی کوئی آواز آئے یا خواب دیکھے تو وہ دعویٰ نبوت کر دے۔ جیسے آج کل بہت سے دعوی ملاقات اور گفتگو امام زمانہ کرنے والے موجود ہیں۔ جبکہ انھوں نے نہ امام زمانہ (عج) کو دیکھا ہے اور نہ ہی انکی آواز سے واقف ہیں۔ لہٰذا ایک انسان

خدا پرست، دیندار وحق گو کے لئے ضروری ہے وہ ہر سنائی دینے والی آواز پر کان نہ لگائے ہر ذمہ داری کو فوراً اپنے دوش پر نہ لے۔ حضرت موسٰی علیہ سلام نے جب یہ کلمات سنے ہونگے تو یقیناً کرب واضطراب کی حالت پیدا ہوئی ہوگی کہ وہ کیسے مطمئن ہوں اور کیسے لوگوں کو مطمئن کریں کہ وہ اللہ کے نبی بن گئے ہیں۔ یقیناً ایسی حدیث النفس نے موسٰی کے دل میں خلجان پیدا کیا ہوگا۔ اس لئے خداوند متعال نے فوراً دوبارہ ان سے جو سوال کیا اس سے پتہ چلتا ہے موسٰی علیہ السلام تردد میں مبتلا ہوئے تھے۔ یہاں رات کی تاریکی میں ایک خدا ہے اور حضرت موسٰی علیہ السلام یہاں خداوند عالم کی طرف سے اور حضرت موسٰی علیہ السلام کیلئے دلیل آتی ہے کہ وہ نبی ہیں۔

۱۔ موسٰی آپ کے ہاتھ میں جو چیز ہے وہ کیا ہے:

﴿وما تلك بيمينك يموسٰى﴾ ''اور اے موسٰی یہ آپ کے داہنے ہاتھ میں کیا ہے'' (طٰہٰ/۱۷) ﴿قال هي عصاى اتوكئوا عليها و اهش بها على غنمى ولى فيها مارب اخرى﴾ ''موسٰی نے کہا یہ میرا عصا ہے اس سے میں ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لیے اس میں کئی اور فائدے ہیں'' (طٰہٰ/۱۸) ﴿قال القها يموسٰى﴾ ''فرمایا اے موسٰی اسے پھینک دیں'' (طٰہٰ/۱۹) ﴿فالقها فاذا هي حية تسعى﴾ ''پس موسٰی نے اسے پھینکا تو وہ یکا یک سانپ بن کر دوڑنے لگا'' (طٰہٰ/۲۰)

تو حضرت موسٰی علیہ سلام نے عرض کی یہ میری عصا ہے۔ خداوند عالم نے کہا اس کو پھینک دو۔ جب انھوں نے ایسا کیا تو وہ ایک سانپ کی طرح چلنے لگا۔ تو موسٰی پلٹ کر بھاگنے لگے تو خداوند عالم نے فرمایا آپ پیچھے مت جائیں۔ بلکہ واپس آجائیں ڈریں نہیں ہم اپنے نبیوں کو نہیں ڈراتے آپ دیکھیں یہ وہی عصا ہے۔

۲۔ اپنے ہاتھ کو اپنے بغل میں ڈالو اور پھر نکال لو۔ جب انھوں نے ایسا کیا تو انکا ہاتھ سفید اور چمکتا ہوا نظر آیا۔ یہ کوئی برص وجزام والی سفیدی نہ تھی بلکہ آنکھوں کو حیران کرنے والی تھی۔

خداوند عالم نے فرمایا کہ ان دونوں علامات اور نشانیوں کو لے کر فرعون کی طرف جاؤ۔ اور اسے ہماری طرف دعوت دو۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے نبی بننے کی حد تک مطمئن ہوئے لیکن فرعون کے پاس جانے سے یہ کہہ کر معذرت خواہی کی کہ ایک داعی الی اللہ کا چہرہ اور اسکی سیرت و کردار تابناک اور بے لوث ہونی چاہیے جبکہ میں فرعون کے پاس یا اس معاشرے میں ایک انسان کو قتل کر کے مجرم اور بدنام ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پوچھیں کہ اسے کیوں قتل کیا تو میں انکا جواب نہیں دے سکوں گا۔ لہٰذا اگر جانا ہی ہے تو میرے ساتھ میرے بھائی ہارون کو بھی بھیجیں کیونکہ وہ میری نسبت کثیر البیان ہے۔

حضرت موسیٰ کے معجزات:

خداوند متعال نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ۹ معجزات دیئے جن کا ذکر ان آیات میں ہوا ہے:

﴿ولقد اٰتینا موسٰی تسع اٰیٰتٍ﴾ ''ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں عطا کی تھیں'' (اسراء/۱۰۱) ﴿فی تسع اٰیٰتٍ الیٰ فرعون وقومه﴾ ''یہ (دو نشانیاں) نو نشانیوں میں سے ہیں فرعون اور اس کی قوم کی طرف (لے جانے کے لئے)'' (نمل/۱۲)

سورۂ اسرائیل میں ۹ معجزات کا ذکر ہے جبکہ اس آیت کی تفسیر میں ڈاکٹر خیلی نے فخر الدین رازی سے ۱۶ معجزے نقل کیے ہیں جن میں سے دو معجزے آپکی نبوت کے اثبات کی خاطر ہیں باقی معجزات ان کی قوم کے لئے تعذیب و تعقیب کی خاطر تھے۔ حضرت موسیٰ کو اثبات نبوت کے لئے عطا کئے جانے والے دو معجزات ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ **عصاء کا سانپ بننا:** عصا ہاتھ میں لینے والی لاٹھی کو کہتے ہیں اس کی اصل عصو یا عصی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی بعثت سے پہلے اس عصا کا کردار ان کے ہاتھ میں سفری وسائل اور زندگی کی دوسری ضروریات کی حد تک موقوف تھا:

﴿هی عصای اتوکؤا علیها و اهش بها علیٰ غنمی ولی فیها مآرب اخریٰ﴾ ''یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگا کر چلتا ہوں اس سے اپنی بکریوں کیلئے پتے

جھاڑتا ہوں اور بھی بہت سے کام ہیں جو اس سے لیتا ہوں'' (طٰہٰ/۱۸)

یہ عصا حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں چند بار معجزے کی صورت میں تبدیل ہوا ہے۔

(۱) کوہِ طور پر یہ جامد عصا سانپ بن کر حرکت کرنے لگا:

﴿فلما راٰها تهتز کانها جآن ولیٰ مدبرًا﴾ ''جوں ہی کہ موسیٰ نے دیکھا وہ لاٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے'' (قصص/۳۱)

(۲) فرعون کے دربار میں اژدھا کی صورت میں تبدیل ہوا:

﴿فالقٰی عصاه فاذاهی ثعبان مبین﴾ ''موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا اور یکایک وہ ایک صریح اژدہا تھا'' (شعراء/۳۲)

(۳) جادوگر اور ساحران کے سامنے ان کے خود ساختہ سانپ کی مانند رسیوں کو کھا گیا:

﴿فالقٰی عصاه فاذاهی تلقف مایافکون﴾ ''پھر موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو یکایک وہ ان کے جھوٹے کرشموں کو ہڑپ کرتا چلا جا رہا تھا'' (شعراء/۴۵)

﴿فاذاهی تلقف مایافکون﴾ ''اس کا پھینکنا تھا کہ آن کی آن میں وہ ان کے اس جھوٹے طلسم کو نگلتا چلا گیا'' (اعراف/۱۱۷)

(۴) اس سے دریا شگاف ہوا:

﴿ان اضرب بعصاك البحر فانفلق﴾

''مارا اپنا عصا سمندر پر یکایک سمندر پھٹ گیا'' (شعراء/۶۳)

(۵) اس کو پتھر پر مارنے سے بارہ چشمے پھوٹے:

﴿فانفجرت منه اثنتا عشرة عینًا﴾ ''چنانچہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے'' (بقرہ/۶۰)

۲۔ ید بیضاء:

جب حضرت موسیٰؑ نے اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو وہ چمک رہا تھا:

﴿ونزع یده فاذاهی بیضآء للنٰظرین﴾ ''پھر اس نے اپنا ہاتھ (بغل) سے

کھینچا اور وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا‘‘ (شعراء/۳۲،۳۳)

﴿واضمم یدك الیٰ جناحك تخرج بیضآء من غیر سوء﴾ ’’اور ذرا اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا، چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے‘‘ (طٰہٰ/۲۲)

اپنے ہاتھ کو بغل میں رکھیں پھر نکالیں تو ایسی سفید تابناک بن کر نکلے گا جو ہر قسم کے نقص وعیب سے منزہ ہوگا۔ یہ آپ کیلئے دوسری بڑی نشانی ہے جو خداوند کریم نے آپ کو عطا فرمائی تھی۔ اس آیہ کریمہ میں ہاتھ کو بغل میں رکھنے کیلئے لفظ جناح استعمال ہوا ہے۔ جناح پرندے کے پر کو کہتے ہیں۔ انسان کے پر اسکے دونوں ہاتھ ہیں۔ جس طرح پرندہ اپنی زندگی بسر کرنے کیلئے پروں سے کام لیتا ہے اسی طرح انسان عملی زندگی میں اپنے دونوں ہاتھوں کی وجہ سے کارگر ہوتا ہے۔ لہٰذا خداوند کریم نے انسان عاقل وہوشمند کو اپنے والدین اور واجب الطاعت ہستیوں کے سامنے اپنے بازو نیچے رکھنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ حضرت موسٰی کو حکم ہوا کہ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بغل میں ڈالیں۔ پھر اسکو نکالیں تو دیکھیں گئے وہ تابندہ اور نورانی بن جائے گا اس کا ذکر سورہ قصص ۳۲ میں بھی ہے:

﴿اسلك یدك فی جیبك تخرج بیضآء من غیر سوٓءٍ﴾ ’’اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال، چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی رنگت کے‘‘ کہتے ہیں حضرت موسٰی علیہ السلام کے جسم کی رنگت سرخ و سیاہ کے درمیان تھی لہٰذا ایسی صورت میں ہاتھ کو سفید ہونا برص سے مشابہت قرار دیا جاسکتا تھا لیکن خدا نے اسے غیر سوء فرمایا ہے۔ خداوند متعال نے عصا اور ید بیضاء کو نبوت حضرت موسٰی علیہ السلام کی دلیل قرار دیا۔ ید بیضاء کو حضرت موسٰی علیہ السلام نے دو دفعہ استعمال کیا‘ ایک دفعہ کوہ طور پر اور ایک بار دربارِ فرعون میں استعمال کیا‘ عصا کو پانچ دفعہ استعمال کیا‘ ایک کوہِ طور پر دوسرا دربارِ فرعون میں‘ تیسرا اجتماعِ عام میں‘ چوتھا دریا پر اور پانچویں دفعہ پتھر پر استعمال کیا۔ نبوت کے اثبات کیلئے دو معجزہ عطا کرنے کی منطق یہ تھی کہ فریق مخالف نبی کو کبھی بھی زیر نہ کرسکے کیونکہ اس سے وہ درک کرلیں گے اس نے جہاں سے یہ دو معجزے لیے ہیں اور بھی لے سکتا ہے اور اگر خدا کی طرف سے ہیں تو خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

۳۔ زبان کا گرہ کا کھولنا:۔

۴۔ دریا کا شگاف ہونا: جب حضرت موسٰیؑ بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے روانہ ہوئے تو دریائے نیل پر خدا کا حکم ہوا کہ اپنی عصا کو دریا پر مارو:

﴿فاوحینا الیٰ ان اضرب بعصاك البحر فانفلق فكان كل فرقٍ كالطود العظیم﴾ ’’ہم نے موسٰی کو وحی کے ذریعہ سے حکم دیا کہ مار اپنا عصا سمندر پر یکا یک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہوگیا‘‘ (شعراء/۶۳ تا ۶۶)

﴿واذ فرقنا بكم البحر فانجینٰكم﴾ ’’یاد کرو وہ وقت، جب ہم نے سمندر پھاڑ کر تمہارے لئے راستہ بنایا‘ پھر اس میں سے تمہیں بخیریت گزروادیا‘‘ (بقرہ/۵۰)

۵۔ حکمِ خدا سے حضرت موسٰیؑ نے عصا کو پتھر پر مارا جس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے:

﴿ان اضرب بعصاك الحجر فانبجست منه اثنتا عشرة عینًا﴾ ’’ہم نے اس کو اشارہ کیا کہ فلاں چٹان پر اپنی لاٹھی مارو چنانچہ اس چٹان سے یکا یک بارہ چشمے پھوٹ نکلے‘‘ (اعراف/۱۶۰)

۶۔ پہاڑ کا سایہ کرنا:

﴿واذ نتقنا الجبل فوقهم كانه ظلة﴾ ’’انہیں وہ وقت بھی کچھ یاد ہے جب کہ ہم نے پہاڑ کو ہلا کر ان پر اس طرح چھادیا تھا کہ گویا وہ چھتری ہے‘‘ (اعراف/۱۷۱)

کوہ طور کو بنی اسرائیل کے سر کے اوپر اٹھایا تاکہ خدا کی اطاعت وفرمانبرداری نہ کرے تو خدا اپنے غیض وغضب کا نشانہ بنائیں گے:

﴿واذ اخذنا میثاقكم ورفعنا فوقكم الطور﴾ ’’یاد کرو وہ وقت‘ جب ہم نے طور کو تم پر اٹھا کر تم سے پختہ عہد لیا تھا‘‘ (بقرہ/۶۳) اعراف/۱۷۱

۷۔ منّ وسلویٰ کا اترنا:

"معجزہ" عذاب

ان کی عہدو پیمان شکنی کے نتیجے میں، قحط سالی یعنی پیداوار میں کمی، دریا میں طوفان، مینڈک کا بڑھنا، جوؤں، خون بہنا:

﴿فارسلناعلیهم الطوفان والجرادوالقمل والضفادع والدم﴾ ''آخرکار ہم نے ان پرطوفان بھیجا، ٹڈی دل چھوڑے، سُرسُریاں پھیلائیں، مینڈک نکالے اورخون برسایا'' (اعراف/۱۳۳)

۸۔قحط پڑنا:

قحط سالی: زراعت اور درختوں کی پیداوار میں کمی واقع ہوئی۔

﴿ولقداخذناآل فرعون بالسنین ونقص من الثمرات لعلهم یذکرون﴾
''ہم نے فرعون کے لوگوں کو کئی سال تک قحط اور پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا کہ شاید ان کو ہوش آئے'' (اعراف/۱۳۰)

﴿وقال الملامن قوم فرعون اتذرموسٰی وقومه لیفسدوافی الارض﴾
''فرعون سے اس کی قوم کے سرداروں نے کہا: کیا تو موسٰی اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑ دے گا کہ ملک میں فساد پھیلائیں'' (اعراف/ ۱۲۷) فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو اپنے عذاب کا نشانہ نہیں بنایا کیونکہ فرعون نے جب محسوس کیا کہ موسٰی حق پر ہیں خصوصاً جب اس نے معجزات موسٰی دیکھے اور اپنے ساحرین کو انکے سامنے شکست خوردہ پایا تو اسے یقین ہوا کہ موسٰی حق پر ہیں چونکہ فرعون خود کو زمین پر ''الہ'' پیش کئے ہوئے تھا وہ اگر موسٰی کے ساتھ مقابلہ کرنے کیلئے کچھ کرتا تو اسے شکست ہوتی۔ لہٰذا جب اس سے کہا گیا کہ موسٰی اور اسکی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دوگے تو اس پر فرعون نے کہا کہ ہم انکی لڑکیوں کو زندہ چھوڑیں گے اور انکے بیٹوں کو ماریں گے اور پھر اس ظلم و ستم کا سلسلہ شروع کیا:

﴿قال موسٰی لقومه استعینوابالله واصبرواان الارض لله یورثهامن یشآء من عبـاده﴾ ''موسٰی نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اسکا وارث بنا دیتا ہے'' (اعراف/ ۱۲۹)

بنی اسرائیل نے موسیٰؑ سے کہا ہم پر پہلے بھی مظالم ڈھائے جاتے اور آپ کے آنے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ تو اس پر حضرت موسٰی نے فرمایا کہ خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کرے گا اور تم زمین کے وارث ہوگے۔

۹۔ طوفان

طوفان جو بربادی اور ہلاکت کا باعث ہے جسطرح قوم نوح اس سے پہلے پانی کے طوفان میں غرق ہوئی۔ خدا نے جسطرح پانی کو حیات کا سبب بنایا اسی پانی سے قوموں کو ہلاک بھی کیا۔ چنانچہ قوم فرعون نے حضرت موسٰی سے التماس کی کہ خدا سے دعا کرو یہ عذاب ان سے رفع کرے۔

۱۰۔ ٹڈی

۱۱۔ مینڈک: مینڈک کا عذاب نازل کیا وہ جس برتن کو اٹھاتے اس میں منیڈک نظر آتے۔

۱۲۔جوؤں کا آنا:

جوؤں کا عذاب نازل ہوا جو انسان کے جسم اور لباس میں گندگی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یا گندم کے دانوں میں پیدا ہوتی ہے۔ یا اس سے مراد وہ حشرات جو نباتات اور زراعت کو ختم کرتے ہیں۔

۱۳۔ خون برسنا

خون کا عذاب یعنی ہر چیز خون میں تبدیل ہو جاتی۔ حتی یہاں تک بیان ہوا کہ ایک عورت

جس کا تعلق قوم فرعون سے تھا وہ اسرائیلی عورت سے کہتی ہے تم پہلے اپنے منہ میں پانی ڈالو اور پھر اسے میرے منہ میں ڈالو۔

۱۴۔ مال ودرآمدات کا کم ہونا

۱۵۔ مردوں کو زندہ کرنا:

جب بنی اسرائیل کو وہ طور پر آسمانی بجلی سے مر گئے تو انھیں دوبارہ زندہ کیا۔ یہ واقعہ جب حضرت موسیٰؑ خدا سے دستور لینے کیلئے قوم بنی اسرائیل کو لے کر طور پر گئے وہاں پیش آیا ۔موسیٰؑ وہاں تیس دن کیلئے بلائے گئے لیکن دس دن اور اضافہ ہوا موسیٰؑ جب ان افراد کے ہمراہ وہاں پہنچے تو انھوں نے کہا جب تک ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں لیتے آپ پر ایمان نہیں لائیں گے:

﴿واذقلتم یموسٰی لن نؤمن لك حتٰی نری الله جهرةً فاخذتکم الصٰعقة وانتم تنظرون﴾ ''یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ ہم تمہارے کہنے کا ہر گز یقین نہیں کریں گے جب تک کہ اپنی آنکھوں سے علانیہ خدا کو (تم سے کلام کرتے) نہ دیکھ لیں'' (بقرہ/۵۵تا۵۶)

خداوند عالم نے بنی اسرائیل کو بعض نعمات دنیاوی سے نوازا جیسے ابر کا سایہ یعنی سورج کی تپش سے بچنے کیلئے بادل ان کے ساتھ چلتے تھے اور من وسلویٰ نازل کیا۔

بنی اسرائیل کے ایک شخص نے اپنے چچا کو قتل کر کے لاش کو اپنے مخالف کے گھر کے دروازے پر پھینکا اس سے بنی اسرائیل میں قاتل کو بازیاب کرنے میں شدید مشکل پیش آئی تو حضرت موسیٰؑ سے رجوع کیا حضرت موسیٰؑ نے حکم خدا سے ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا اور کہا اس گائے کی ران کو مقتول پر مارو تو مقتول اپنے قاتل کی شناخت بتائے گا:

﴿واذقال موسٰی لقومه ان الله یامرکم ان تذبحوا بقرة......﴾ ''پھر وہ واقعہ یاد کرو' جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے ......'' (بقرہ/ ۶۷ سے ۷۱)

سورہ مبارکہ اعراف آیت نمبر ۱۳۳ میں سات معجزات موسیٰ کلیم اللہ کا ذکر بیان ہوا ہے۔

قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا متن

فرعون اور زوال اقتدار کے خدشات:

کہتے ہیں کہ جب فرعون کو پتہ چلا کہ اس کی بادشاہت کا زوال بنی اسرائیل کے ہاتھوں ہوگا تو اس نے اسرائیلیوں کو قلع قمع کرنے کی منصوبہ بندیوں کا سلسلہ شروع کیا۔ جو ہر آئے دن بڑھتی رہیں یہاں تک کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام اس کے قصر میں اسے خدا کی طرف دعوت دینے اور اسرائیلیوں کو نجات دلانے کے لئے آئے لیکن فرعون کے ذہن میں اپنے اقتدار کے زوال کا خیال اسرائیلیوں کے ہاتھوں ہونے کا خدشہ کیسے پیدا ہوا۔ اس سلسلے میں بعض سرسری یا سطحی تجزیہ نگاروں نے چند تجزیئے پیش کئے ہیں اور بعض نے قوموں کے عروج وزوال اور حکمرانوں کا رعیت کے ساتھ رویئے کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے تجزیہ کیا ہے ہم یہاں پر ان تجزیات کو پیش کریں گے:

(۱) بعض نے کہا ہے کہ فرعون نے ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ کا شعلہ آکر فرعون اور اس کے قصر اور گردونواح میں گرا جس سے اس نے اپنی حکومت کا خاتمہ ہوتے دیکھا۔ جب اس نے نجومیوں اور خوابوں کی تعبیر کرنے والوں سے تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے خاندان سے ایک فرد نکلے گا۔ جو آپ کی حکومت کے زوال کا سبب بنے گا۔

(۲) بعض نجومیوں نے ستاروں کی گردش کے حساب سے فرعون کو خبر دی کہ بنی اسرائیل کے فلاں خاندان سے ایک فرد نکلے گا جو تمہاری حکومت کے زوال کا سبب بنے گا۔

(۳) بعض تجزیہ نگاروں نے کہا ہے کہ بنی اسرائیل فرعون اور قبطیوں کے ہاتھوں پہلے بھی ظلم وستم اور تذلیل وتحقیر کا نشانہ رہے۔ یقیناً وہ گروہ جو اقتدار بالا کا مقابلہ نہیں کرسکتا وہ اپنے مستقبل کے لئے تدابیر سوچتا ہے یہاں پر بعض نے ان کے بزرگان جوان کے خاندان سے گزرے ہیں جن میں حضرت یعقوب' یوسف اور اسحاق جیسے انبیاء شامل ہیں ان سے کچھ

پیشن گوائیاں نقل کی ہیں کہ اسرائیلی قبطیوں کے ظلم وستم سہنے کے بعد ایک دن صاحب اقتدار اور زمین کے وارث ہونگے شاہد یہ پیشن گوئیاں جو بنی اسرائیل کے اندر ایک دوسرے کے درمیان پھیلتی تھیں یہ فرعون اور اس کے حامیوں کے کانوں تک پہنچی ہوں اور ان سے خدشات پیدا ہوگئے ہوں۔ یہ ایک واضح سی بات ہے کہ جہاں حکمران ظالم و جابر ہوں اور عوام کی مرضی کے خلاف حکمرانی کریں تو وہاں وہ وہم وگمان کو یقین کا درجہ دے کر فیصلہ کرتے ہیں۔ شاید یہ چہ میگوئیاں اور پیشن گوئیاں سننے کے بعد فرعون نے بھی اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنی اسرائیل کو بنایا ہو۔

(۴) مصر میں حکومت ایک ہی خاندان میں چلی آرہی تھی۔ جہاں بادشاہ کو فرعون کے نام سے پکارا جاتا تھا حضرت یوسف کے مصر میں آنے سے کچھ زمانہ پہلے ایک گروہ جسے رُعات کہتے تھے انہوں نے مصر پر حملہ کر کے بادشاہ کو شکست دے کر خود حکومت پر قبضہ کیا چنانچہ آیات قرآنی کے تحت حضرت یوسفؑ مصر پہنچے۔ اس وقت وہاں نظام مملکت کا انتظام وانصرام کرنے والے فرد کو عزیز مصر کہتے تھے۔ جب حضرت یوسفؑ نے زندان مصر سے رہا ہو کر امور خزائن واقتصادیات کی ذمہ داری سنبھالی تو ان کے باپ حضرت یعقوب اور دیگر برادران بھی کنعان سے مصر میں منتقل ہوئے۔ حضرت یعقوب اور ان کے فرزندان سلسلہ انبیاء سے تھے اس لئے وہ خدا پرست اور شریعت ابراہیم پر تھے۔ انکی امانتداری اور حسن وخلق کی وجہ سے حکمران طبقے کی توجہ انکی طرف مائل ہوئی۔ دوسرا گروہ پہلے بادشاہوں کے طرف دار اور حامی تھے اس وجہ سے بھی بادشاہ اور اس کے اراکین کی نظر ان کی بہ نسبت بنی اسرائیل کیطرف زیادہ رہی۔

ا۔ انھیں کاہنوں اور منجمین نے یہ خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل کا ایک فرزند تمھیں ہلاکت اور تباہی سے دوچار کرے گا اور وہ پیدا ہونے والا ہے لہٰذا اس بنا پر انھوں نے اپنی ہلاکت ونابودی سے بچنے کیلئے بنی اسرائیل کی آنے والی نسل کو گھوارہ میں ہی قتل کرنے کا ارادہ کیا اور اس پر سختی سے عمل کیا تاکہ یہ نسل انکے خلاف قیام نہ کر سکے۔ لیکن کسی قوم کے ہر پیدا

ہونے والے فرزند کو قتل کرنے کی یہ توجیہ چند حوالوں سے بحث وتحقیق طلب ہے۔

کاہنوں اور منجمین کو یہ خبر کہاں سے ملی اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ اس توجیہ کو عقلاء کے لئے قابل قبول بنانے کیلئے انھوں نے یہ تحقیق کیوں نہ کی کہ فرعون کا یہ قاتل بنی اسرائیل کے کس گھرانے میں پیدا ہوگا اور یہ علاقہ کونسا ہے۔ اس سلسلے میں سن، مہینہ اور وقت کا تعین بھی ضروری تھا۔ جیسے ماہرین ستارہ شناس، بارش یا قسمت کا حال بتانے والے دقیق پیشن گوئیاں کرتے ہیں انھوں نے یہاں بھی ایسا کیوں نہیں کیا اگر ایسا کرتے تو پوری نسل بنی اسرائیل کی نسل کشی کا عمل شروع نہ ہوتا اور فرعون سب کو دردناک عذاب سے دوچار کرنے سے باز رہتا اور اسکے مظالم میں اس قدر بھیانک اضافہ نہ ہوتا۔ ان احتمالات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فرعون کا بنی اسرائیل کا قتل عام کرنا مذکورہ بنیاد پر نہیں تھا بلکہ یہ قبطیوں کی طرف سے اپنے حریف کو نیست ونابود کرنے کی ایک کوشش اور بادشاہ کے ذہن میں یہ بدگمانی پھیلانے کا ایک بہانہ تھا کہ آخر تمہاری حکومت کا خاتمہ اسی قوم کے ہاتھوں ہوگا لہٰذا قوم سے بدبینی اور بدگمانی کے بعد پوری قوم کے استحصال کا جواز پیدا ہوتا ہے۔

ان دو وجوہات کی بنیاد پر اسرائیلیوں نے مصر میں چندین لحاظ سے خود کو معزز ومحترم پایا ایک تو خود کو نسل انبیاء وخلیل اللہ سے پا کر خود کو محترم شمار کرایا اور دوسرا بادشاہ کی طرف سے الطاف وعنایتوں کی وجہ سے عزت واحترام پایا۔ جب بادشاہ کی الطاف وعنایتوں کا خاتمہ ہوا اور دوبارہ فرعونی خاندان مصر پر قابض ہوا تو وہی اصول جو قدیم زمانے سے عصر حاضر تک ہے اور رہیگا نئے آنے والے حکمران ہمیشہ سابق حکمرانوں کے انعام یافتہ ومحترم افراد کو اپنے عتاب وعذاب کا نشانہ بناتے ہیں۔ اسی خود ساختہ اصول کے تحت فرعون نے اسرائیلوں کو اپنے غضب کا نشانہ بنایا۔ فرعون نے بنی اسرائیل کے خلاف جو ظلم وستم روا رکھے۔ خداوند کریم نے قرآن کریم میں سورۂ قصص کی ابتدائی آیات میں بیان فرمایا ہے ہم یہاں پر ان آیات کی روشنی میں فرعون کا بنی اسرائیل کے خلاف ظلم وستم اور استحصال کا ایک جائزہ پیش کریں گے۔

ولادت حضرت موسیٰ علیہ السلام:

قرآنِ کریم میں قصۂ موسیٰ علیہ السلام کا آغاز انکی مادر گرامی سے ہوا ہے لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن ضرورت کے علاوہ کسی فرد کا نام نہیں لیتا چونکہ قصۂ موسیٰ میں انکی مادر گرامی کا نام لینے کی ضرورت نہیں تھی اس لئے انکا نام نہیں لیا گیا اور صرف مادرِ موسیٰ پر ہی اکتفاء کیا گیا ہے۔ قصہ میں مادر موسیٰ علیہ السلام کا ذکر مختلف حوالے سے ہوا ہے۔ ایک جب انھیں لاحق خطرات سے آمادگی اور تیاری کیلئے کہا گیا جیسا سورۂ قصص ۷ میں اسکا ذکر ہے:

﴿ واوحينا الى ام موسىٰ ان ارضعيه فاذا خفت عليه فالقيه فى اليم ولا تخافى ولا تحزنى، انا رادوه اليك وجاعلوه من المرسلين ﴾ ''اور ہم نے مادر موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ انہیں دودھ پلائیں اور جب ان کے بارے میں خوف محسوس کریں تو انھیں دریا میں ڈال دیں اور بالکل خوف اور رنج نہ کریں۔ ہم انھیں آپ کی طرف پلٹانے والے اور انھیں پیغمبروں میں سے بنانے والے ہیں'' (قصص/۷)۔

یہاں خداوند عالم فرماتے ہیں کہ ہم نے مادر موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ آپ اطمینان سے انھیں دودھ پلائیں اور اگر کوئی خطرہ لاحق ہو تو انھیں بلاخوف دریا میں پھینک دیں۔ ہم جلد ہی انھیں دوبارہ آپ کے پاس بھیج دیں گے اور مقام ومنصب نبوت عطا کریں گے دوسری مرتبہ سورۂ طٰہٰ ۳۹ میں ذکر ہے۔

جب خطرات مادرِ موسیٰ کے اوپر منڈلا رہے تھے تو خداوند عالم نے مادرِ موسیٰ کو وحی کی کہ آپ فوراً انھیں صندوق میں ڈال کر دریا میں پھینک دیں اور انھیں ایسا شخص اٹھائے گا جو میرا اور انکا دشمن ہوگا۔ تیسری دفعہ مادرِ موسیٰ کا ذکر اس حوالے سے ہوا ہے سورہ قصص ۱۰ یعنی ان حالات کی منظر کشی کی گئی ہے جب مادرِ موسیٰ انھیں صندوق میں ڈال رہی تھیں:

﴿ واصبح فؤاد ام موسىٰ فرغا، ان كادت لتبدى به لو لا ان ربطنا على قلبها لتكون من المومنين ﴾ ''اور ادھر مادر موسیٰ کا دل بے قرار ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ

یہ راز فاش کر دیتیں اگر ہم نے ان کے دل کو مضبوط نہ کیا ہوتا تا کہ وہ ایمان رکھنے والوں میں سے ہو جائیں'' (قصص/۱۰)

جب ایک ماں اپنی عزیز فرزند کو اس طرح تقدیر کے حوالے کرے جہاں دشمن انکی تلاش میں ہوں تو اس وقت اس ماں پر کیا گذری ہوگی۔ قرآن ان حالات کے بارے میں فرماتا ہے کہ اگر ہم مادرِ موسیٰ کے دل کو ایمان سے نہیں باندھتے تو مادرِ موسیٰ کرب واضطراب سے بے ساختہ کہہ اٹھتیں ہائے میرا بیٹا۔ چوتھی دفعہ مادر موسیٰ کا ذکر سورۂ قصص ۱۳ میں ہے:

﴿ فرددنه الى امه كى تقر عينها ولا تحزن ولتعلم ان وعد الله حق ولكن اكثرهم لا يعلمون ﴾ ''ہم نے موسیٰ کو ان کی ماں کے پاس واپس پہنچا دیا تا کہ ماں کی آنکھ ٹھنڈی ہو جائے اور غم نہ کرے اور یہ جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے'' (قصص/۱۳)

خداوند عالم فرماتے ہیں ہم نے انکی ماں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کی خاطر ان کو سمجھایا اور مطمئن کیا کہ خدا اپنے وعدے میں حق ہے اور لوگ خدا کے وعدہ کو نہیں جانتے۔

''اور جب موسیٰ رشد کو پہنچ کر تنومند ہو گئے تو ہم نے انھیں حکمت اور علم عطا کیا اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں'' (قصص/۱۴)

موسیٰؑ کا شہر منف میں داخل ہونا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنی جسمانی طاقت وقدرت کے ساتھ علمی وفکری مرحلہ پر بھی فائز ہوئے۔ ایک دن آپ قصر فرعونی سے اس وقت باہر نکلے جب لوگ آرام و استراحت کر رہے تھے۔ تو آپ نے ایک منظر کا مشاہدہ کیا۔ جسے قرآن کریم نے سورۂ قصص ۱۵ میں ذکر کیا ہے:

﴿ ودخل المدينة علىٰ حين غفلةٍ من اهلها فوجد فيها رجلين يقتتلٰن هذا من شيعته وهذا من عدوه فاستغاثه الذى من شيعته على الذى من عدوى فوكزه

موسیٰ فقضٰی علیه قال هٰذامن عمل الشیطٰن انه عدوٌّ مضلٌّ مبین ﴾ ''(ایک روز)وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوا جبکہ اہل شہر غفلت میں تھے وہاں اس نے دیکھا کہ دوآدمی لڑرہے ہیں ایک اس کی اپنی قوم کا تھا اور دوسرا اس کی دشمن قوم سے تعلق رکھتا تھا اس کی قوم کے آدمی نے دشمن قوم والے کے خلاف اُسے مدد کیلئے پکارا۔موسیٰ نے اس کو ایک گھونسا مارا اور اس کا کام تمام کردیا(یہ حرکت سرزد ہوتے ہی)موسیٰ نے کہا: یہ شیطان کی کارفرمائی ہے، وہ سخت دشمن اور کھلا گمراہ کُن ہے''

قائدین ورہبران کے برے ساتھیوں کے حوالے سے قائدین ورہبران دوگروہوں میں منقسم ہیں۔جنھیں ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ طرف دار طیشی

طرف دار طیشی کا کام آئے دین اپنے قائدین کیلئے مشکلات اور تکالیف پیدا کرنا ہے یہ ایسے مسائل پیدا کرتے ہیں کہ قائدین اپنے ھدف سے قریب ہونے کی بجائے اپنے بنیادی اھداف سے بھی دور ہو جاتے ہیں۔ یہ گروہ حقوق کی بازیابی کیلئے جاتا ہے لیکن بہت سے لوگوں کے حقوق کو پامال کرکے واپس آتا ہے۔ یہ اگر کسی قاتل کی گرفتاری کا مطالبہ کرنے جاتے ہیں تو دیگر لوگوں کو قتل کرکے واپس آتے ہیں۔اسی طرح اگر کسی کی رہائی کیلئے جاتے ہیں تو بہت سے دوسروں کو بھی گرفتار کرواتے ہیں۔ یہ اپنے حقوق طلب کرنے میں ظالم ہیں کیونکہ یہ عدالت وانصاف کے جادہ سے منحرف ہیں۔ایسے طرف داروں کو طرف دار طیشی کہتے ہیں۔انبیاء وآئمہ اپنے حامیوں میں سے ایسے گروہوں سے بے زاری کا اعلان کرتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ سلام نے اسرائیلی سے کہا کہ تم ایک گمراہ انسان ہو۔لیکن موجودہ دور میں قائدین وراہبرین کی یہ کمزوری ہے کہ وہ اپنے ایسے حامیوں سے لاتعلقی کا اعلان نہیں کر سکتے۔

۲۔طرف دار قابلہ

بعض قائدین وراہبرین کو ایسے طرف داروں کا سامنا ہوتا ہے جنکا کام صرف قائدین کو سلانا ہے۔ وہ ہمیشہ قائدین کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ ابھی وقت نہیں آیا، ہمیں سب کو ساتھ لیکر چلنا چاہیے، ابھی لوگ ان باتوں کے متحمل نہیں، اجتماعی کاموں کیلئے وقت درکار ہوتا ہے، ہمیں لوگوں کے مزاج کے مطابق بات کرنی چاہیے ہمیں رائج انحرافات کے خلاف بات نہیں کرنی چاہیے۔ان لوگوں کا کام ایسے ہی تلقین کرنا ہے انکی مثال ایسے ہے جسے ایک دودھ پلانے والی عورت کا بچہ جب روتا ہے تو وہ اسے لوری دے کر سلاتی ہے۔ ہمارے اکثر و بیشتر فقہا و مجتہدین ایسے ہی طرف داروں کے زیر اثر ہیں۔

۳۔طرف دار طیشی

وہ انسان خوش قسمت وسعادت مند ہے جسے عقلمند اور باہوش طرفدار ملتے ہیں۔ جو اپنے دوست کیلئے اپنی خدمات کو عقل وشعور اور جذبات میں ہم آہنگی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔لیکن اکثر و بیشتر ارباب ریاست ومقام کو عقل وشعور سے بے بہرہ اور جذبات سے بھرے ہوئے طیشی انسان ملتے ہیں۔یا جذبات سے خالی جو ہر موقع ومقام پر تسکین ومتانت اور دوراندیشی کی تلقین کرتے ہوئے اپنے دوست کو موقع ومحل کی مناسبت سے اقدام کرنے سے باز رکھتے ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ سلام کے نصیب میں عقل وشعور سے خالی اور جذبات و طیش میں رہنے والا گروہ آیا۔اس طیشی گروہ نے حضرت موسیٰ علیہ سلام کیلئے ہنگامی حالات پیدا کیے۔ بقول بعض نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ان کے عمل کو حضرت موسیٰ علیہ سلام نے عمل شیطانی کہا ہے سورۂ قصص آیت ۱۵ میں ذکر ہوا ہے:

﴿قال هٰذامن عمل الشیطان ﴾ ''اور کہا کہ یہ یقیناً شیطان کے عمل سے تھا''

موسیٰ شہر میں اس وقت داخل ہوئے جب لوگ اپنے گھروں میں آرام وسکون کی زندگی گذار رہے تھے۔آپ نے دیکھا ایک اسرائیلی شاہی گروہ کے ایک قبطی سے دست وگریبان ہے

اس اسرائیلی نے بجائے اس کے کہ وہ خود اس معاملے کو حل کرے اس نے حضرت موسیٰ کو اس معاملہ میں شامل کیا۔ حضرت موسیٰ نے رائج استحصالی تصور کو سامنے رکھتے ہوئے اسے مکا مارا جو اسکی موت کا سبب بنا۔ موسیٰ علیہ سلام اس غیر متوقع منظر کو دیکھتے ہی فکر و تعجب میں پڑ گے اور پہلے ہی مرحلہ میں یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ کوئی عاقلانہ عمل نہیں کیا اور جو انھیں طیش میں لایا اس نے عمل شیطانی انجام دیا۔ اور شیطان ہمیشہ اسی راستہ کی ھدایت کرتا ہے۔ اس واقعہ سے درس و عبرت حاصل کرنے سے پہلے لازم ہے کہ اس واقعہ کے بارے میں آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿ودخل المدينة علىٰ حين غفلةٍ من اهلهافوجدفيهارجلين يقتتلٰن هٰذامن شيعته وهٰذامن عدوه فاسُتغاثه الذى من شيعته على الذى من عدوى فوكزه موسٰى فقضٰى عليه قال هٰذامن عمل الشيطٰن انه عدوٌمضلٌ مبين۔قال رب انى ظلمت نفسى فاغفرلى فغفرله انه هوالغفورالرحيم۔قال رب بماانعمت على فلن اكون ظهيرًاللمجرمين۔فاصبح فى المدينة خآئفًايترقب فاذاالذى اسُتنصره بالامس يستنصرخه قال له موسٰى انك لغوىٌ مبين۔فلماان ارادان يبطش بالذى هوعدوٌلهماقال يٰموسٰى اتريدان تقتلنى كماقتلت نفسًابالامس ان تريدالاان تكون جبارًافى الارض وماتريدان تكون من المصلحين۔وجآء رجلٌ من اقصاالمدينة يسعٰى قال يٰموسٰى ان الملايا تمرون بك ليقتلوك فاخرج انى لك من النٰصحين﴾

"(ایک روز) وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوا جبکہ اہل شہر غفلت میں تھے وہاں اس نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں ایک اس کی اپنی قوم کا تھا اور دوسرا اس کی دشمن قوم سے تعلق رکھتا تھا اس کی قوم کے آدمی نے دشمن قوم والے کے خلاف اُسے مدد کیلیئے پکارا۔ موسیٰ نے اس کو ایک گھونسا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا (یہ حرکت سرزد ہوتے ہی) موسیٰ نے کہا: یہ شیطان کی کارفرمائی ہے، وہ سخت دشمن اور کھلا گمراہ کُن ہے۔ پھر وہ کہنے لگا اے میرے رب، میں نے اپنے نفس پر ظلم کر ڈالا، میری مغفرت فرما دے چنانچہ اللہ نے اس کی

مغفرت فرما دی، وہ وہ غفور و رحیم ہے۔ موسیٰ نے عہد کیا کہ اے میرے رب، یہ احسان جو تو نے مجھ پر کیا ہے اس کے بعد اب میں کبھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا۔ دوسرے روز وہ صبح سویرے ڈرتا اور ہر طرف سے خطرہ بھانپتا ہوا شہر میں جا رہا تھا کہ یکا یک کیا دیکھتا ہے کہ وہی شخص جس نے کل اسے مدد کیلیئے پکارا تھا آج پھر اسے پکار رہا ہے موسیٰ نے کہا تو تو بڑا ہی بہکا ہوا آدمی ہے۔ پھر جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ دشمن قوم کے آدمی پر حملہ کرے تو وہ پکار اٹھا اے موسیٰ، کیا آج تو مجھے اُسی طرح قتل کرنے لگا ہے جس طرح کل ایک شخص کو قتل کر چکا ہے؟ تو اس ملک میں جبار بن کر رہنا چاہتا ہے، اصلاح کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد ایک آدمی شہر کے پرلے سرے سے دوڑتا ہوا آیا اور بولا، موسیٰ، سرداروں میں تیرے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں، یہاں سے نکل جا، میں تیرا خیرخواہ ہوں۔" (قصص/ ۱۵ تا ۲۰)

اس واقعہ سے حاصل ہونے والے دروس:

درس نمبرا: جس وقت حضرت موسیٰ علیہ سلام نے اپنا طرفدار کہلانے والے اسرائیلی کی حمایت میں قبطی کو اس سے دور کرنے کیلیئے مکا مارا جس سے قبطی کی موت واقعہ ہوئی تو اس پشیمانی کے عالم میں حضرت موسیٰ علیہ سلام نے کہا کہ یہ عمل تو عمل شیطانی ہے اور شیطان ہمیشہ بندوں کو گمراہ کرنے کے درپے ہوتا ہے۔ اس واقعہ سے یہ درس ملتا ہے کہ انسان کو جذبات کی رو میں آ کر کوئی کام جلد بازی میں انجام نہیں دینا چاہیے کیونکہ بسا اوقات جلد بازی میں انجام دیا جانے والا عمل انسان کی پوری زندگی کے لئے کوئی ایسا مسئلہ پیدا کر دیتا ہے کہ جس کا اس کے پاس کوئی حل نہیں ہوتا۔ اور اسکی زندگی قرآنی و شرعی اور اعلی و ارفع مقاصد کی حامل نہیں رہتی۔ جبکہ یہی مقاصد حقیقی زندگی کے روح ہیں۔

درس نمبر۲: حضرت موسیٰ علیہ سلام نے قبطی کی موت کے بعد اس عمل سے پشیمان ہو کر درگاہ رب العزت میں طلب مغفرت کرنے کے ساتھ ساتھ اس عمل کو مشروع و جائز قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ ممکن نہیں کہ ایک ظالم و مجرم انسان کسی انسان کے ساتھ ظلم و جنایت کرتا

رہے اور ایک مرد مسلمان خاموش رہے اور اسکی مدد نہ کرے۔ یہاں سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ظالم کے ظلم پر خاموش رہنا درحقیقت ظالمیں و مجرمین کی معاونت ہے۔

فرعون کے گھر میں موسیٰؑ کے قتل کا انکشاف:

﴿وقال رجل مومن من ال فرعون یکتم ایمانه اتقتلون رجلا ان یقول ربی الله وقد جاء کم بالبینت من ربکم وان یك کاذبا فعلیه کذبه وان یك صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم ان الله لا یهدی من هو مسرف کذاب﴾ ''اور فرعون والوں میں سے ایک مرد مومن جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا یہ کہا کہ تم لوگ اسی شخص کو صرف اس بات پر قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمھارے رب کی طرف سے کھلی دلیلیں بھی لے کر آیا ہے اور اگر جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا عذاب اس کے سر ہوگا اور اگر سچا نکل آیا تو جن باتوں سے ڈرا رہا ہے وہ مصیبتیں تم پر نازل بھی ہوسکتیں ہیں بے شک اللہ کسی زیادتی کرنے والے اور جھوٹے کی رہنمائی نہیں کرتا'' (غافر/ ۲۸)

مومن آل فرعون دربار فرعون میں اپنے دین و ایمان کو چھپا کر تقرب حاصل کرنے والا شخص ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے یوں کیا ہے کہ ایک مرد جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا وہ فرعون کے گھر میں دین داروں کے خلاف ہونے والی سازشوں پر کڑی نظر رکھتا تھا۔ ایک دن وہاں اسے یہ خبر ملی کہ جیسے بھی ہو حضرت موسیٰ کو قتل کر دیا جائے۔

قصر فرعون سے مومن قاصد کی آمد:

جب مومن آل فرعون نے دربا فرعونی میں حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنے کا فیصلہ سنا تو اس شخص نے بھاگ کر حضرت موسیٰ کو فرعون اور اسکی قوم کے فیصلے سے آگاہ کیا

﴿وجآء رجل من اقصا المدینة یسعٰی قال یٰموسٰی ان الملا یاتمرون بك لیقتلوك فاخرج انی لك من النٰصحین ۔فخرج منها خآئفًا یقترب قال رب نجنی من القوم الظٰلمین﴾

''اور ادھر آخر شہر میں ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا کہ موسیٰ شہر کے بڑے لوگ باہمی مشورہ کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کر دیں لہٰذا تم شہر سے باہر نکل جاؤ میں تمہارے لئے نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں'' (قصص/۲۰،۲۱)

''تو موسیٰ شہر سے باہر نکلے خوفزدہ اور دائیں بائیں دیکھتے ہوئے اور کہا کہ پروردگار مجھے ظالم قوم سے محفوظ رکھنا۔ اور جب موسیٰ نے مدین کا رخ کیا تو کہا کہ عنقریب پروردگار مجھے سیدھے راستہ کی ہدایت کر دے گا'' (قصص/۲۱،۲۲)

موسیٰ چشمۂ مدین پر

حضرت موسیٰ علیہ سلام مصر سے ہنگامی اور خوفناک حالات میں نکلے اور اپنی زندگی کے پہلے سفر کا آغاز بغیر زادہ راہ کے شہر مدین کی طرف کیا۔ ہر منزل پر تکلیف اور ظلم سے نجات ملنے کی خوشی اور آئندہ کے انجام سے بے خبری اور پریشانی کے عالم میں پابرہنہ منزل طے کرتے رہے۔ تاریخ میں ملتا ہے آپؑ نے مصر سے مدین تک کا سفر آٹھ دن بھوک و پیاس کی حالت میں طے کیا اور مدین پہنچے۔ آپؑ ایک درخت کے نیچے استراحت فرما رہے تھے۔

مایۂ حیات پر استحصالی جنگ

دنیا بذات خود ایک کارزار جنگ و جدال ہے۔ ہمیشہ قومیں اپنے سے کمزور کو دبانے اور اس کے پاس موجود حقیر چیزوں کو چھین کر اپنی دولت سے ملانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسکی واضح مثال آپکو سورۂ ص میں قصہ داؤد علیہ سلام میں ملے گی۔ جہاں سائل نے داؤد علیہ سلام سے شکایت کی کہ اسکا بھائی ننانوے گوسفند کا مالک ہوتے ہوئے اسکی ایک گوسفند کو بھی طلب کر رہا ہے۔ یہ استحصال کا ایک بدترین نمونہ ہے۔ اس جنگ کے مظاہر ان جگہوں پر نمایاں نظر آئیں گے جہاں اقتصاد اور مال و دولت کا بول بالا ہو۔ آیات قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ سلام کا شہر ''مدین'' تھا اور آپکی دعوت استحصال کے خلاف مرکوز تھی۔ اسی شہر میں ایک چشمہ تھا جہاں اہل مدین خود بھی پانی پیتے اور اپنے مال مویشی کو بھی پانی پلاتے

تھے۔اس عمل میں بھی قوی ضعیف کو دور کرتے اور خود کو مقدم کرتے تھے۔خود پرستی اور انانیت کے اس گرم ماحول میں حضرت موسیٰ علیہ سلام نے جب قدم رکھا تو اچانک آپ کی نظر ایسی دوشیزہ پر پڑی جو اپنے مویشیوں کو روک رہی تھیں۔صبر و پاکیزگی کے اس منظر نے آپ کو اپنی طرف متوجہ کیا۔بے ساختہ ان سے دریافت کیا کہ آپ کیا چاہتی ہیں یا آپ کا کیا مسئلہ ہے۔ انہوں نے حکمت وعفت پاکیزگی اور عدل وانصاف سے پر جواب کا دو جملوں میں خلاصہ کیا۔انھوں نے کہا ہم جب تک یہ لوگ اس جگہ سے دور نہیں ہو جاتے اپنے مال و مویشی کو پانی نہیں پلا سکتے۔ ہمارا باپ بوڑھا ہے۔ان دو جملوں کو قرآن نے سورۂ قصص میں بیان کیا ہے۔ان دو جملوں کو آج کی نام نہاد حقوق خواتین کیلئے تکرار کرنے کی ضرورت ہے۔موسیٰ علیہ سلام ان دو جملوں سے حقائق سے آگاہ ہوئے کیونکہ یہ جواب ایک استحصالی اور استبدادی ماحول میں نمو پانے والے انسان کو جلد سمجھ آتا ہے۔فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اپنی بھوک و پیاس کو بھول گے اور مظلوم کی مدد کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان قدرت مند اور استحصال کرنے والوں کو اس چشمہ سے دور کر کے ان کے مال مویشیوں کو سیراب کیا اور پھر اپنی جگہ پر واپس آ گئے۔آٹھ دن سے مسلسل بھوک و پیاس میں مبتلا اس عظیم المرتبت نبی مرسل نے دل کی گہرائیوں سے بے ساختہ اپنے رب سے مناجات شروع کیں اور انتہائی بے بسی کے عالم میں خدا سے لقمہ طعام کی نیازمندی کی درخواست کی۔موسیٰ علیہ سلام اپنی جگہ حق بجانب ہیں کہ خدا سے لقمہ طعام کی درخواست کریں کیونکہ جن حالات سے آپ گذرے ہیں تاریخ میں نہیں ملتا کہ کسی نبی کو ایسے حالات پیش آئے ہوں۔موسیٰ علیہ سلام نے انتہائی بے چارگی کے عالم میں خدا سے دعا کی اے میرے رب تو ہمیشہ مجھ پر کرم فرماتا رہا ہے اور اپنی نعمتوں سے نوازتا رہا ہے لہذا میں ایسی ہی خیر و نیکی کا محتاج مند ہوں۔

﴿فجآئته احدٰهما تمشی علی استحیاءٍ قالت انی ابی یدعوك لیجزیك اجر ماسقیت لنافلماجآئه وقص علیه القصص﴾ ''پھر ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک حیا کے ساتھ چلتی ہوئی موسیٰ کے پاس آئی اور کہنے لگی: میرے والد آپ کو بلاتے

ہیں تاکہ آپ نے جو ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں جب موسیٰ ان کے پاس آئے اور سارا قصہ انھیں سنایا'' (قصص/۲۵) جب حضرت موسیٰؑ حضرت شعیبؑ کے گھر پہنچے اور انھیں اپنا حسب ونسب بتانے کے بعد اپنی زندگی کے پر پیچ اور رنج والم انگیز حالات سنائے تو حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے ظلم وجنایت اور تعقیب سے آزادی ونجات ملنے کی خوشخبری سنانے اور یقین دہانی کرانے کے بعد:

﴿قال لاتخف نجوت من القوم الظلمین﴾ ''اس نے کہا کچھ خوف نہ کرو، اب تم ظالم لوگوں سے بچ نکلے ہو'' (قصص/۲۵)

نبی اور نبی زادی کی شادی

﴿قالت احدٰهما یابت استاجره ان خیر من استاجرت القوی الامین﴾ ''ان دونوں میں ایک لڑکی نے کہا: اے ابا! اسے نوکر رکھ لیجئے کیونکہ جسے آپ نوکر رکھنا چاہیں ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو طاقتور؛ امانت دار ہو'' (قصص/۲۶) حضرت شعیب نے حضرت موسیٰؑ کو از خود یہ پیش کش کی کہ وہ انؑ کی بیٹیوں میں سے ایک کو اپنی ہمسری کیلئے انتخاب کر لیں۔تاریخ ادیان و مذاہب سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شعیبؑ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان گفتگو کے نتیجے میں حضرت موسیٰؑ کا حضرت شعیبؑ کی بیٹی سفورہ سے عقد کیلئے ایک بے مثال اور کم نظیر مہر یہ پر اتفاق پایا جسکی ابھی تک کہیں بھی کوئی مثال اور نہیں ملتی وہ حق مہر یہ تھا کہ حضرت موسیٰؑ آٹھ سال تک حضرت شعیبؑ کی خدمت کریں گے اور اگر حضرت موسیٰؑ اس میں اپنی جانب سے کچھ اور عرصہ تک خدمت جاری رکھنا چاہیں تو یہ ان کا احسان ہوگا۔

حضرت موسیٰؑ نے مزید خدمت کو تقدیر اور آئندہ آنے والے حالات پر چھوڑا اور اصل مہر آٹھ سال تک خدمت کرنے پر اتفاق کیا۔اس طرح حضرت موسیٰؑ جو کہ آئندہ کی تاریخ بشریت میں اولی العزم نبیؑ کی خلعت پہننے والے ہیں ایک پیغمبر حضرت شعیبؑ کی دامادی میں آئے۔

اور حضرت شعیبؑ نے اپنی بیٹی کا عقد جاری کیا جسے حضرت موسیٰؑ قبول کر کے ایک نئی زندگی کے دور میں داخل ہوگئے۔اور حضرت شعیبؑ نے فرعون کے ظلم وستم اور حضرت موسیٰؑ کے قتل کے ارادہ اور تعقب کی خبر سننے کے بعد حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ اب تم ظالمین سے نجات حاصل کر چکے ہو۔شہر مدین میں موجود قبائل عشائر میں سے ایک محترم ومقتدر قبیلہ'قبیلہ' حضرت شعیبؑ تھا یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی ان آیات سے بھی حضرت شعیبؑ کے خاندان کی قدرت اور عزت وبرتری کا اندازہ ہوتا ہے کہ جہاں اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا کہ ہم نے شہر مدین والوں کے لئے ان کے بھائی شعیبؑ کو مبعوث کیا اس کے علاوہ جب حضرت شعیب نے اپنی دعوت کا آغاز کیا اور قوم شعیب پر ان کی دعوت بہت گراں گزری تو قوم شعیب نے حضرت شعیبؑ سے کہا کہ اگر تمہارے قبیلے کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تمھیں یہاں سے نکال دیتے چنانچہ سورۂ اعراف میں کہا گیا کہ خداوند عالم نے مدین میں ان کے بھائی کو مبعوث کیا۔

درس وعبرت

جب حضرت موسیٰ علیہ سلام نے دختران شعیب علیہ سلام سے پوچھا آپ کو کیا مشکل در پیش ہے آپ کیوں لوگوں سے الگ تھلگ اور دور کھڑی ہیں اور اپنے مال ومویشیوں کو بھی دور رکھا ہوا ہے۔تو انھوں نے جواب میں کہا جب تک دوسرے لوگ پانی کے کنارے سے دور نہیں ہو جاتے اس وقت تک ہم ادھر نہیں جائینگی۔ہم تو محض اس مجبوری کی بنا پر مویشی چرانے آتی ہیں کہ ہمارا باپ بوڑھا اور عمر رسیدہ ہے اور اب ہمارے علاوہ کوئی اور نہیں جو یہ کام انجام دے۔دختران شعیب علیہ سلام کے اس جواب میں رہتی دنیا تک کی خواتین کے لئے درس عبرت ہے۔

درس نمبر۱: خواتین کو چاہیے کہ کتنی ہی محنت ومشقت اور تکالیف وزحمتیں ہی کیوں نہ اٹھانا پڑیں انھیں کسی بھی صورت میں مردوں میں گھل مل جانے اور کسی مخلوط اجتماع کا حصہ بننے کی اجازت نہیں ہے۔مخلوط اجتماع میں خلط ہونا شرعاً حرام ہے۔

درس نمبر۲: جب تک خواتین حالات کے ہاتھوں بے بس ومجبور نہ ہوں اور ان کے

پاس اپنے گھر کی چار دیواری سے باہر نکلنے کے لئے کوئی عقلی اور شرعی عذر نہ ہو اس وقت تک انھیں ضروریات زندگی یا کسی خود ساختہ کام کو بہانہ بنا کر باہر دفاتر، کارخانوں اور دیگر کاروباری اداروں میں کام کرنے یا محض تفریح طبع کیلئے پارکوں، بازاروں اور تفریحی مقامات پر گھومنے پھرنے کی قطعًا اجازت نہیں ہے۔بنی مکرم حضرت شعیب علیہ سلام کی بیٹیوں نے اپنے اس عمل یعنی مویشی چرانے کی خاطر گھر سے باہر نکلنے اور مردوں کے کام کو اپنے دوش پر لینے کے جواز میں کہا کہ ہمارے والد گرامی بوڑھے ہیں اور وہ یہ کام نہیں کر سکتے۔ان کے اس جواز کو کوئی بھی باشعور انسان رد نہیں کرسکتا۔جبکہ آج کی خواتین یا تو بلا جواز باہر نکلتی ہیں یا ان کے پیش کردہ جواز قرآن وسنت سے متصادم ہونے کی وجہ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

درس نمبر۳: حضرت موسیٰ علیہ سلام ان خواتین کے مال مویشیوں کو پانی پلانے کے بعد ان سے کسی قسم کی بات کیے بغیر اپنی جائے استراحت یعنی درخت کے پاس واپس آگئے۔یہاں یہ درس پوشیدہ ہے کہ قرآن وسنت کی بات کرنے والے اور خود کو بڑے فخر سے مومن کہنے والے مردوں کو بغیر کسی وجہ نامحرم خواتین کا قرب حاصل کرنے اور انکے اجتماع میں جانے اور ان سے گفتگو کرنے کے مواقع تلاش یا پیدا نہیں کرنے چاہیے۔بلکہ اتفاقی مواقع کے وقت بھی کچھ دیر کیلئے رکے رہنے اور اس قرب ناحق کو طول دینے اور ان سے بات چیت کرنے سے بچنے کی ہر ممکن سعی وکوشش کرنی چاہیے۔بعض لوگ ایسے مواقع پر نامحرم خواتین کی محفلوں میں بیٹھے رہنے اور ان سے بات چیت کو مظلوم وبے بس اور ضرورت مند خواتین کے مدد وتعاون اور ان کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے نام سے ان غیر شرعی اور غیر اخلاقی محافل وگفتگو کا جواز پیش کرتے ہیں اور اس غیر اسلامی وغیر قرآنی عمل کو انسانیت وہمدردی کا نام دیتے ہیں۔حالانکہ سب آگاہ ہیں انکا یہ عمل انسانیت اور اخلاقی مدد وتعاون کے نام پر شیطان کے دھوکے اور نفس امارہ کی ترغیب میں آکر حیوانی خواہشات کا پجاری بنتا ہے۔ان حرکتوں کا قرآن اسلام سنت وسیرت پیغمبر وآل پیغمبر سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔یہ افراد باطل کو حق اور برائی کو اچھائی کا لبادہ پہنانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں اور اپنے عمل

میں غلطاں ہو گے ہیں اور انتہائی خوشی ومسرت سے دن رات طاغوتی وشیطانی راستے پر آگے بڑھتے جارہے ہیں اور اپنے ان اعمال کے جواز اور قرآن وسنت معصومینؑ سے گریز کا جواز تلاش کرنے سے سرگرداں نظر آرہے ہیں جبکہ حضرت موسٰی علیہ سلام کے اس واقعہ سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ عمل صالح انجام دینے والا توحید پرست اور پاک طینت و نیک انسان جس کے لیے جو بھی کام کرے، اس کی حرکات وسکنات یا گفتار وکردار سے یہ شائبہ تک نہیں ہوتا کہ اس کے اس اچھے اور نیک نظر آنے والے کام میں کوئی بدنیتی اور خودغرضی شامل ہے۔ اور نہ ہی اس کے اس طرح کے کسی کام سے ایسے نتائج اخذ ہونے چاہیے کہ جن سے دوسرے لوگ اور مدمقابل فریق یہ تصور کرنے لگے کہ ہماری خاطر ہمارا یہ نیک اور مددگار انسان یہ عمل رضائے خدا کی بنا پر انجام نہیں دے رہا بلکہ اس کے عوض ہم ہی سے کسی نہ کسی قسم کے بدلے کی توقع رکھتا ہے یا کسی آرزو وامید کی تکمیل کا خواہاں ہے۔

حضرت موسٰیؑ وادی مقدس کے قریب:

حضرت موسٰی علیہ سلام مسلسل آٹھ سال تک ایک قسم کی جلاوطنی کے دور سے گذرے۔ بار نبوت کے حامل ہونے کے تمہیدی مراحل اور ایک نبی صالح کے سائے میں ایک عرصہ گذارنے کے بعد دوبارہ اپنے وطن کی طرف برگشت کرنے کا عزم وارادہ کرتے ہوئے مصر کی طرف پلٹے۔ اس سلسلہ میں بہت کم تاریخ وروایات میسر ہیں اور جو ہیں وہ بھی اسرائیلیات اور خبر احاد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قابل اعتناء نہیں اس بنا پر ہم حضرت موسٰی علیہ السلام کی اس مدت سے صرف نظر کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں کہ آپ نے دامن کوہ تک کا سفر کتنے عرصہ میں طے کیا۔ حضرت موسٰی علیہ سلام جب اپنی زوجہ کے ساتھ وادی طوٰی میں پہنچے تو چند چیزوں ایک تو سردی سے بچنے کیلئے آگ اور دوسرا روشنی کی ضرورت کو محسوس کیا۔ ان احساسات کی شدت نے حضرت موسٰی کو اپنی جگہ سے اٹھایا اور اپنی زوجہ سے فرمایا کہ آپ یہاں ٹھہریں میں کوئی گرم کرنے والی چیز یا روشنی کی تلاش میں جاتا ہوں۔ دامن کوہ پر پہنچنے پر حضرت موسٰی کو آگ تو نہیں ملی جو انکے جسم کو گرم کرتی بلکہ نور الٰہی نے ان کا استقبال

کیا اور ایک ندائے الٰہی نے آپ کو خلعت نبوت سے نوازا۔ ایک ایسے انیس ومونس نے حضرت موسٰی سے کہا کہ خوف وہراس نہ کریں میں آپ کا ہر وقت انیس ومونس ہوں۔ اب جو چیز آپکے دل کے اندر ہے اسے نکال دیں کیونکہ آپ اس وقت ایک مقدس مقام پر ہیں۔

حضرت موسٰیؑ مدین سے واپس جاتے وقت جب طور سینا کے قریب پہنچے تو سخت سردی صحراء اور تاریک شب تینوں نے مل کر حضرت موسٰی کو پریشانی میں مبتلا کیا۔ اس اثناء میں حضرت موسٰی نے دور سے آگ کے شعلے بلند ہوتے ہوئے دیکھے سورۂ قصص ۲۹ میں ملتا ہے کہ حضرت موسٰیؑ اور ان کی زوجہ کے ساتھ کوئی اور بھی انکے ہمراہ تھا کیونکہ حضرت موسٰیؑ نے ان سے لفظ "تصطلون" استعمال کیا ہے جو کہ جمع کا صیغہ ہے ہم نے چونکہ بیان قصص میں آیات قرآنی پر اعتماد کرنے کی سیرت کو ہی اپنایا ہے لہٰذا جتنا آیات قرآن سے استفادہ ہو سکے اس کو معتبر سمجھیں گے۔ البتہ تاریخ میں ان کی زوجہ کے ساتھ ان کے ایک غلام اور ایک بچے کا ذکر بھی موجود ہے۔ چنانچہ حضرت موسٰیؑ نے آگ کے شعلے دیکھتے ہوئے ان سے اجازت چاہی کہ وہ جا کر کوئی خبر لاتے ہیں۔ قرآن کریم کی متعدد آیات سے پتہ چلتا ہے حضرت موسٰی کے وہ کلمات جو انھوں نے اپنے اہل سے اجازت چاہنے کیلئے استعمال کئے وہ مختلف ہیں۔ کبھی فرمایا کہ میں آپ لوگوں کیلئے آگ کی چنگاری لے کر آؤں گا کبھی فرمایا آپ کے لئے کوئی خبر لے کر آؤں گا کبھی فرمایا کوئی رہنما لے کر آؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت موسٰیؑ اس صحراء میں ان کو تنہا چھوڑنا نہیں چاہتے تھے لہٰذا ان کو مختلف بیانات سے مطمئن کر رہے تھے۔ حضرت موسٰی جب اس آگ کے قریب پہنچے تو عجیب قسم کے دو مناظر سمعی وبصری کا نظارہ کیا اور آپ حیرت میں مبتلا ہوئے۔ جب طور پر پہنچے تو سرسبز درخت سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے نہ شعلے شجر کو جلاتے ہیں نہ آگ ہریالی شجر پر غالب آتی ہے دوسرا منظر چارسو ایک ندائے غیبی بلند ہوئی:

﴿انی انا ربك فاخلع نعليك انك بالواد المقدس طوًى﴾ "موسٰیؑ میں آپ کا رب ہوں اپنے جوتے اتار دیجئے کیونکہ آپ وادی مقدسہ طوٰی میں آئے ہیں" (

طٰہٰ/۱۲) یہ وہ مقدس جگہ ہے کہ یہاں آپ کے جسم اور وادی کے درمیان کوئی اور چیز حائل نہ ہو۔ہم نے نبوت کیلئے آپ کا انتخاب کیا ہے۔

حضرت موسیٰؑ مطمئن نہیں ہو رہے تھے کہ خدا نے انھیں اپنی نبوت کیلئے منتخب کیا ہے۔آپؑ اس انتخاب کیلئے شاہد و گواہ اور دلیل و برہان کے خواہاں تھے۔خدا وند متعال نے اطمینان موسیٰؑ کیلئے مزید خطاب فرمایا:

﴿ماتلك بيمينك يموسٰى ـقال هي عصاى اتوكؤاعليهاواهش بهاعلىٰ غنمي ولي فيهامارب اخرٰى﴾ ''موسیٰ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے عرض کی یہ عصا ہے جس سے میں تکیہ کا کام لیتا ہوں اپنے جانوروں کیلئے درخت سے پتے جھاڑتا ہوں اسکے علاوہ اس میں اور بھی میرے لئے فوائد ہیں (طٰہٰ/ ۱۷ تا ۱۸)

جب اس عصا کی حقیقت اور عادی فوائد کا ذکر کیا گیا تو خداوند عالم نے فرمایا کہ جو عصا تیرے ہاتھ میں ہے یہی صداقت کی دلیل بنے گا۔فرمایا اسے پھینک دو آپ نے جونہی اسے پھینکا تو یہ ایک اژدھا میں تبدیل ہوگیا۔یہ تبدیلی اپنی جگہ انوکھی اور غیر متوقع تبدیلی ہے کیونکہ درخت کی ایک سوکھی ہوئی شاخ ایک ہری بھری شاخ میں تبدیل ہونے کے بجائے ایک اور حقیقت میں تبدیل ہوگئی۔یعنی حیات نباتاتی کو چھوڑتے ہوئے حیات حیوانی میں تبدیل ہوئی۔حضرت موسیٰؑ نے یہ منظر دیکھا تو فورا پیچھے کی طرف پلٹے۔وہاں خدا نے پھر دعوت دی کہ موسیٰؑ واپس آجائیں ڈریں نہیں آپ صرف یہاں نہیں بلکہ ہمیشہ ہماری پناہ و امان میں رہیں گے آپ جہاں جائیں گے ہم آپکی حفاظت کریں گے۔یہی وعدہ الٰہی تھا جب نبی اسرائیل نے دریا کے کنارے پر لشکر فرعون کو اپنے عقب میں آتے ہوئے دیکھا اور خوف کھانے لگے تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا ایسا نہیں ہوگا میرا رب میرے ہمراہ ہے وہ میری رہنمائی کرے گا سورۂ نمل آیت ۱۰ میں ہے خدا نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا:

﴿انى لايخاف لدى المرسلون﴾ ڈریئے نہیں بے شک میرے حضور میں مرسلین

ڈرا نہیں کرتے''

''اور تمہیں کچھ موسیٰ کی خبر بھی پہنچی ہے؟ جب کہ اس نے ایک آگ دیکھی اور اپنے گھر والوں سے کہا کہ '' ذرا ٹھیرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔شاید کہ تمہارے لیے ایک آدھ انگارا لے آؤں، یا اس آگ پر مجھے (راستے کے متعلق) کوئی رہنمائی مل جائے'' (طٰہٰ ۹ سے ۳۴)

وہاں پہنچا تو پکارا گیا'' اے موسیٰ میں ہی تیرا رب ہوں، جوتیاں اتار دے۔تو وادی مقدس طویٰ میں ہے اور میں نے تجھ کو چن لیا ہے، سن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے، میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے، میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں، تا کہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔پس کوئی ایسا شخص جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش نفس کا بندہ بن گیا ہے تجھ کو اس گھڑی کی فکر سے نہ روک دے، ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائے گا۔اور اے موسیٰؑ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا یہ میری لاٹھی ہے، اس پر ٹیک لگا کر چلتا ہوں، اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں، اور بھی بہت سے کام ہیں جو اس سے لیتا ہوں، فرمایا پھینک دے اس کو موسیٰ'' اس نے پھینک دیا اور یکا یک وہ ایک سانپ تھی جو دوڑ رہا تھا۔فرمایا پکڑ لے اس کو اور ڈر نہیں، ہم اسے پھر ویسا ہی کر دیں گے جیسی یہ تھی، اور ذرا اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا، چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے۔یہ دوسری نشانی ہے اس لیے کہ ہم تجھے اپنی بڑی نشانیاں دکھانے والے ہیں۔اب تو فرعون کے پاس جا، وہ سرکش ہو گیا ہے۔موسیٰ نے عرض کیا'' پروردگار میرا سینہ کھول دے، اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ سلجھا دے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں، اور میرے لیے میرے اپنے کنبے سے ایک وزیر مقرر کر دے۔ہارون جو میرا بھائی ہے۔اس کے ذریعے سے میرا ہاتھ مضبوط کر اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے، تا کہ ہم خوب تیری پاکی بیان کریں اور خوب تیرا پرچار کریں۔

حضرت موسٰی علیہ السلام دربارِ فرعون میں

حضرت موسٰی علیہ السلام و ہارون علیہ السلام پروردگار عالم کے حکم کے تحت پیغام الٰہی لیکر دربار فرعون میں پہنچے اور فرمایا:

﴿وقال فرعون ذرونی اقتل موسی ولیدع ربه، انی اخاف ان یبدل دینکم اوان یظهر فی الارض الفساد۔وقال موسی انی عذت بربی وربکم من کل متکبر لا یومن بیوم الحساب﴾

''اور فرعون نے کہا: مجھے چھوڑو کہ میں موسی کو قتل کروں اور وہ اپنے رب کو پکارے مجھے ڈر ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا زمین میں فساد برپا کرے گا اور موسی نے کہا: میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس تکبر کرنے والے سے جو یوم حساب پر ایمان نہیں لاتا'' (غافر/۲۶ تا ۲۷) ﴿انا رسولا ربك فارسل معنا بنیٓ اسرآئیل ولا تعذبهم قد جئنٰك باٰیةٍ من ربك﴾ ''ہم تیرے رب کے فرستادہ ہیں، بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کیلئے چھوڑ دے اور ان کو تکلیف نہ دے ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانی لے کر آئے ہیں'' (طٰہٰ/۴۷) ﴿وقال موسی یفرعون انی رسول من رب العلمین۔حقیق علی ان لا اقول علی الله الا الحق قد جئتکم ببینة من ربکم فارسل معی بنی اسرائیل۔قال ان کنت جئت بایة فات بها ان کنت من الصٰدقین۔فالقی عصاه فاذا هی ثعبان مبین۔ونزع یده فاذا هی بیضاء للنظرین۔قال الملا من قوم فرعون ان هذا لسٰحر علیم۔یرید ان یخرجکم من ارضکم فماذا تامرون۔قالوا ارجه واخاه وارسل فی المدائن حشرین۔یاتوك بکل سٰحر علیم﴾ ''موسٰی نے کہا اے فرعون میں کائنات کے مالک کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں، میرا منصب یہی ہے کہ اللہ کا نام لے کر کوئی بات حق کے سوا نہ کہوں، میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے صریح دلیل ماموریت لے کر آیا ہوں، لہٰذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے فرعون نے کہا اگر تو

کوئی نشانی لایا ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے تو اسے پیش کر۔ موسٰی نے اپنا عصا پھینکا اور یکایک وہ ایک جیتا جاگتا اژدھا تھا۔اس نے اپنی جیب سے ہاتھ نکالا اور سب دیکھنے والوں کے سامنے وہ چمک رہا تھا۔اس پر فرعون کی قوم کے سرداروں نے آپس میں کہا کہ یقیناً یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے، تمہیں تمہاری زمین سے بے دخل کرنا چاہتا ہے، اب کہو کیا کہتے ہو پھر ان سب نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اسے اور اس کے بھائی کو انتظار میں رکھیے اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ ہر ماہر فن جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں'' (اعراف/۱۰۴ تا ۱۱۲) ﴿قال اجئتنا لتخرجنا من ارضنا بسحرك یٰموسٰی۔فلنا تینك بسحر مثله فاجعل بیننا وبینك موعدا لا نخلفه نحن ولا انت مکانا سوی۔قال موعدکم یوم الزینة وان یحشر الناس ضحی﴾ ''کہنے لگا اے موسی کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کر؟ اچھا ہم بھی تیرے مقابلے میں ویسا ہی جادو لاتے ہیں۔ طے کر لے کب اور کہاں مقابلہ کرنا ہے۔ نہ ہم اس قرارداد سے پھریں گے نہ تو پھریو۔ کھلے میدان میں سامنے آجا'' موسی نے کہا جشن کا دن طے ہوا اور دن چڑھے لوگ جمع ہوں'' (طٰہٰ/۵۷ سے ۵۹) ﴿فتنازعوا امرهم بینهم و اسروا النجوی۔قالوا ان هذٰن لسٰحرٰن یریدٰن ان یخرجکم من ارضکم بسحرهما ویذهبا بطریقتکم المثلی۔فاجمعوا کیدکم ثم ائتوا صفا، وقد افلح الیوم من استعلی﴾ ''یہ سن کر ان کے درمیان اختلاف رائے ہو گیا اور وہ چپکے چپکے باہم مشورہ کرنے لگے، آخرکار کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ دونوں تو محض جادوگر ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری زمین سے بے دخل کر دیں اور تمہارے مثالی طریق زندگی کا خاتمہ کر دیں۔ اپنی ساری تدبیریں آج اکٹھی کر لو اور ایکا کر کے میدان میں آجاؤ۔ بس یہ سمجھ لو کہ آج جو غالب رہا وہی جیت گیا'' (طٰہٰ/۶۲ تا ۶۴)

حضرت موسٰی علیہ السلام و ہارون نے انتہائی نرمی اور سادگی سے یہ پیغام الٰہی

فرعون تک پہنچایا۔ فرعون انکی اس دعوتِ الٰہی سے بہت متعجب ہوا کیونکہ فرعون جانتا ہے کہ یہ وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں جو اسکے گھر میں پلے بڑھے ہیں اس وقت تو یہ ایسی کوئی بات نہیں کرتے تھے اس لئے فرعون نے کہا کہ کیا تم نے ہمارے گھر پرورش نہیں پائی کیا ایک عرصہ تم ہمارے درمیان نہیں رہے پھر تم نے ایک انسان کو قتل بھی کیا ہے تو اسکے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں یہ سب ٹھیک ہے کہ میں نے یہ کیا ہے اور جب مجھے اپنی جان کا خوف ھوا تو میں نے یہاں سے فرار کیا:

﴿قال الم نربك فينا وليد و لبثت فينا من عمرك سنين ﴾ ''فرعون نے کہا کیا ہم نے تجھے بچپن میں اپنے ہاں نہیں پالا اور تو نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں بسر کیئے'' (شعراء/ ۱۸)

﴿وفعلت فعلتك التى فعلت او نت من الكفرين ﴾ ''اور اس کے بعد کر گیا جو کچھ کر گیا، تو بڑا احسان فراموش آدمی ہے'' (شعراء/ ۱۹) ﴿ قال فعلتها اذا وانا من الضالين ﴾ ''موسیٰ نے کہا ہاں اس وقت وہ حرکت مجھ سے سرزد ہوگئی تھی اور میں خطا کاروں میں سے تھا'' (شعراء/ ۲۰)

﴿ ففرت منكم لما خفتكم فوهب لى ربى حخما و جعلنى من المرسلين ﴾ ''اسی لیے جب میں نے تم لوگوں سے خوف محسوس کیا تو میں نے تم سے گریز اختیار کیا پھر میرے رب نے مجھے حکمت عنایت فرمائی اور مجھے رسولوں میں سے قرار دیا'' (شعراء/ ۲۱)

فرعون نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی بات پر قائم ہیں تو پوچھا میرے علاوہ کون خدا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہمارا رب وہ ہے جس نے خلق کیا پھر ہدایت بخشی۔ وہ آسمان وزمین اور جتنی مخلوقات ہیں سب کا مالک ہے تو فرعون نے کہا جو مر گئے ہیں ان کا کیا حال ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انکے بارے میں میرا رب جانتا ہے:

﴿انا قد اوحى الينا ان العذاب على من كذب و تولى ﴾ ''ہماری طرف یقیناً

وحی کی گئی ہے کہ عذاب اس شخص کے لیے معین ہے جو تکذیب کرے اور منہ موڑے'' (طٰہٰ/ ۴۸) ﴿قال فمن ربكما يموسٰى ﴾ ''فرعون نے کہا اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے'' (طٰہٰ/ ۴۹) ﴿قال ربنا الذى اعطى كل شئى خلقه ثم هدى ﴾ ''موسیٰ نے جواب دیا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی پھر ھدایت دی'' (طٰہٰ/ ۵۰) ﴿قال فما بال القرون الاولى ﴾ ''فرعون بولا پھر گزشتہ نسلوں کا کیا بنا'' (طٰہ ۵۱) ﴿قال علمها عند ربى فى كتب لايضل ربى ولا ينسى ﴾ ''موسیٰ نے کہا ان کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے۔ میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے'' (طٰہ/ ۵۲)

فرعون نے اس دعوت کو مسترد کیا کیونکہ وہ خود کو خدا سمجھتا تھا اور اس تعجب خیز دعوت کو لوگوں کے سامنے رکھا اور کہا یہ لوگ کیسی باتیں کرتے ہیں کیا یہ دیوانگی کی باتیں نہیں کرتے، لہٰذا اگر یہ اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹتے تو انھیں زندان میں بھیجو، حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام فرعون اور اسکی قوم کے الزامات اور بدکلامی سے مایوس نہیں ہوئے بلکہ انکا مقابلہ کرنے کیلئے ایک اور طریقے کا انتخاب کیا اور فرمایا ہمارے پروردگار نے ہمیں اپنا نبی ہونے کے ثبوت میں علامات اور نشانیاں عطا کی ہیں جو ہمارے نبی خدا ہونے کی دلیل ہیں۔ تو فرعون نے کہا اگر تم اس دعوت میں سچے ہو تو دلیل لاؤ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو وہ ایک بڑا اژدھا بن گیا پھر جب اپنا ہاتھ بغل میں ڈال کر باہر نکالا تو وہ چمک اٹھا۔ فرعون اور اسکے درباری ان واضح نشانیوں کو دیکھ کر سکتے میں پڑ گئے جب ان سے کچھ نہ بن سکا تو کہا تم جادوگر ہو۔ لہٰذا ہم شہر کے جادوگروں کو بلاتے ہیں اور تمہارا ان سے مقابلہ کرواتے ہیں اور اسکے بعد تمھیں شہر سے باہر نکال دیں گے۔ فرعون کے درباریوں نے بھی یہ ہی مشورہ دیا۔ اس کام کیلئے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مہلت مانگی پھر سب جادوگروں کو طلب کیا اور معاملہ کو ان کے سامنے رکھا جادوگر مطمئن تھے کہ وہ غالب آجائینگے۔ فرعون کو بھی ان پر اعتماد ہوا جب انھوں نے کہا کہ ہم موسیٰ کو شکست دے دیں گے یہاں

فرعون نے اپنی خود ساختہ خدائی کو بچتا محسوس کرتے ہوئے ان سے کہا اگر تم موسیٰ پر غالب آ گئے تو میں تمھیں بہت سے انعام واکرام سے نوازوں گا۔

درس: حضرت موسیٰ علیہ سلام کے نبوت پر مبعوث ہونے کے بعد جب انھیں عمل نبوت کی ذمہ داری سونپی گئی تو خداوند متعال نے سب سے پہلا حکم آپ کو یہ دیا کہ آپ فرعون کے پاس جائیں اور اسے دعوت حق دیں کیونکہ وہ طغیانی وسرکشی میں بہت آگے نکل چکا ہے۔ یہاں سے یہ درس ملتا ہے کہ ہر داعی کو اپنے دور میں موجود اور اپنی نظروں میں آنے والی فساد کی اس جڑ کو اول ہدف قرار دیتے ہوئے کوشش وقیام کرنا چاہیے۔ کہ جس کے ہوتے ہوئے کسی قسم کی اصلاح ناقص ونامکمل بلکہ ناممکن ہے اور فساد کی بنیادوں کو اکھیڑنے اور جڑوں کو کاٹے بغیر اصلاح کی توقع کرنا عبث و بے کار ہے۔ اسی بنیاد پر حضرت نوح وابراھیم اور خاتم انبیاء علیہ سلام کے ساتھ ساتھ تمام انبیاء کی دعوت کا مرکزی نقطہ اور ابتدائی عمل معاشرے سے اس بت کی نابودی وخاتمہ تھا کہ جس کے ہوتے ہوئے انسان خداوند متعال کی بجائے اسے باب الحوائج سمجھتے ہوئے اسکی پوجا وپرستش میں مصروف ہوں اور اسکی وجہ سے احکام و تعلیمات خدا کو جاننے اور ان پر عمل کی کوشش نہیں کرتے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ تعالی اور انسان کے درمیان ہمیشہ کوئی بت، نظریہ یا شخصیت بت کی حیثیت اختیار کر کے رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ تمام انبیاء ومرسلین نے معاشرے سے بتوں اور بت پرستی کے خاتمے کو اپنی دعوت کا نشانہ بنایا۔ حضرت موسیٰ علیہ سلام کے زمانے میں ان بتوں کا مجسم فرعون تھا لہٰذا انھوں نے پہلے مرحلہ میں ہی اسے نشانہ بنایا اور اپنی تمام تر توجہ اس بت کی نابودی پر مرکوز رکھی۔

پوری حکومت ورعیت ایک طرف، موسیٰ وہارون ایک طرف

﴿قالوا ارجه واخاه وارسل فی المدائن حشرين۔ ياتوك بكل سٰحر عليم۔ وجاء السحرة فرعون قالوا ان لنا لاجرا انكنا نحن الغلبين۔ قال نعم وانكم لمن المقربين۔ قالوا يموسى اما ان تلقى واما ان نكون نحن الملقين۔ قال القوا فلما القوا سحروا اعين الناس واسترهبوهم وجاء و بسحر عظيم۔ واوحينا الى موسى ان الق عصاك فاذا هی تلقف ما يافكون۔ فوقع الحق وبطل ما كانوا يعملون۔ فغلبوا هنالك وانقلبوا صغرين۔ والقى السحرة سٰجدين۔ قالوا امنا برب العلمين۔ رب موسى و هرون۔ قال فرعون امنتم به قبل ان اذن لكم ان هذا لمكرٌ مكرتموه فى المدينة لتخرجوا منها اهلها فسوف تعلمون۔ لاقطعن ايديكم وارجلكم من خلاف ثم لاصلبنكم اجمعين۔ قالوا انا الى ربنا منقلبون۔ وما تنقم منا الا ان امنا بايت ربنا لما جاء تنا، ربنا افرغ علينا صبرا و توفنا مسلمين۔ وقال الملا من قوم فرعون اتذر موسى وقومه ليفسدوا فى الارض ويذرك و الهتك،قال سنقتل ابناء هم ونستحی نساء هم وانا فوقهم قهرون﴾ ''پھر ان سب نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اسے اور اس کے بھائی کو انتظار میں رکھیے اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ ہر ماہر فن جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں چنانچہ جادوگر فرعون کے پاس آ گئے انہوں نے کہا اگر ہم غالب رہے تو ہمیں اس کا صلہ تو ضرور ملے گا؟ فرعون نے جواب دیا ہاں اور تم مقرب بارگاہ ہوگے پھر انہوں نے موسی سے کہا تم پھینکتے ہو یا ھم پھینکیں موسی نے جواب دیا تم ہی پھینکو انہوں نے جو اپنے انچھر پھینکے تو نگاہوں کو مسحور اور دلوں کو خوف زدہ کر دیا اور بڑا ہی زبردست جادو بنا لائے ہم نے موسی کو اشارہ کیا کہ پھینک اپنا عصا اس کا پھینکنا تھا کہ آن کی آن میں وہ ان کے اس جھوٹے طلسم کو نگلتا چلا گیا۔ اس طرح جو حق تھا وہ حق ثابت ہوا اور جو کچھ انہوں نے بنا رکھا تھا وہ باطل ہو کر رہ گیا۔ فرعون اور اس کے ساتھی میدان مقابلہ میں مغلوب ہوئے اور (فتح مند ہونے کی بجائے) الٹے ذلیل ہو گئے اور جادوگروں کا حال یہ ہوا کہ گویا کسی چیز نے اندر سے انہیں سجدے میں گرا دیا۔ کہنے لگے ہم نے مان لیا رب العالمین کو، اس رب کو جسے موسی اور ہارون مانتے ہیں فرعون نے کہا تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں، یقیناً یہ کوئی خفیہ سازش تھی جو تم لوگوں نے اس دارالسلطنت میں کی تا کہ اس کے مالکوں کو اقتدار سے بے دخل کر

دو۔ اچھا تو اس کا نتیجہ اب تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوادوں گا اور اس کے بعد تم سب کو سولی چڑھاؤں گا انہوں نے جواب دیا بہرحال ہمیں پلٹنا اپنے رب ہی کی طرف ہے۔ تو جس بات پر ہم سے انتقام لینا چاہتا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمارے رب کی نشانیاں جب ہمارے سامنے آگئیں تو ہم نے انہیں مان لیا۔ اے رب، ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں دنیا سے اٹھا تو اس حال میں کہ ہم تیرے فرماں بردار ہوں''

فرعون سے اس کی قوم کے سرداروں نے کہا'' کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑ دے گا کہ ملک میں فساد پھیلائیں اور وہ تیری اور تیرے معبودوں کی بندگی چھوڑ بیٹھیں؟ فرعون نے جواب دیا'' میں ان کے بیٹوں کو قتل کراؤں گا اور ان کی عورتوں کو جیتا رہنے دوں گا۔ ہمارے اقتدار کی گرفت ان پر مضبوط ہے'' (اعراف/ ۱۱۱ تا ۱۲۷)

'' جب آپ کے رب نے موسیٰ کو بلایا (اور کہا) کہ آپ ظالم لوگوں کے پاس جائیں۔ فرعون کی قوم کے پاس۔ کیا وہ ڈرتے نہیں؟ موسیٰ نے عرض کی: پروردگارا! مجھے اس بات کا خوف ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے اور میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے اور میری زبان نہیں چلتی سو تو ہارون کو پیغام بھیج (کہ میرا ساتھ دیں) اور ان لوگوں کے لئے میرے ذمے ایک جرم (کا دعویٰ) بھی ہے لہٰذا مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ فرمایا: ہرگز نہیں! آپ دونوں ہماری نشانیاں لے کر جائیں کہ ہم آپ کے ساتھ رہیں گے۔ آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں اور اس سے کہیں ہم رب العالمین کے رسول ہیں۔ کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔

فرعون نے کہا: کیا ہم نے تجھے بچپن میں اپنے ہاں نہیں پالا؟ اور تو نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں بسر کیے۔ اور تو کر گیا اپنا وہ کرتوت جو کر گیا اور تو ناشکروں میں سے ہے۔

موسیٰ نے کہا: ہاں اس وقت وہ حرکت مجھ سے سرزد ہو گئی تھی اور میں خطا کاروں

میں سے تھا۔ اسی لیے جب میں نے تم لوگوں سے خوف محسوس کیا تو میں نے تم سے گریز اختیار کیا پھر میرے رب نے مجھے حکمت عنایت فرمائی اور مجھے رسولوں میں سے قرار دیا اور تم مجھ پر اس بات کا احسان جتاتے ہو کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھا ہے؟ (یہ غلامی تھی احسان نہیں تھا)۔ فرعون نے کہا: رب العالمین کیا ہے؟۔ موسیٰ نے کہا: آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا رب اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ فرعون نے اپنے اردگرد کے درباریوں سے کہا: کیا تم سنتے نہیں ہو؟ موسیٰ نے کہا: وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔ فرعون نے (لوگوں سے) کہا: جو رسول تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ دیوانہ ہے۔

موسیٰؑ نے کہا: وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کا پروردگار ہے اگر تم لوگ عقل رکھتے ہو۔ فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے علاوہ کسی کو معبود بنایا تو میں تمہیں قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔ موسیٰ نے کہا: اگر میں تیرے پاس واضح چیز (معجزہ) لے آؤں تو؟۔ فرعون نے کہا: اگر تم سچے ہو تو اسے لے آؤ۔ پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ دفعتاً نمایاں اژدھا بن گیا اور (گریبان سے) اپنا ہاتھ نکالا تو وہ تمام ناظرین کیلئے چمک رہا تھا۔ فرعون نے اپنے گردوپیش کے درباریوں سے کہا: یقیناً یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال باہر کرے تو تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ وہ کہنے لگے: اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دو اور شہروں میں ہرکارے بھیج دو۔ کہ وہ تمام ماہر جادوگروں کو تمہارے پاس لے آئیں چنانچہ مقررہ دن کے مقررہ وقت پر جادوگر جمع کر لیے گئے اور لوگوں سے کہا گیا: کیا تم جمع ہو جاؤ گے؟ شاید ہم جادوگروں کے پیچھے چلیں اگر یہ لوگ غالب رہیں جب جادوگر آ گئے تو فرعون سے کہنے لگے: اگر ہم غالب رہے تو کیا ہمارے لئے بھی کوئی صلہ ہو گا؟۔ فرعون نے کہا: ہاں! اور اس صورت میں تو مقربین میں سے ہو گے۔

موسیٰ نے ان سے کہا: تمہیں جو پھینکنا ہے پھینکو۔ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں

ڈال دیں اور کہنے لگے: فرعون کی جاہ وجلالت کی قسم! بے شک ہم ہی غالب آئیں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو اس نے دفعتًا انکے سارے خود ساختہ دھندے کو نگل لیا۔ اس پر تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ کہنے لگے: ہم عالمین کے پروردگار پر ایمان لے آئے۔ موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔ فرعون نے کہا: میری اجازت سے پہلے تم موسیٰ کو مان گئے؟ یقیناً یہ (موسیٰ) تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ ابھی تمہیں (تمہارا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ میں تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف سمتوں سے ضرور کٹوا دوں گا اور تم سب کو ضرور سولی پر لٹکا دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا: کوئی حرج نہیں ہم اپنے رب کے حضور لوٹ جائیں گے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو لے کر رات کو نکل پڑیں یقیناً آپ کا تعاقب کیا جائے گا۔ (ادھر) فرعون نے شہروں میں ہرکارے بھیج دیئے۔ (ان کے ساتھ یہ کہلا بھیجا) کہ بیشک یہ لوگ چھوٹی سی جماعت کی صورت میں ہیں اور انہوں نے میں بہت غصہ دلایا ہے اور اب ہم سب پوری طرح مستعد ہیں چنانچہ ہم نے انہیں باغوں اور چشموں سے نکال دیا ہے اور خزانوں اور بہترین رہائش گاہوں سے بھی۔ اس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنا دیا۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی (فرعون کے) لوگ ان کے تعاقب میں نکل پڑے۔ جب دونوں گروہ ایک دوسرے کو دکھائی دینے لگے تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا: ہم تو پکڑے گئے۔ موسیٰ نے کہا: ہر گز نہیں! میرا پروردگار یقیناً میرے ساتھ ہے وہ مجھے راستہ دکھا دے گا پھر ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی: اپنا عصا سمندر پر ماریں چنانچہ دریا پھٹ گیا اور اس کو حصہ عظیم پہاڑ کی طرح ہو گیا اور وہاں ہم نے دوسرے گروہ کو بھی نزدیک کر دیا پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو بچا لیا۔ اس کے بعد دوسروں کو غرق کر دیا۔ (شعراء/۱۰تا۶۶)

فرعون کیلئے حضرت موسیٰؑ کی نفرین:

جب حضرت موسیٰؑ فرعون اور اس کے گروہ کے ایمان بہ خدا لانے سے مایوس

ہوئے تو درگاہ ایزدی میں انکی طغیان و سرکشی ظلم و بربریت کی شکایت کی کہ خداوندا تو نے اس دنیا کی تمام زینتوں، عیش و طرب، مال و دولت سے ان کو نوازا تھا وہ بجائے اس کے تیرے شکر گزار بندے بن جاتے اور تیرے علاوہ کسی اور کو اِلٰہ نہ مانتے لیکن وہ خود بھی گمراہی کے راستے پر گامزن ہیں اور دوسروں کو بھی راہ ہدایت سے گمراہ کر رہے ہیں۔ اب مزید ان کو ان نعمات میں نہ رکھ ان کے مال و اسباب کو ختم کر اور انکے دلوں میں جو قساوت ہے وہ پر کرتا کہ وہ تیرے دردناک عذاب کے مستحق ہو جائیں۔ یہاں حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں بارگاہ خداوندی میں نفرین کی اس سے قبل حضرت نوحؑ نے بھی کافرین کے حق میں نفرین کی انبیاء کرام کی ظالمین و ستم گران زمانہ کے خلاف نفرین انکے اپنے اضطراب قلب کی آگ کو سرد کرنے اور غیض و غضب کی تشفی کیلئے نہیں بلکہ انکا اضطراب قلب باطل کے خلاف غلبہ کیلئے ہوتا تھا یہاں ہم یہ استدلال کر سکتے ہیں اور اس کو علامت ایمان سمجھتے ہیں کہ انسان کو اپنے دین کے بارے میں باغیرت ہونا چاہیے۔ انسان ناتواں اگر طاقت و قدرت سے غلبہ باطل و جہالت کو نہیں مٹا سکتا تو کم از کم قلبی و ذہنی طور پر باطل کی سرگرمیوں اور ریشہ دوانیوں کیلئے بددعا کرنا اسکی غیرت دینی کا نمایاں سبب ہے۔ کیونکہ مزید غلبہ باطل شکست و نابودی یا خاتمہ ایمان بنتا ہے، جب حضرت موسیٰؑ نے درگاہ خدا میں صدا نفرین بلند کی تو آپ کے بھائی ہارون بھی شریک تھے اور انھوں نے اس پر امین کہا لہٰذا خدا سمیع و البصیر نے ان دونوں بھائیوں سے خطاب کر کے فرمایا ہم نے آپ کی دعا کو استجاب فرمایا آپ مطمئن رہیں جاہلوں کی راہ پر نہ چلیں اسکے بعد خداوند عالم نے حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل کی کہ آپ میرے ایمان لانے والوں کو لیکر راتوں رات یہاں سے نکل جائیں۔

فرعون کے غرق ہونے کا قصہ:

﴿واوحینا الی موسی ان اسر بعبادی انکم متبعون، فارسل فرعون فی المدآن حشرین، ان ھئولاء لشرذمھة قلیلون، وانھم لنا لغائظون، وانا لجمیع

حذرون، فاخرجنهم من جنت و عیون، و کنوز ومقام کریم، کذلے واورثنها بنی اسرائیل، فاتبعو هم مشرقین، فلما ترآء الجمعن قال اصحب موسی ان لمدرکون، قال کلا ان معنی ربی سیهدین، فاوحینا الی موسی ان اضرب بعصاك البحر، فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم، وازلفنا ثم الاخرین، وانجینا موسی ومن معه اجمعین، ثم اغرقنا الاخرین، ان فی ذلك لایة، وما کان اکثرهم مومنین﴾

''اور ہم نے موسٰی کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو لے کر رات کو نکل پڑیں یقیناً آپ کا تعاقب کیا جائے گا،فرعون نے شہروں میں ہرکارے بھیج دیے، کہ بے شک یہ لوگ چھوٹی سی جماعت کی صورت میں ہیں، اورانہوں نے ہمیں بہت غصہ دلایا ہے،اوراب ہم سب پوری طرح مستعد ہیں، چنانچہ ہم نے انہیں باغوں اورچشموں سے نکال دیا ہے، اورخزانوں اور بہترین رہائش گاہوں سے بھی، اس طرح ہم نے بنی اسرائیل کوان کا وارث بنا دیا، چنانچہ صبح ہوتے ہی (فرعون کے) لوگ ان کے تعاقب میں نکل پڑے، جب دونوں گروہ ایک دوسرے کودکھائی دینے لگےتو موسی کے ساتھیوں نے کہا ہم تو پکڑے گئے،موسی نے کہا ہرگزنہیں میرا پروردگار یقیناً میرے ساتھ ہے۔وہ مجھے راستہ دکھا دے گا، پھرہم نے موسی کی طرف وحی کی اپنا عصا دریا پر ماریں چنانچہ دریا شگاف ہوگیا دونوں طرف پہاڑ بن گئے،اوروہاں ہم نے دوسرے گروہ کوبھی نزدیک کر دیا، پھرہم نے موسی اوران کے تمام ساتھیوں کو بچالیا،اس کے بعد دوسروں کوغرق کردیا، اس واقعہ میں ایک نشانی ہے پھربھی ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے''(شعراء/۵۲تا ٦٧)

﴿ولقد اوحینا الی موسی ان اسر بعبادی فاضرب لهم طریقا فی البحر یبسا، لا تخف درکا ولاتخشی، ، فاتبعهم فرعون بجنوده فغشیهم من الیم ما غشیهم، واضل فرعون قومه وما هدی، یبنی اسرائیل قد انجینکم من

عدوکم و وعدنکم جانب الطور الا یمن ونزلنا علیکم المن والسلوی﴾ ''ہم نے موسٰی پر وحی کی کہ اب راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چل پڑ،اوران کے لئے دریا سے سوکھی سڑک بنالے، تجھے کسی کے تعاقب کا ذرا خوف نہ ہواور نہ (دریا کے بیچ سے گزرتے ہوئے) ڈر لگے، پیچھے فرعون اپنے لشکر لے کر پہنچا، اور پھر دریاان پر چھا گیا جیسا کہ چھا جانے کا حق تھا،فرعون نے اپنی قوم کوگمراہ ہی کیا تھا،کوئی صحیح رہنمائی نہیں کی تھی   اے بنی اسرائیل ہم نے تم کوتمہارے دشمن سے نجا ددی،اورطور کے دائیں جانب تمہاری حاضری کے لیے وقت مقرر کیا اورتم پر من وسلوی اتارا''(طٰہ/۷۷تا ۸۰)﴿حتٰی اذاادرکه الغرق﴾ ''حتٰی کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو بول اٹھا''(یونس/ ۹۰)

خداوند عالم نے حضرت موسٰیؑ اور بنی اسرائیل کو معجزے سے دریا پار پہنچایا۔جب حضرت موسیٰؑ نے دریا پر عصا مارا تو پانی منجمد ہوگیا۔حضرت موسٰی اور بنی اسرائیل دریا سے نکل گئے۔اسکے بعد حضرت موسیٰؑ نے دریا میں دوبارہ عصا مارنے کا ارادہ کیا تا کہ فرعون اوراسکا لشکر اس راستے سے نہ گزرنے پائیں تو خداوند عالم نے حضرت موسٰیؑ کواس عمل سے منع کیا:

﴿واترك البحر رهوًا﴾ ''سمندر کواُس کے حال پر کُھلا چھوڑ دے''(دخان/۲۴)

کہا دریا کواپنے حال پر چھوڑیں جب فرعون اورلشکر فرعون اسی راستے سے داخل ہوئے۔یہاں ایک غورطلب نقطہ ہے کہ اگر خداوند عالم کسی فرد یا کسی قوم کواسکی سرکشی کی بنا پر اسکو ہلاک کرنا چاہے تو اس کی غوروفکر کرنے کی تمام صلاحیت صلب کرلیتا ہے وہ عقل وشعور سے خالی وعاری ہوجاتی ہے حضرت موسٰیؑ اور بنی اسرائیل جب دریا کو عبور کرکے نکلے تو فرعون کو چاہیئے تھا کہ وہ حضرت موسٰیؑ کا تعاقب نہ کرتا کیونکہ اسے مزاحمت کا سامنے کرنے والے گروہ سے نجات مل گئی تھی وہ ازخود ہی مصر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔اسکے علاوہ دریا کا منجمد ہونا اورراستہ چھوڑنے کا مطلب یہی ہے کہ حضرت موسٰیؑ حق پر ہیں وہ اپنے دعوٰی میں صادق

ہیں۔ یہ منظر دیکھتے ہی اسے حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانا چاہیے تھا لیکن جب انسان سرکشی کی منزلِ انتہا تک پہنچ جاتا ہے تو اس سے یہ توفیقات صلب ہو جاتی ہیں اسکا نفس شریر اس کو حرکت میں لایا اور اپنے لشکر سمیت دریا میں داخل ہوا کہ راستہ موجود ہے۔ انکے داخل ہوتے ہی خداوند متعال نے پانی کو حکم دیا وہ اپنے انجماد سے نکل کر اپنی اصلی حالت سیلان میں تبدیل ہو جائے: (یونس: ۹۰) جب پانی برابر ہو گیا تو اس نے ایمان لانا چاہا۔ لیکن وہ پانی میں غرق ہوا اسکا یہ کہنا کہ میں بنی اسرائیل کے رب پر ایمان لایا یہ بھی صرف الفاظ کی ادائیگی تک محدود تھا۔

﴿قل لم تؤمنوا ولكن قولوا اسلمنا ولما يدخل الايمان في قلوبكم﴾ ''ان سے کہو، تم ایمان نہیں لائے، بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا'' (حجرات/۱۴) اگر دل کی گہرائیوں سے ہوتا تو جسطرح خداوند متعال نے قوم یونس کو عذاب سے نجات دلائی فرعون کو بھی بچا لیتا:

﴿فاليوم ننجك ببدنك لتكون لمن خلفك اٰية﴾ ''اب تو ہم صرف تیری لاش کو بچائیں گے تا کہ تو بعد کے نسلوں کے لئے نشانِ عبرت بنے'' (یونس: ۹۲) خدا نے فرمایا اب ایمان لاتے ہو جبکہ تم عصیان کا انجام دیکھ رہے ہو آج ہم تمہارے بدن کو تعفن اور گندگی و تولیدگی سے بچاتے ہیں تا کہ آنے والوں کیلئے اور جنھوں نے تیری پرستش کی ہے ان کیلئے عبرت ہو اسے پانی نے باہر پھینکا اگر وہ غرق ہو جاتا تو اس کے ماننے والے کہتے کہ فرعون چھپ گئے ہیں اور جلد ظہور کریں گے اس لئے خدا نے اسکا جسم بھی لوگوں کیلئے عبرت کیلئے بنا کر رکھا تا کہ لوگ دیکھیں کہ ظالمین کا کیا انجام ہوتا ہے:

﴿فانظروا كيف كان عاقبة الظّٰلمين﴾ ''اب دیکھ لو کہ ان ظالموں کا کیسا انجام ہوا'' (قصص/۴۰)

بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بت سازی کا مطالبہ

تاریخ بشریت میں بنی اسرائیل جیسی جاہل و نادان بے حس اور احسان فراموش قوم

کی شاید ہی کوئی مثال ملتی ہو۔ وہ قوم جسے سالہا سال کی ذلت خواری سے چھٹکارا دلایا گیا جو رحمت خدا سے ایک معجزہ محیر العقول اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہو کہ دریا حضرت موسیٰ پر شگاف ہوا اور انکے لئے راستہ بن گیا۔ انھی کی نظروں کے سامنے انکا دشمن دریا میں غرق ہوا۔ یہ تمام مناظر دیکھنے کے بعد ایک بت شکن اور خرافات سے نبرد آزما نبی کلیم اللہ کے حضور یہ درخواست کرتی ہے کہ جسطرح اور قوموں کے بت ہیں جنکی وہ پوجا کرتے ہیں ہمارے لئے بھی ایک بت بنا دیں۔ ایک عام انسان بھی یہ سوچ سکتا ہے کہ اس وقت قلب موسیٰ علیہ سلام پر کیا گذری ہوگی۔ لیکن اس دل کا کیا کہنا کہ جسے خدا نے ثابت و استوار کیا اور اپنی دعوت کیلئے منتخب کیا۔ انھوں نے نہایت سادہ انداز میں جواب دیا تمھارا یہ مطالبہ ایک بیوقوفانہ حرکت ہے۔ تمھیں اس خدا کا ذکر کرنا چاہے کہ جس وقت تم پیاس کی شکایت کی تو پتھر سے تمھارے لئے چشمے نکالے اتنے کہ ہر قبیلہ اس سے سیراب ہوا۔ تمہارے لیے آسمان سے کھانا نازل کیا۔ آیا ان نعمتوں کا یہ صلہ ہے۔

ایک بستی کا قیام:

خداوند عالم نے حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کو اپنی قوم کیلئے ایک بستی کے قیام کا حکم دیا:

﴿واوحينا الىٰ موسٰى واخيه ان تبوّا لقومكما بمصر بيوتًا واجعلوا بيتكم قبلةً واقيموا الصلٰوة﴾ ''اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ مصر میں اپنی قوم کیلئے مکانات مہیا کرو اور اپنے مکانوں کو قبلہ بناؤ اور نماز قائم کرو'' (یونس/ ۸۷) اس آیت میں فرماتے ہیں اپنی قوم کیلئے مصر میں ایک بستی بنائیں اور اپنے گھروں کو قبلہ بنائیں۔ بیوت گھروں کو کہتے ہیں جہاں انسان کام کاج کرنے کے بعد واپس استراحت کے لئے آتا ہے اسے بیوت کہتے ہیں یہاں بنی اسرائیل کی قوم کیلئے حکم نہیں کہ گھر بناو۔ گھر بنانے کا حکم خاص ہے یعنی ایسا گھر بنائے۔ جس کیطرف نماز کے وقت متوجہ ہوں یعنی قبلہ کی طرف جسطرح مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو مسجد میں ایک قبلہ ہے اگر باہر

پڑھیں گے تو قبلے کا تعین کیا جاتا ہے۔صدر اسلام میں جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوتے ان کو دن کی نمازیں گھر میں ادا کرنے کی اجازت تھی اور جب مشرکین مکہ سو جائے تو یہ لوگ رات کی تاریکی میں پیغمبر اکرمؐ کیساتھ ادا کرتے تھے دوسرا یہ کہ گھروں کو ایک دوسرے سے ملا کر یعنی قریب قریب بناؤ۔ چنانچہ اسی تسلسل میں آج بھی یہود کسی بھی شہر میں ہوں وہاں ایک بستی تعمیر کرتے ہیں اسکو یہودی بستی کہتے ہیں اگر چہ ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو خداوند عالم نے آلعمران ۱۱۲ میں فرمایا کہ جہاں بھی آباد ہوں گے ذلیل خوار ہوں گے: ﴿ضربت علیهم الذلة این ماثقفوا﴾ ''یہ جہاں بھی ہوں گے ذلت وخواری سے دوچار ہوں گے''

ذلت وخواری انکے لئے ضروری قرار دی ہے آج تک وہ تنگی و ذلت میں ہیں حضرت موسٰی و ہارون کو حکم ہوا کہ ایک بستی بنائیں جسکا رخ قبلہ کی طرف ہو، چونکہ نماز ایک ایسا عمل یا فرض ہے جو کبھی ساقط نہیں ہوتا اسلام میں کلمہ شہادت کے بعد جو ہر فرد پر لازم ہے وہ نماز ہے کیونکہ زکوۃ فقیر پر روزہ مسافر و بیمار پر ساکت ہے جبکہ حج ایک دفعہ فرض ہے لیکن نماز ہر وقت فرض ہے کسی عذر پر معاف نہیں آپ کھڑے ہو کر بیٹھ کر لیٹ پڑھیں اس میں جو حکم ہے کہ موسٰی اور ہارون اور ان پر ایمان لانے والوں کو کہا ہے کہ اپنے گھر کو عبادت کے لئے قبلہ بناؤ۔

حضرت موسٰی علیہ سلام اور کوہ طور کی دعوت

اس میں ایک واقعہ، کوہ طور کا ہے:

﴿انك بالوادالمقدس طوی﴾ ''بتحقیق آپ طوی کی مقدس وادی میں ہیں'' (طٰہ/۱۲)

﴿اذناده ربه بالوادالمقدس طوی﴾ ''جب ان کے رب نے طوٰی کی مقدس وادی میں انھیں پکارا تھا'' (نازعات/۱۶)

پیغمبر اکرمؐ سے خطاب ہے اس وقت کو یاد کرو جب حضرت موسٰی علیہ السلام نے

خداوند متعال سے اپنی قوم کی خاطر سیرابی کی دعا کی:

﴿واذاستسقٰی موسٰی لقومه﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسٰی نے اپنی قوم کیلئے پانی طلب کیا'' (بقرہ/۶۰)

اور پہاڑ کوان کے سر پر بلند کیا اس ذات کو یاد کرو جس نے تمھیں اپنی نعمتوں سے نوازا:

﴿واذنتقناالجبل فوقهم كانه ظلة وظنوآانه واقع بهم خذواماآتينكم بقوةٍ واذكروامافيه لعلكم تتقون﴾ ''اور یہ بات بھی یاد کرو جب ہم نے پہاڑ کوان کے اوپر اس طرح اٹھایا گویا وہ سائبان ہو اور انھیں یہ گمان تھا کہ وہ ان پر گرنے ہی والا ہے (ہم نے ان سے کہا) جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے پوری قوت کے ساتھ اس سے متمسک رہو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو شاید کہ تم تقوٰی والے بن جاؤ'' (اعراف/۱۷۱) جبل سے مراد پہاڑ ہے جو مختلف اجزاء سے مرکب ہوتا ہے۔ جب خدا نے پہاڑ ان پر لا کھڑا کیا تو بنی اسرائیل کو خوف لاحق ہوا کہ کہیں پہاڑ ان پر نہ گر پڑے اور وہ ختم نہ ہو جائیں۔ یہودیوں کا نماز میں دائیں آنکھ سے اوپر دیکھنے کی وجہ یہی ہے کہ یہ اس وقت دائیں طرف سے اپنی آنکھ سے پہاڑ کو دیکھتے تھے کہ جب وہ سجدے کی حالت میں ہوں تو کہیں پہاڑ ان پر نہ آ کر گرے اور انہیں فرار کا موقع بھی میسر نہ آئے۔ بنی اسرائیل نے ابھی تک اس طریقے کو نماز میں جاری رکھا ہوا ہے۔ یہ پوری پیشانی سے سجدہ نہیں کرتے بلکہ ایک طرف اوپر اٹھا کے رکھتے ہیں۔

خداوند متعال نے حضرت موسٰی علیہ السلام کو تیس راتیں مناجات میں گذارنے کی دعوت دی۔ اور ساتھ ہی ایمان لانے والے بعض منتخب و برگزیدہ افراد کو بھی ساتھ لیکر آنے کا حکم دیا۔ حضرت موسٰی علیہ السلام اس اعلٰی وارفع دعوت اور اپنے مالک و خالق سے شوق و رغبت ملاقات کی خوشی میں دنیا و مافیھا سے بے خبر ہو کر طور پر پہنچے اسکا ذکر سورہ طٰہ ۸۳ میں ہوا ہے:

﴿وما اعجلك عن قومك يموسٰى﴾

"اے موسیٰ آپ نے اپنی قوم سے پہلے آنے میں جلدی کیوں کی"

خداوند متعال نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا آپ پہلے کیوں آئے ہیں تو آپ نے فرمایا وہ پیچھے آرہے ہیں میں تیری رضا وخوشنودی کیلئے پہلے آیا ہوں۔ یہاں خداوند کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کوخبر دی کہ آپکی قوم گوسالہ پرستی کے فتنہ میں مبتلا ہوگئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ سلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد سامری میدان عمل میں آیا اس نے قوم سے کہا کہ موسیٰ نئے خدا کی جستجو میں یہاں سے گئے ہیں اور ابھی تک واپس نہیں آئے شاید انھیں خدا نہیں ملا جبکہ خدا ہمارے پاس یہاں موجود ہے:

﴿واتخذ قوم موسٰی من بعد ہ من حلیهم عجلا جسدا له خوار﴾ "اور موسیٰ کی قوم نے اپنے زیورات سے ایک بچھڑا بنالیا" (اعراف/۱۴۸)

اس طرح اس نے ایک گوسالہ جس سے آواز نکلتی تھی قوم موسیٰ کے سامنے رکھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے واپس آئے تو قوم سے پوچھا کیا خدا نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا کیا میرے وعدہ میں دیر ہوگئی تھی۔ تو قوم نے یہ کہ کر حضرت موسیٰ کو خاموش کرنیکی کوشش کی کہ ہم نے خود اپنے تئیں آپکی مخالفت مول نہیں لی بلکہ یہ ہماری طاقت سے باہر تھی۔

ہمیں سونے چاندی کے زیوارت فرعون سے ملے تھے ہم نے ان سب کو اس لئے پھینک دیا کہ یہ حرام تھے۔ لیکن سامری نے ان سب کو یکجا کر کے ایک گوسالہ بنایا اور ہم سے کہا یہ ہی تمہارا خدا ہے:

﴿فاخرج لهم عجلا جسدا له خوار فقالو هذا الهکم واله موسٰی﴾ "اور ان کے لیے ایک بچھڑے کا قالب بنا کر نکالا جس میں گائے کی سی آواز تھی پھر وہ بولے یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود" (طٰہٰ/۸۸)

اور یہ بھی کہا کہ موسیٰ تمہاری طرف پلٹ کر آنے والے نہیں:

﴿واله موسٰی فنسی﴾ "موسیٰ اسے بھول گیا" (طٰہٰ/۸۹)

نزول تورات اور بنی اسرائیل

جب فرعون وفرعونیان دریا میں غرق ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے دریا کے دوسرے کنارے اپنے دیرینہ دشمن کو عذاب میں مبتلا ہوتے دیکھا۔ جس سے انھیں ہمیشہ کیلئے آزادی ملی تو انھوں نے سکون کا سانس لیا۔ خداوند متعال نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک نظام کامل عطا کرنے کے لئے کوہ طور پر بلایا اور فرمایا کہ اپنے ساتھ بنی اسرائیل سے برگزیدہ صاحبان عقل وشعور اور ایمان والوں کو بھی ساتھ لائیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کوہ طور پر پہنچے تو دیکھا کہ خداوند متعال اپنے بندوں پر کتنا رؤف ومہربان ہے اس نے کوطور سے ایک پہاڑ کا ٹکڑا ایک چھتری کی مانند بنی اسرائیل کے ان برگزیدہ بزرگوں پر سائیہ افگن کیا۔ چنانچہ اس کا ذکر قرآن کریم میں سورہ اعراف ۱۷۱ اور بقرہ ۶۳، نساء ۱۵۴ میں موجود ہے:

﴿واذنتقنا الجبل فقوهم کانه ظلة وظنوا انه واقع بهم﴾

"اور جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر اس طرح اٹھایا گویا وہ سائبان ہو اور انھیں یہ گمان تھا کہ وہ ان پر گرنے ہی والا ہے" (اعراف/۱۷۱)

خدا نے سورج کی تپش وگرمی سے بچانے کی لئے اپنی رحمت کے سبب پہاڑ کو اٹھایا تا کہ وہ اطمینان وسکون سے توجہ کے ساتھ درگاہ خدا میں راز ونیاز کریں اور عطا وہبۂ الٰہی کو اطمینان قلب کے ساتھ وصول کرسکیں۔

لیکن وہ انسان جو کفران نعمت کے عادی تھے ایک عرصہ غلامی کا طوق وزنجیر پہننے والے تھے وہ بھلا آزادی کی کیا قدر وقیمت جانتے لہٰذا انھوں نے اپنے محسن پر بھی بدگمانی کی کہ یہ طور کے پہاڑ کا ٹکڑا جو ہمارے سر پر اٹھایا ہے یہ ہم پر عذاب نازل کرنے کیلئے ہے اس لئے وہ سجدے میں جاتے وقت اپنی پیشانی کو بائیں طرف جھکا کر سجدہ کرتے تا کہ پہاڑ کو دیکھ سکیں کہ کہیں وہ ان پر نہ گرے۔ جب تورات کو لیا تو خداوند متعال نے فرمایا جو ہم دیتے ہیں اس کو قوت قلب سے لیں اور اس میں موجود آیات کا پاس رکھیں۔ لیکن بنی اسرائیل نے

تورات کے ساتھ جوسلوک روا رکھا وہ دنیا جانتی ہے۔قرآن کریم نے انکے تورات میں تحریف کرنے کے عمل کو اٹھایا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اور تلقیہ تورات

تورات عبرانی زبان میں تورہ اور توریۃ دونوں طرف سے تلفظ کیا جاتا ہے۔اس کا معنی عربی میں شریعت یا ناموس کے ہیں۔تورات کتب آسمانی میں حضرت موسیٰ علیہ سلام پر نازل ہونے والی کتاب کا نام ہے۔یہودیوں نے تورات کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ سفرتکوین

۲۔سفرخروج

۳۔سفراعداد

۴۔سفرلاویان

سفرتکوین

قرآن کریم میں کلمہ تورات ۱۷بار تکرار ہوا ہے۔تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ نے فرعون کی سلطنت وحکومت سے ہجرت کی اور معجزہ سے دریا کو پار کیا اور فرعون کا لشکر غرق ہوا۔فرعون کے غرق ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قوم کی ہدایت ورہبری شروع کی تو ایک جامع وکامل نظام کی ضرورت پیش آئی لہٰذا خداوند متعال نے آپ کو تورات دینے کیلئے کوہ طور پر ایک مہینہ مسلسل رات گذارنے کی دعوت دی۔بعد میں دس راتوں کا اور اضافہ ہوا اسطرح آپ نے چالیس راتیں گذارئیں اور پھر آپکو تورات عطا ہوئی۔اس وقت جو تورات یہودیوں کے ہاتھ میں موجود ہے یہ خرافات متضاد احکام اور قصوں کہانیوں کے علاوہ عقل اور شریعت سے بھی متصادم ہے۔جسے علماء یہود نے اپنے ذاتی مفاد کیلئے جعل کیا ہے۔اس میں عزیز علیہ سلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا گیا ہے۔اس کے علاوہ یہود کہتے ہیں ہم صرف گوسالہ پرستی کی وجہ سے چندن عذاب جہنم میں گذاریں

گے اسکے علاوہ ہم نے اپنے پیغمبر کی کوئی نافرمانی نہیں کی ہے اسلئے اسکے بعد جنت میں جائیں گے۔انھوں نے اللہ کے لئے بیٹا قرار دیا۔اس لئے قرآن کریم میں اس تحریف کی وجہ سے علماء یہود کی سختی سے مذمت ہے۔اس کے باوجود قرآن اس کتاب کے بعض فرامین پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے یعنی وہ آیات جو قرآن کریم کے مطابق ہیں۔قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تورات کا ذکر خاص حوالے سے آیا ہے کہ خداوند متعال نے آپ کو تورات دینے کیلئے دعوت دی۔

درخواست دیدارِ حسی اور عینی سبحانہ تعالیٰ

بنی اسرائیل کی خداوند متعال اور اس کے منتخب و برگزیدہ نبی حضرت موسیٰ علیہ سلام کے حق میں جسارت اور عناد و لجاجت کی ایک مثال انکی مہمان خانہ الٰہی میقات طور پر موسیٰ علیہ السلام سے خداوند متعال کی رویئتِ بصری وجسمی کی درخواست کرنا ہے جیسا کہ سورہ بقرہ ۵۵ میں آیا ہے:

﴿واذقلتم یموسٰی لن نؤمن لك حتٰی نری الله جهرةً﴾ ''یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ ہم تمہارے کہنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے' جب تک کہ اپنی آنکھوں سے علانیہ خدا کو (تم سے کلام کرتے) نہ دیکھ لیں''

خداوند متعال نے دور پیغمبر میں موجود یہود کے نامعقول سوالات سے رنجیدہ ہونے کی خاطر پیغمبر اکرمؐ کو تسلی دینے کیلئے سورہ نساء ۱۵۳ میں فرمایا کہ عناد و لجاجت عصیان وسرکشی اس قوم کا وطیرہ رہا ہے:

﴿یسئلك اهل الكتٰب ان تنزل علیهم كتٰبًا من السمآء فقد سالوا موسٰی اكبر من ذالك﴾ ''اے نبی' یہ اہل کتاب اگر آج تم سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ تم آسمان سے کوئی تحریر ان پر نازل کراؤ تو اس سے بڑھ کر مجرمانہ مطالبے یہ پہلے موسیٰ سے کر چکے ہیں'' ان کے اس انداز سے آگاہی کیلئے ضروری ہے کہ ہم رویئت اللہ کے بارے میں موجود بحث کے مختلف افعال وگوشوں پر ایک سرسری و مختصر فہرست قارئین کرام کی خدمت

میں اس کتاب کی حدود میں رہتے ہوئے پیش کریں:

ا۔ رؤیت اللہ یعنی ایک ایسا ادراک و معرفت جو انسان کو ساحل یقین تک پہنچائے۔اس حد کی رویئت جسمی کے دنیا و آخرت میں ممکن ہونے کا بعض اہل تصوف و عرفاء و فلاسفہ نظریہ رکھتے ہیں۔

۲۔ مسلمانوں میں رویئت حسی کو دنیا میں ناممکن و نامعقول قرار دینے کے بعد آخرت میں اس کے امکان و جواز اور ثبوت کے بارے میں ایک بڑا طبقہ علماء اور مفسرین کا اس پر اعتقاد رکھتا ہے۔

اس سلسلے میں ہم فرقی عقائد جو دونوں بزرگ فرقوں سے ورثہ میں ملے ہیں ان کی تائید و تردید سے آزاد ہو کر مسلمات احکام عقلی اور قرآن کریم کی واضح و روشن آیات کی تلاش و جستجو کرنے کے بعد ایک نتیجے پر رائے قائم کرنا چاہیں گے۔لیکن اس سے پہلے کچھ اصول مسلمات کے بارے میں قارئین کرام کی توجہ کیلئے درخواست گذار ہیں۔

ا۔ احکام عقلی جو ہمیشہ سے عقلا نے بغیر کسی نقص و تردد کے تسلیم کئے ہیں وہ یہ کہ اجتماع نقیضین کی محالیت کے حوالے سے دنیا و آخرت میں ذرّہ برابر فرق نہیں۔اگر اجتماع نقیضین یہاں محال ہے تو آخرت میں بھی محال ہوگا۔سلب و ایجاب اگر یہاں محال ہے تو آخرت میں بھی محال ہوگا۔عدد چار تقسیم میں یہاں بھی مساوی ہوگا اور وہاں بھی عدد طاق کی یہاں بھی مساوی تقسیم ممکن نہیں وہاں بھی نہیں۔اس حوالے سے ذات باری تعالی لاجسم اور غیر محدود ہے۔لہٰذا ایک محدود کیلئے چاہے یہ عالم ہو یا عالم آخرت دونوں میں نظر آنا عقلا محال ہے۔

۲۔ ایک محاط جو کسی احاطہ کے اندر ہو وہ آخرت میں محیط ہو جائے اور محدود لامحدود پر حاوی ہو جائے یہ اس دنیا میں بھی محال ہے اور اس دنیا میں بھی۔سورہ انعام میں ذکر ہوا ہے کہ انسان کی بصر و بصیرت حتی عقل بھی خدا کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

۳۔ کثیر آیات قرآنی جو قیامت کے بارے میں آئی ہیں کہ تم اس طریقے

سے آخرت میں محشور ہو گے پھر ہماری طرف پلٹ کر آؤ گے۔ایک چمڑا جلے گا تو دوسرا پیدا ہو جائے گا یعنی آخرت میں بھی انسان جسم سے مبراء نہیں ہوگا اور ایک لطیف جسم کا مالک ہوگا۔جس طرح وہ یہاں محدود ہیں اسی طرح وہاں بھی اسکی نظر محدود ہوگی۔

ان تین اصول مسلمہ کے تحت خداوند متعال نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا :﴿لن ترانی﴾ ’’تم مجھے کبھی بھی نہیں دیکھ سکتے‘‘ یہ کلمہ لن نفی عہد کے لئے ہے نہ کہ نفی زمان دنیا کیلئے لہٰذا قوم بنی اسرائیل کا یہ مطالبہ ایک غیر عقل اور غیر شرعی بلکہ مسلمات عقل و نقل کے خلاف ہے۔اس وجہ سے وہ خداوند عالم کے دردناک عذاب کے مستحق ہوئے اور فوراہی خداوند متعال نے بغیر کسی توبہ و اناب کے آسمانی بجلی کے ذریعے سب کو مار دیا۔

بعض علماء و مفسرین شیعہ و سنی جنہوں نے اپنی طویل عمر تفاسیر و معارف قرآن میں گذاری ہے جن کے سامنے ہماری حیثیت ان کی خدمات اور مراتب علمی میں ایک ذرّے کے برابر ہے۔تاہم ہم انکے نظریہ پر چند سوالات و اعتراض اٹھائیں گے۔قارئین کرام اس پر توجہ فرمائیں:

علماء و مفسرین نے فرمایا ہے کہ قوم کی درخواست پر خدا نے ان کو صاعقہ کے عذاب میں مبتلا کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی مخصوص اپنے لئے دیدار کی درخواست کی تو اس پر خداوند متعال نے دیدار کیلئے ایک شرط عائد کی۔آپ دیکھیں اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ قائم رہا تو پھر آپ میرا دیدار کر سکتے ہیں۔لیکن جونہی نور الٰہی پہاڑ پر پڑا تو پہاڑ پاش پاش ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔

اب یہاں ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر سوال موسیٰ علیہ السلام بعینہ وہی ہے جو قوم نے کیا تو اس ایک سوال کی سزا مختلف کیوں ہے۔قوم کو تو صاعقہ نے موت کی نیند سلایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر صرف غشی طاری ہوئی۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں سوالوں میں فرق ہے۔

نزولِ من وسلویٰ:

خداوند متعال نے قرآن کریم میں بنی اسرائیل پر جن نعمتوں کے نزول اور ان نعمتوں کی یاد وشکر میں انھیں کفران نعمت سے باز رہنے کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک صحرائے تیہ میں ان پر نازل ہونے والی دو نعمتوں من وسلویٰ ہیں۔ان دونوں کا سورۂ بقرہ کی آیت ۵۷ اور سورۂ اعراف ۱۶۰ اطٰہ ۸۰ میں ذکر آیا ہے:

﴿وانزلنا علیکم المن والسلوٰی﴾ ''من وسلویٰ کی غذا تمہارے لئے فراہم کی''

﴿وانزلنا علیھم المن والسلوٰی﴾ ''اوران پر من وسلویٰ اُتارا'' ﴿ونزلنا علیکم المن والسلوٰی﴾ ''اورتم پر من وسلویٰ اُتارا''

کتاب اقرب الموارد میں لکھا ہے کہ سلویٰ سفید رنگ کا آسمانی پرندہ ہے جسکا مفرد سلوٰت ہے۔کتاب المنجد میں اسے پرندۂ آسمانی کہا گیا ہے۔ترکی میں اسے بلدرچین کہتے ہیں۔''من'' وہ پانی ہے جو صبح سویرے بعض درختوں پر پایا جاتا ہے۔بعض افراد نے سلوی کے معنوں میں آرام واطمینان قلب وغیرہ لکھا ہے۔

کتاب سفرخروج باب ۱۶ میں آیا ہے کہ من اس روٹی کو کہتے ہیں جو ہر دن آسمان سے بنی اسرائیل پر نازل ہوتی تھیں۔کتاب المنار میں لکھا ہے کہ من ایسی لچکدار اور مٹھاس والی چیز کو کہتے ہیں جیسے شہد جو پہلے مائع ہوتی ہے اور بعد میں خشک ہوجاتی تھی بعد میں لوگ اسے جمع کرلیتے۔مجمع البیان نے اس کے چار معانی ذکر کیے ہیں۔یہ صموغ کی مانند ہے جو درختوں پر آتی ہے۔یہ شہد جیسی میٹھی اور نازک ہے اور بنی اسرائیل کیلئے نازل ہوتی تھی۔
اقرب الموارد میں ''من'' کو شبنم کہا گیا ہے جو درختوں اور پتھروں پر اترتی تھی۔یہ بنی اسرائیل کے لیے ایک اعجاز تھی جو انکی ضرورت کو پورا کرتی تھی۔

قوم حضرتِ موسیٰؑ اور گوسالہ پرستی:

حضرت موسیٰؑ جب تک مصر میں رہے آپکی تمام تر توجہ قابض حکمران کے ساتھ مقابلے میں

مرکوز رہی لیکن انہیں اپنے مقابل ومزاحم گروہ کے خاتمے کے بعد حدود وقیودٗ سزا وجزا اور زندگی سے متعلق دیگر مسائل کے حل کیلئے ایک جامع ومکمل نظام کی ضرورت پیش آئی جس کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فوراً ہی حضرت موسیٰؑ کو طور پر دعوت دی۔حضرت موسیٰؑ نے جانے سے پہلے حضرت ہارونؑ سے کہا کہ آپ میری عدم موجودگی میں میرے جانشین کے طور پر یہیں رہیں۔لوگوں کے امورات کا خیال رکھیں۔عاقلانہ اور سیاسی طریقے سے ان کی صحیح نگرانی کریں اور گمراہان اور فرصت طلب لوگوں سے بچ کر رہیں۔ جونہی حضرت موسیٰؑ قوم کو چھوڑ کر طور کی طرف گئے تو ایک شخص جو اپنی شکل وصورت کی بنیاد پر عراقی شہر سامرہ سے تعلق رکھنے کی بنیاد پر سامری کے نام سے جانا جاتا تھا اس نے لوگوں سے سونا چاندی جمع کرکے ایک گوسالہ بنایا اور اس کے آگے پیچھے سے ایسے سوراخ رکھے کہ جس کے نتیجے میں اس سے بچھڑے کی آواز نکلتی تھی پھر اس نے لوگوں سے کہا کہ یہی تمھارا خدا ہے اور موسیٰؑ بھول کر اس کی تلاش میں طور پر چلے گئے ہیں جبکہ خدا تو یہاں موجود ہے حضرت ہارونؑ نے جب اس فتنے کو دیکھا تو سیاست ورشادت اور عاقلانہ انداز سے اس کی مزاحمت کی لیکن انتشار اور دیگر نتائج برآمد ہونے کے ڈر سے ان پر سختی کرنے سے باز رہے کیونکہ حضرت ہارونؑ کی کوشش کے بعد گوسالہ پرستوں نے انہیں قتل کی دھمکی بھی دی لہٰذا وہ حضرت موسیٰؑ کی آمد تک حتمی عمل اٹھانے سے باز رہے اور موسیٰؑ کا انتظار کیا۔

گوسالہ پرستی کب اور کیسے شروع ہوئی، یہ واقعہ کیسے پیش آیا اور اب کتب میں کیا موجود ہے۔ان مسائل کو درک کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم حضرت موسیٰ، سامری اور گوسالہ تینوں پر بحث وتجزیہ کریں۔

۱۔گوسالہ

گوسالہ یعنی بچھڑا جسے قرآن کریم نے عجل کہا ہے۔عجل مادہ عَجل سے ہے جسکے معنی جلدی کے ہیں۔بچھڑے کو عجل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ تھوڑے ہی عرصے میں یہ گائے بن جاتا ہے۔اس وجہ سے اسے عجل کہا گیا ہے۔ یہ کلمہ آٹھ بار قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے گوسالہ

پرستی کے عمل میں تکرار ہوا ہے۔ خداوند کریم فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل کی شیطانیت اور کفر کی بنا پر انکے قلوب میں گوسالہ کی محبت وارد ہوئی۔ جو چیز دلوں میں داخل ہوسکتی ہے وہ محبت ہی ہے۔ مادہ کبھی دلوں میں نفوذ نہیں کرتا۔ لہٰذا گوسالہ یا گائے پرستی نے انکے دلوں میں جگہ بنائی۔ جسطرح پانی انسان کے جسم میں سرایت کرتا ہے اسطرح گوسالہ کی محبت انکے جسم وجاں میں سرایت کرچکی تھی۔ خداوند متعال اس کلمے سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بنی اسرائیل جو محبت گوسالہ میں مستغرق ہیں اسکی وجہ وہ کفر ہے جو انھوں نے اختیار کیا ہے۔ لہٰذا خداوند کریم نے فرمایا ہے:

﴿واشربوا فی قلوبھم العجل بکفرھم﴾ ''اوران کی باطل پرستی کا یہ حال تھا کہ دلوں میں ان کے بچھڑا ہی بسا ہوا تھا'' (بقرہ/۹۳)

۲۔ ہم اس فتنہ کے باریک دقائق وحقائق کے تمام حدود وابعاد تک رسائی کیلئے مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے ان آٹھ جگہوں کو یکجا کریں جہاں اسکا ذکر ہوا ہے:

﴿ثم اتخذتم العجل من بعدو انتم ظلمون﴾ ''پھر تم نے اس کے بعد گوسالہ کو (بغرض پرستش) اختیار کیا اور تم ظالم بن گئے'' (بقرہ/ ۵۱، ۵۴، ۹۲، ۹۳) نساء ۱۵۳، اعراف ۱۵۲، ۱۴۸، طٰہٰ ۸۸۔

خداوند متعال نے گوسالہ پرستی کے اس عمل کو ان تعبیرات سے ذکر کیا ہے:

۱۔ یہ عمل انجام دے کر تم نے اپنے نفس پر ظلم کیا:

﴿واذ قال موسٰی لقومہ یقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذ کم العجل﴾ ''اور وہ وقت بھی یاد کرو جب موسٰی نے اپنی قوم سے کہا کہ تم نے گوسالہ بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا'' (بقرہ/۵۴)

۲۔ تم ظالم ہو:

﴿ولقد جائکم موسٰی بالبینت ثم اتخذتم العجل من بعدہ وانتم ظلمون﴾ ''یقیناً موسٰی تمھارے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے لیکن تم نے ان کے بعد گوسالہ کو

اختیار کرلیا اور تم واقعی ظالم ہو'' (بقرہ/۹۲)

۳۔ گوسالہ پرستی کی چاہ وچاشنی بنی اسرائیل کے دلوں میں تھی:

﴿فی قلوبھم العجل بکفرھم﴾ ''اوران کے کفر کے باعث ان کے دلوں میں گوسالہ رچ بس گیا'' (بقرہ/۹۳)

۴۔ انکی یہ گوسالہ پرستی جہالت ونادانی کی بنا پر نہ تھی بلکہ یہ خداوند کریم سے دشمنی وعناد کی وجہ سے تھی:

﴿ثم اتخذوا العجل من بعدماجآء تھم البینٰت﴾ ''پھر انھوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا، حالانکہ یہ کھلی کھلی نشانیاں دیکھ چکے تھے'' (نساء/۱۵۳)

۵۔ گوسالہ پرستی طغیان اور نافرمانی ہے جو ذلت ورسوائی کے ساتھ خدا کے قہر وغضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

۶۔ یہ گوسالہ ایسا تھا کہ جس میں روح نہیں تھی بلکہ یہ ایک ڈھانچہ تھا:

﴿افلا یرون الا یرجع الیھم قولا ولا یملك لھم ضرو لا نفا﴾ ''کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ یہ نہ انکی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان یا فائدہ کا اختیار رکھتا ہے'' (طٰہٰ/ ۸۸)

۲۔ سامری

جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ سامری قوم بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا تھا۔ جب دعوت خدا پر حضرت موسٰی کوہ طور گئے تو اپنی جانشینی کیلئے حضرت ہارون کو مقرر کیا۔ چنانچہ سورہ اعراف آیت ۱۴۲ میں آیا ہے کہ حضرت موسٰی کی دعوت کی مدت ۳۰ دن تھی لیکن بعد میں ۱۰ راتوں کا اور اضافہ ہوا۔ ان دس دنوں سے استفادہ کرتے ہوئے سامری نے قوم سے کہا حضرت موسٰی کے آنے میں دیر ہوگئی ہے اور ہم انکا زیادہ انتظار نہیں کرسکتے۔ پھر اس نے زیوارات کو آگ میں ڈالا اور گوسالہ کی شکل کا ایک مجسمہ بنایا کیونکہ اس وقت بت پرست گاؤ پرستی میں مبتلا تھے۔ سامری نے بنی اسرائیل سے کہا یہ تمہارا اور حضرت موسٰی کا خدا ہے۔

حضرت ہارون نے انھیں اس قبیح عمل سے روکنے کی کوشش کی لیکن انھوں نے آپ کی بات نہ مانی اور کہا ہم موسیٰ کے آنے تک اسکی پرستش کریں گے۔اس گوسالہ سے آواز نکلتی تھی جسکی وجہ سے یہ لوگ گمراہ ہوئے سورۂ اعراف ۱۴۸ اور سورۂ طٰہٰ ۸۸ میں اسکا ذکر موجود ہے:

﴿واتخذ قوم موسٰی من بعده من حليهم عجلاً جسداً له خوار﴾ ''اور موسیٰ کے (کوہ طور پر جانے کے) بعد ان کی قوم نے اپنے زیورات سے ایک بچھڑا بنالیا (یعنی) ایسا جسم جس میں بیل کی آواز تھی'' ﴿فاخرج لهم عجلاً جسداً له خوار﴾ ''اوران کیلئے ایک بچھڑے کا قالب بنا کر نکالا جس میں گائے کی سی آواز تھی''۔

بنی اسرائیل جو بقول استاد شہید مطہریؒ شہسوار تحریف تھے انہوں نے یہاں بھی دو قسم کی تحریف کی۔ایک تحریف یہ کی کہ یہ عمل حضرت ہارونؑ نے کروایا تھا تا کہ قوم کو مصروف رکھ سکیں۔دوسری تحریف یہ کی جب لشکر فرعون کو غرق کرنے کیلئے حضرت جبرئیل گھوڑے پر سوار ہوکر آئے تو اسے صرف سامری نے دیکھا اور اس نے گھوڑے کی ٹاپوں کے نیچے کی مٹی سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور اسے گوسالہ کے مجسمہ میں ڈالا جس سے اس میں جان آگئی اور اس بات کی دلیل کیلئے انہوں نے سورۂ طٰہٰ آیت ۹۶ کو پیش کیا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سامری کا مکالمہ ہے سامری نے حضرت موسیٰ کو جواب دیا میں نے ایک ایسی چیز دیکھی ہے جو انہوں نے نہیں دیکھی۔میں نے رسول کے اثار میں سے کچھ اٹھایا اور اسے اس میں ڈال دیا اور میرے نفس نے مجھے یہ سب کچھ سکھایا۔یہود کی یہ تفسیر کئی حوالوں سے مردود ہے۔

۱۔یہ قصہ اپنی جگہ غیر معقول ہے کیونکہ بنی اسرائیل نے پہلے دریا پار کیا اور لشکر فرعون بعد میں داخل ہوا تبھی تو غرق ہوا۔تو سامری نے کیسے دیکھا اور پھر مٹی بھی اٹھائی۔

۲۔کس نے کہا کہ حضرت جبرئیل لشکر فرعون کو غرق کرنے کیلئے آئے تھے۔

۳۔فرشتہ کو جب کوئی نہیں دیکھ سکتا تو جبرئیل کو سامری نے کیسے دیکھا۔

۴۔ اگر اس طریقہ سے سامری جو منحرف اور باطل پر ہے ایک جامد چیز کو حیوان میں بدل سکتا ہے تو اس میں اور حضرت موسیٰ جو خدائے رحمان کے برحق نمائندے ہیں کیا

فرق رہ جائے گا۔

لہٰذا یہ قصہ اپنے متن اور معنی دونوں حوالوں سے باطل ہے۔

۳۔حضرت موسیٰ علیہ سلام کا قوم سے پہلا مخاطب

حضرت موسیٰ علیہ سلام کو خداوند علیم وخبیر نے کوہ طور پر یہ خبر دی کہ آپکی عدم موجودگی میں آپکی قوم گوسالہ پرستی جیسے ظلم میں مبتلا ہوگئی ہے۔حضرت موسیٰ وہاں سے ہی غم و غصہ کی حالت میں واپس آئے اور پہلے مرحلہ میں پوری قوم کو اپنے زیر عتاب لائے:

﴿فرجع موسٰی الی قومه غضبان اسفا قال یقوم الم یعدکم ربکم وعدا حسنا، افطال علیکم العهد ام اردتم ان یحل علیکم غضب من ربکم فاخلفتم موعدی﴾ ''چنانچہ موسیٰ غصے اور حزن کی حالت میں اپنی قوم کی طرف پلٹے۔ بولے اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا کیا مدت تمہارے لیے لمبی ہوگئی تھی یا تم نے یہ چاہا کہ تمہارے رب کا غضب تم پر آکر رہے اسی لیے تم نے میرے ساتھ وعدہ خلافی کی'' (طٰہٰ/۸۶)

﴿ولما رجع موسٰی الی قومه غضبان اسفا﴾ ''اور جب موسیٰ نہایت غصے اور رنج کی حالت میں اپنی قوم کی طرف واپس آئے'' (اعراف/۱۵۰)

قوم کا جواب:

﴿قالوا ما اخلفنا موعدك بملكنا ولكنا حملنا اوزارا من زينة القوم فقذفنها فكذلك القى السامرى﴾ ''انہوں نے کہا ہم نے آپ سے وعدہ خلافی اپنے اختیار سے نہیں کی بلکہ ہوا یہ کہ ہم پر قوم کے زیوارت کا بوجھ لادا گیا تھا تو ہم نے اسے پھینک دیا اور سامری نے بھی اسی طرح ڈال دیا'' (طٰہٰ/۸۷)

حضرت موسیٰ علیہ سلام کا دوسرا مخاطب

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ سلام کو

اپنے غیض وغضب کا نشانہ بنایا اور فرمایا کہ آپ کو کس چیز نے منع کیا کہ آپ لوگوں کو گمراہی کے راستے پر جاتے دیکھتے رہیں اور میری عدم موجودگی میں فرائض جانشینی سے کوتاہی برتیں:

﴿قال یا ھارون ما منعك اذ رایتھم ضلوا۔ الا تتبعن افعصیت امری ﴾ ''موسیٰ نے کہا اے ہارون جب آپ دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ گمراہ ہو رہے ہیں، تو میری پیروی کرنے سے آپ کو کس چیز نے روکا کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟'' (طہٰ/۹۲،۹۳)

حضرت موسیٰ علیہ سلام نے حضرت ہارون علیہ سلام کے کبھی بال اور کبھی داڑھی کو پکڑ کر جھنجوڑا:

﴿قال یبنوم لا تاخ بلحیتی ولا براسی ﴾ ''ہارون نے جواب دیا اے ماں جائے میری داڑھی اور سر کے بال نہ پکڑیں'' (طہٰ/۹۴)

حضرت ہارون علیہ سلام کا جواب: میں نے انھیں نصیحت کی اور برائی سے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن تنہائی اور قدرت کی کمی کی وجہ سے میرے قتل کی نوبت آ گئی تھی: ﴿قال ابن ام ان القوم استضعفونی و کادوا یقتلونی ﴾ ''ہارون نے کہا اے ماں جائے یقیناً قوم نے مجھے کمزور بنا دیا تھا اور وہ مجھے قتل کرنے والے تھے'' (اعراف/۱۵۰)

میرے بھائی آپ میری داڑھی اور بال نہ کھینچیں مجھ سے کوتاہی اس وجہ سے ہوئی کہ کہیں میری وجہ سے قوم دو گروہوں میں تقسیم نہ ہو جائے:

﴿انی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرآئیل ﴾ ''مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ تو آکر کہے گا تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈالی دی'' (طہٰ/۹۴)

آپ مجھے زیادہ زیرِ عتاب نہ لائیں کیونکہ اس سے دشمن خوش ہونگے اور میری ملامت کریں گے۔اس فتنہ کی آگ روشن کرنے والوں کے ساتھ مجھے شامل نہ کریں:

﴿فلاتشمت بی الاعدآء ولا تجعلنی مع القوم الظلمین﴾ ''پس تو دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے اور اس ظالم گروہ کے ساتھ مجھے شامل نہ کر'' (اعراف/۱۵۰)

سزائے سامری:

قرآن کریم نے سامری کیلئے جو سزا سنائی اسے کلمہ لامساس سے تعبیر کیا ہے۔اس سزا کا مطلب ہے کہ سامری کو لوگوں سے اٹھنے بیٹھنے اور گفت وشنید سے منع کیا گیا۔ بد کردار افراد کے خلاف ہمیشہ سے یہ سنت رہی ہے۔لوگ یا تو مقدس چیزوں کو چھونے سے ڈرتے ہیں تا کہ انکی بےادبی نہ ہو اور دوسرا گندی چیزوں کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے تا کہ وہ گندگی انکو نہ لگ سکے۔ یہ قانون اس وقت ہندوستان اور ایران میں بھی رائج تھا۔ بے وضو ہونے کی حالت میں قرآن کریم کو مس کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ قرآن مقدس کتاب ہے۔اسی طرح مُردے کو مس کرنے سے منع کیا گیا ہے چونکہ وہ پلید ہوتا ہے۔اسی طرح مشرکین کو ہاتھ ملانے یا چھونے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ وہ پلید ہیں۔بعض افراد نے کہا ہے سامری کے برے کردار کی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ سلام کی نفرین اور بدعا کی وجہ سے وہ مرض جذام میں مبتلا ہوا۔ چنانچہ سامری اس قانون کے تحت دونوں حوالوں سے مردود ہوا سامری کیلئے حکم تھا کہ وہ جب بھی کسی شخص کو ملے تو وہ کہہ دے ''لامساس''۔

خداوند متعال کی طرف سے حکم ہوا کہ سامری نہ تو لوگوں سے مل سکتا ہے اور نہ ہی لوگ اس سے مل سکتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو سامری نے خود کو تنہا پایا اس سے ہر ملنے والے نے دوری اختیار کی جس سے اس نے اپنے اندر وحشت وتنہائی کو محسوس کیا۔

انجام گوسالہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے سامنے گوسالہ کو جلایا اور ان سے کہا کیا خدا نے تمہیں اچھا وعدہ نہیں دیا تھا اور کیا میرے آنے میں دیر ہوگئی تھی یا تم نے از خود عذاب خدا کو دعوت دی اور میرے وعدہ کی مخالفت کی۔تو قوم نے جواب دیا ہم آپ سے معذرت چاہتے

ہیں۔ہم نے ازخود آپ کے وعدہ کی مخالفت نہیں کی بلکہ قوم نے زیوارات کو جمع کیا اور سامری نے اس کا نقشہ بنایا اور ایک پتلا بنایا جس سے آواز نکلتی تھی اس طرح ہم راہ مستقیم سے دور ہوئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ذہن کے اندر کے مرض کو شفاء دینا چاہی اور انھیں خدا کی نعمتوں کی یاد دلائی اور فرمایا خدا نے کیا تمہارے سامنے تمہارے دشمن کو عذاب میں مبتلا نہیں کیا اور اسکے ظلم وستم سے تمہیں نجات دلائی ان تمام نعمتوں کو دیکھنے کے باوجود کیا تمہارا ضمیر تمہیں اجازت دیتا ہے کہ تم خدا کے بارے میں بدگمانی کرو۔انھوں نے کہا ہم موسیٰ وہارون کے رب پر ایمان لاتے ہیں اور توبہ واستغفار کرتے ہیں آیا ہمارے لئے اسکی گنجائش ہے۔جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ قوم راہ راست پر آرہی ہے تو ان سے کہا مغفرت کا سبب خود تمہارے اندر موجود ہے تم اپنی شہوت وطغیانی کو دور کرو اور گناہ و برائی سے اجتناب کرو انشاء اللہ جلد خدا تمھیں بخش دے گا اور اگر اس پر قائم رہے تو آئندہ گمراہ نہیں ہو گے۔اس پر قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا اور اظہار پشیمانی کی اور خدا سے طلب مغفرت کی۔لیکن بنی اسرائیل میں خواہشات پرستی اور کفران نعمت کا جو عنصر موجود تھا وہ دوبارہ ابھرا اور وہ پھر سے خدا کی نعمتوں کو حقیر سمجھنے لگے۔خدا نے ان پر من وسلویٰ نازل کیا تو انھوں نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا اور پرانے حالات کی طرف برگشت کرنے کی درخواست کی۔اور کہا ہمیں ایسی زمین پر لے جائیں جسے ہم خود آباد کریں ان کے اس اصرار پر حضرت موسیٰ علیہ السلام انھیں نہر اردن کے کنارے لے گئے اور وہاں ان کیلئے بارہ سربراہ منتخب کیے جو ہر قبیلے کی سرپرستی کرتے تاکہ یہ لوگ شہرِ کنعان میں داخل ہو جائیں اور وہاں آباد کاری کریں۔اس شہر پر قبضہ کیلئے سربراہان معلومات لینے گئے اور حضرت موسیٰ کو بتایا کہ وہاں تو بڑے شجاع اور جنگجو لوگ موجود ہیں۔جو اتنے قوی وطاقت ور ہیں کہ درخت کو اکھاڑ سکتے ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا اگر یہ خبر پھیل گئی تو ان میں پھر کمزوری اور ناتوانی کی فضا پھیل جائے گئی اور یہ اپنی پرانی حالت میں پلٹ جائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے ان قبائل کے رؤسا سے کہا اس خبر کو مخفی رکھیں تاکہ ہم اس مسئلہ پر کچھ سوچ سکیں۔ان میں سے دو رؤسا نے وعدہ کو وفا کیا ایک یعشا بن نون جو بنیامین کے پوتوں میں سے تھے۔ دوسرے کالو بن یوحنا تھے جو یہود کے خاندان سے تھے۔باقی دس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کی مخالفت کی اور راز کو فاش کیا لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔از مجمع البیان الحدیث صفحہ ۴۳۷۔

روزِ ہفتہ:

اردو زبان میں ہفتہ کے دو معانی ہیں ایک تو سات دن کو ایک ''ہفتہ'' کہتے ہیں جسے عربی زبان میں ''سبعہ'' کہتے ہیں اور دوسرا جمعہ المبارک اور اتوار کے درمیانی دن کو ہفتہ کہتے ہیں جسے قرآن کریم میں ''سبت'' کہا گیا ہے۔سبت قطع کرنے، کاٹنے اور جدا کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔آیات قرآن میں رات کو سبت کہا گیا ہے کیونکہ ہم لوگ رات میں عملی زندگی سے کٹ کر استراحت کرتے ہیں۔چنانچہ قرآن کریم میں رات کو انسان کیلئے باعث آرام وراحت قرار دیا ہے:

﴿وجعلنا نومکم سباتًا﴾ ''اور تمہاری نیند کو باعثِ سکون بنایا'' (نباء/۹)

﴿ھو الذی جعل لکم الیل لتسکنوا فیہ والنھار مبصرًا﴾ ''جس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ اس میں سکون حاصل کرو'' (یونس/۶۷)

اہل یہود اس دن کو چھٹی مناتے تھے ان کے بقول تورات میں آیا ہے کہ اللہ رب العزت جمعہ کے دن چھ دنوں میں آسمان وزمین کی تخلیق سے فارغ ہوا تو ہفتہ کے دن آرام کیا۔موجود تورات کتاب ''سفر حروج'' باب نمبر ۲۰ بند ۸ میں آیا ہے کہ سبت کو یاد کرو اور اس کی تعظیم واحترام کرو اور چھ دن کام کے بعد ساتویں دین اپنے کام کاج کو چھوڑ دو۔اسی مناسبت سے یہود اس دن چھٹی مناتے ہیں لیکن انکی یہ منطق خلاف عقل ونقل ہے۔یہاں اس بحث کا موقع ومحل نہیں۔لیکن قرآن کریم میں اس دن کو ایک اور حوالے سے جو یہود کی مذمت میں ہے اسکا سات بار ذکر ہوا ہے:

﴿قلنا لهم لا تعدوا فی السبت و اخذ نا منهم میثاقا غلیظا ﴾ ''اور ہم نے ان سے کہا ہفتہ کے دن تجاوز نہ کرو اور ہم نے ان سے ایک پختہ عہد لیا'' (نساء/۱۵۴) ﴿کما لعنا اصحب السبت و کان امر الله مفعولا ﴾ ''جس طرح ہم نے ہفتہ والوں پر لعنت کی اور اللہ کا حکم تو ہو کر رہتا ہے'' (نساء/۴۷) ﴿ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت فقلنا لهم کونا ق قردة خاسئین ﴾ ''اور تم اپنے ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جنھوں نے سبت کے بارے میں تجاوز کیا تھا، تو ہم نے انھیں حکم دیا تھا ذلیل بندر بن جاؤ'' (بقرہ/۶۵)

﴿انما جعل السبت علی الذین اختلفوا فیه ﴾ ''سبت ان لوگوں پر لازم کیا گیا تھا جنھوں نے اس بارے میں اختلاف کیا'' (نحل/۱۲۴)

خداوندمتعال نے ان سے امتحان و آزمائش کے لیے اس دن ان پر مچھلی کے شکار کو حرام قرار دے دیا تھا جیسا کہ اعراف ۱۶۳ میں آیا ہے:

﴿ وسئلهم عن القریة التی کانت حاضرة البحر اذ یعدون فی السبت اذ تاتیهم حیتا نهم یوم سبتهم شرعا و یوم لا یسبتون لاتاتیهم، کذلك تبلوهم بما کانو یفسقون ﴾ ''اور ان سے اس بستی کے بارے میں پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھی جب یہ لوگ ہفتہ کے دن خلاف ورزی کرتے تھے اور مچھلیاں ہفتہ کے دن ان کے سامنے سطح آب پر ابھر آتی تھیں اور ہفتہ کے علاوہ باقی دنوں میں نہیں آتی تھیں۔ اس طرح ہم ان کی نافرمانی کی وجہ سے انھیں آزماتے تھے''

جس دن ان پر مچھلی کے شکار کو حرام قرار دیا گیا تھا اس دن بے تحاشا مچھلیاں پانی کی سطح پر آجاتیں اور باقی دنوں میں نہیں آتیں تو یہود نے جو کہ مکر و فریب اور لجاجت و شیطانیت میں بہت مہارت رکھتے تھے انھوں نے ایک حیلہ شرعی کے تحت ایک تالاب کھودا۔ چنانچہ جب ہفتہ کا دن آتا تو مچھلیاں تالاب میں جمع ہو جاتیں اور ان کے وہاں جمع ہو جانے کے بعد وہ تالاب کو بند کر دیتے اور اتوار کی صبح کو وہاں سے ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے۔ ان کے اس عمل

سے قوم بنی اسرائیل تین گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ ان میں ایک تو وہ گروہ تھا جو مکر و فریب اور بہانوں سے حرام خوری کے اس عمل کو انجام دیتا تھا، دوسرا گروہ ان کو اس عمل سے باز رہنے کی دعوت دیتا تھا اور تیسرے گروہ کے افراد نے خاموشی کے راستے کو اپنایا ہوا تھا۔

اللہ رب العزت نے خاموش رہنے والوں کے لیے ﴿**الذین ظلمو** ﴾ کے کلمات استعمال کیے ہیں۔ جن لوگوں نے انھیں اس فعل سے باز رکھنے کی کوشش کی خداوندمتعال نے انھیں اپنے عذاب و عتاب سے مستثنی قرار دیا لیکن جن لوگوں نے اس فعل کا ارتکاب کیا انھیں خداوندمتعال نے بندر کی شکل میں مسخ کیا۔

اگر ہم اپنی زندگی کی روزمرہ ثقافت کو قرآن کریم کی ثقافت میں ڈھالنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے معاشرے کے اندر رائج ہفتے کے ناموں کو چاہے وہ انگریزی زبان کے ہوں یا ہندی کے انھیں نکال باہر پھینکنا چاہئے۔ کیونکہ یہ اسمائے ہفتہ بت پرستی کی نمائندگی کرتے ہیں قرآن کریم کی ثقافت کے تحت قرآنی میں ہفتے کے دو ناموں کا ذکر موجود ہے ایک یوم جمعۃ المبارک ہے اور ایک سبت ہے روز جمعۃ المبارک الحمدللہ آج مسلمان ممالک میں رائج ہے۔ کلمہ سبت سندھی میں آج بھی رائج ہے۔ ہفتے کا آغاز یک شنبہ سے شروع ہوتا ہے اور جمعرات کو ختم ہو جاتا ہے ہفتہ کو اس لئے ہفتہ کہتے ہیں جس دن یہود نے خداوندمتعال سے کام چھوڑنے اور آرام و استراحت کا مطالبہ کیا تھا اور انکی یہ درخواست درگارہ ایزدی میں منظور ہوگئی۔ لیکن یہ دن آج قوم یہود کی تاریخ میں اس لئے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ اس دن انہوں نے شریعت خدا سے بغاوت کی ہے اور صاحبان شریعت خدا کی مخالفت کی اور اپنے ضمیر وجدان کو انہوں نے دھوکہ دیا جس دن خداوندمتعال نے انہیں مچھلی کے شکار سے منع فرمایا تھا۔ جیسا کہ قرآن میں موجود ہے انھوں نے اس دن مچھلیوں کو جمع کیا اور دوسرے دن پکڑ لیا۔ قرآن میں انکے اس عمل شنیع اور اسکے صلہ میں انکو ملنے والی سزا کا ذکر سورۂ بقرہ ۶۵ میں بیان ہوا ہے:

﴿ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت فقلنا لهم کونوا قردةً

خــا سئین ﴾ ''اورتم اپنے ان لوگوں کوخوب جانتے ہوجنھوں نے سبت (ہفتہ) کے بارے میں تجاوز کیا تھا' تو ہم نے انھیں حکم دیا تھا: ذلیل بندربن جاؤ''۔ خدا وندکریم نے اپنے شریعت کے لئے حدود معین ومختص کیے ہیں اوراس کوتجاوز کرنے سے منع فرمایاہے:

﴿......تـلك حـدود الـلـه فلاتقربوها ﴾ ''یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں' ان کے قریب نہ جاؤ''(بقرہ/۱۸۷)

﴿تـلك حـدود الـلـه فـلاتـعتـدوهـا ومـن يتـعـد حـدود الـلـه فـاولئك هم الـظـلـمـون ﴾ ''یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں سوان سے تجاوز نہ کرو اور جولوگ حدود الٰہی میں تجاوز کرتے ہیں پس وہی ظالم ہیں'' (بقرہ/۲۲۹)۔احکام خداوندی کے بارے میں حیلہ بازی وبہانہ سازی قوم بنی اسرائیل کا شیوہ ہے چنانچہ جب ان سے کہا گیا کہ ارض مقدس میں سکونت اختیار کرو:

﴿واذقـيـل لهـم اسكنوا هذه القرية ﴾ ''اور جب ان سے کہا گیا کہ اس بستی میں سکونت اختیار کرو' (اعراف/۱۶۱) توانہوں نے اس سے انکار کیا۔

حکمت کا اعتراف ایمان ہے اور حکمت تراشی اور حکمت سازی کفروانحراف ہے

احکام خداوندی اور شریعت کے حکمت پر مشتمل ہونے پر ایمان وعقیدہ رکھنا رسوخ وایمان کی نشانی ہے کیونکہ حکیم مطلق سے صادر ہونے والا کوئی بھی قول وفعل حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا لیکن ان احکام پر عمل کرنے سے پہلے ہر حکم کی حکمت تلاش کرنا یا انکی حکمت تراشنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا کرنے والا انسان یا گروہ یا تو خداوندکریم کی حکمت کے بارے میں یا نبی مکرم علیہ سلام کی صداقت وامانت کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہے نبی صادق و امین کی صداقت وامانت اور خدواند حکیم کی حکمت پر ایمان لانے کے بعد شریعتِ پیغمبر یا احکام خداوندمتعال میں حکمت تلاشی پر اصرار اس کے ذہن کی طغیانی کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ عمل خداوند متعال انبیاء ومعصومین علیہم السلام اور عقلاء کے نزدیک نہایت مذموم وناپسندیدہ عمل ہے سیرت حکمت تلاشی وحکمت تراشی پر اصرار بنی اسرائیل کے بدکردار اعمال اور بری

وناپسندیدہ سیرت میں گنا جاتا ہے۔اللہ رب العزت نے ان کے اس برے کردار کو جوانھوں نے حضرت موسیٰ علیہ سلام سے روا رکھا تھا۔اپنی کتاب میں خاتم الانبیاء کے دورانِ رسالت میں رہنے والے بنی اسرائیل کی تنبیہ میں بیان کیا ہے۔ یہ آیات انکی اس صفت کی عکاسی کرتی ہیں:

﴿واذقـال موسٰی لقومه ان الله يامركم ان تذبحوا بقرةً قالوا اتتخذنا هزوًا قال اعـوذ بالله ان اكون من الجٰهلين_قالوا ادع لنا ربك يبين لنا ماهى قال انه يقول انهـا بقرة لافارض ولا بكرعوان بين ذٰلك فافعلوا ماتؤمرون_قالوا ادع لنا ربك يبيـن لنا مالونها قال انه يقول انها بقرة صفرآء فاقع لونها تسر النّٰظرين_قالوا ادع لـنـا ربك يبيـن لـنـا مـاهى ان البقر تشٰبه علينا وانآ ان شآء الله لمهتدون_قال انه يـقـول انهـا بـقـرة لاذلـول تثيـر الارض ولاتسقـى الحـرث مسلمة لاشية فيها قالوا الئٰن جئت بالحق فذبحوها وما كادوا يفعلون ﴾

''پھروہ واقعہ یاد کرو' جب موسٰی نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ کہنے لگے کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو؟ موسٰی نے کہا میں اس خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں کی سی باتیں کروں۔ بولے اچھا اپنے رب سے درخواست کرو کہ وہ ہمیں اس گائے کی کچھ تفصیل بتائے موسٰی نے کہا اللہ کا ارشاد ہے کہ وہ ایسی گائے ہونی چاہیے جو نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا، بلکہ اوسط عمر کی ہو لہٰذا جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرو۔ پھر کہنے لگے اپنے رب سے یہ اور پوچھ دو کہ اسکا رنگ کیسا ہو موسٰی نے کہا وہ فرماتا ہے زرد رنگ کی گائے ہونی چاہیے جسکا رنگ ایسا شوخ ہو کہ دیکھنے والوں کا جی خوش ہو جائے۔ پھر بولے اپنے رب سے صاف صاف پوچھ کر بتاؤ کیسی گائے مطلوب ہے' ہمیں اس کی تعین میں اشتباہ ہو گیا ہے اللہ نے چاہا تو ہم اس کا پتہ پالیں گے۔موسٰی نے جواب دیا: اللہ کہتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جس سے خدمت نہیں لی جاتی' نہ زمین جوتتی ہے نہ پانی کھینچتی ہے' صحیح وسالم اور بے داغ ہے اس پر وہ پکار اٹھے کہ ہاں' اب تم نے

ٹھیک پتہ بتایا ہے پھرانھوں نے اسے ذبح کیا' ورنہ وہ ایسا کرتے معلوم نہ ہوتے تھے'' (بقرہ/ ۶۷ تا ۷۱)

دورِ حضرت موسٰی علیہ سلام میں ایک اسرائیلی جو صاحب ثروت و دولت تھا۔ اسکا وارث تنہا اسکا ایک بھتیجا تھا۔ اس نے اپنے چچا کے مال و دولت پر قابض ہونے کے لیے رات کے اندھیرے میں اسے قتل کیا اور اس کی میت کو کسی اور کے دروازے پر چھوڑ کر گھر واپس آ گیا تا کہ اس کے قتل کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہو جائے اور وہ خود چچا کی مال و دولت و جائیدار کا وارث قرار پائے۔ جن کے دروازے پر اس نے چچا کا جنازہ چھوڑا، وہ اپنے گھر کے درازے پر مقتول کی لاش ملنے اور اپنے اوپر واضح و آشکار تہمت لگنے کے بعد اس کے رد کیلئے اصل قاتل کو قاتل قرار دیکر اس کے ساتھ جنگ و نبرد آزمائی کے لیے مسلح ہوئے۔ جب فریقین تمام جنگی تیاریاں کر چکے تو انھوں نے سوچا ہم کیوں نہ جنگ سے پہلے موسٰی علیہ سلام کے پاس جائیں تا کہ وہ اس سلسلے میں ہمارے لیے کوئی بہتر فیصلہ صادر فرمائیں چنانچہ یہ سب لوگ اکھٹے ہو کر موسٰی علیہ سلام کے پاس گئے اور کہا کہ اس مقتول کے قاتل کی تشخیص و تعین کے بارے میں خدا سے پوچھ کر ہمیں بتائیں خداوند متعال کی طرف موسٰی علیہ سلام نے انھیں یہ حکم سنایا کہ آپ لوگ ایک گائے کو ذبح کریں موسٰی علیہ سلام نے نبی ہونے کے حوالے سے اس حکم کی استناد میں یہ نہیں کہا کہ میں تمہارا نبی اس بارے میں یہ حکم دیتا ہوں چونکہ وہ اپنی قوم کی لجاجت سے واقف تھے لہٰذا فرمایا کہ خدا نے تمھیں یہ حکم دیا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو انھوں نے اس حکم پر جو کہ حکیم مطلق سے صادر ہوا تھا، جزم و اعتقاد سے عمل کرنے کی بجائے اس میں حکمت تلاشی شروع کر دی اور ایسی حکمت تلاشی کی جو اعتراض و اہانت اور نادانی پر ایماء ہوا اس پر حضرت موسٰی علیہ سلام نے انھیں جواب دیا کہ میں خداوند متعال سے پناہ مانگتا ہوں کہ تمہارے ساتھ اس مسئلے میں ہنسی مذاق سے کام لوں:

﴿قال اعوذ باللہ ان اکون من الجھلین﴾ ''یہ تو جاہلوں کا کام ہے اور میں جاہل نہیں ہوں۔''

ان لوگوں نے اپنے عناد و شطانیت کو حکمت تلاشی میں چھپا کر اس پر اصرار کیا۔ چنانچہ خداوند حکیم نے ان کے اس حکمت تلاشی اور اس پر اصرار کے عمل کو نا پسند فرما کر اس سلسلے میں ان پر احکام میں شدت کا حکم دیا اور جس قدر وہ حکمت تلاشی کرتے گئے، اللہ تعالی اسی قدر اوصاف و شرائط میں اضافہ کرتا گیا۔ جیسا کہ آیات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ پورے بنی اسرائیل میں ان اوصاف و شرائط والی گائے صرف ایک گھر میں موجود تھی جو ایک بیوہ کا گھر تھا۔ اس کی ایک یتیم بچی تھی جو اپنی ماں کی اطاعت و فرمانبرداری میں سر تسلیم و خاضع رہتی تھی۔ اس بیوہ نے اس گائے کی بہت زیادہ قیمت بتاتے ہوئے کہا کہ اس گائے کو ذبح کر کے اس کی کھال میں جتنا سونا آئے، وہ اس کی قیمت ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو اس فتنہ و فساد اور قتل عام سے بچنے کیلئے یہ گائے خریدنا پڑی اس قصے میں ہمیں جو درس و عبرت ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔

بنی اسرائیل کے دلوں سے پتھر بہتر ہے

یہ آیہ قرآن ہے کہ جس کے تحت قلوب بنی اسرائیل پتھروں سے زیادہ سخت ہیں کیونکہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے پتھروں کو منفجر ہوتے اور ان سے چشمے پھوٹتے دیکھا لیکن اس کے باوجود خوف خداوند متعال سے ان کے دل نرم نہیں ہوئے۔ ان کے اندر کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ قلوب بنی اسرائیل میں موجود قساوت و سختی کا خاتمہ نہیں ہوا اور ان میں داخلہ ایمان کے لیے کوئی جگہ نہ بن سکی جس وجہ سے ان پر عذاب خدا نازل ہوا۔ سرگردان رہنا' فنا و برباد ہونا انکی تقدیر میں ثبت ہو گیا میدانوں اور صحراؤں میں ٹھوکریں کھانا انکے مقدر میں آیا۔ تب جا کر انھیں قضاوت و بدبختی کی زندگی کا علم ہوا اسکے بعد حضرت موسٰی علیہ السلام نے دوبارہ درگاہ رب العزت میں دعا کی موسٰی علیہ السلام نے فرعون کے ظلم و جبر سے نجات پانے، پتھر سے چشمے نکالنے اور دیگر معجزات پر کبھی فخر و مباہات نہ کیا بلکہ ان نعمتوں کے مقابل میں خود کو درگاہ میں مقصر و کوتاہ پیش کیا۔

رہبر صالح کی نافرمانی کا انجام طویل عمر کی سرگردانی

ہر وہ انسان جو اس پست و ذلیل دنیا کی عیش وطرب سے مانوس ہو وہ آخرت کی حیات جاودانی تو درکنار اسی دنیا میں بھی عزت وآبرو اور نیک انجام سے محروم سرگردانی اور پریشانی کی زندگی میں مبتلا ہوتا ہے۔اور راہ سعادت وخیر اندیشی کے تمام دروازے اس کے لئے بند ہوجاتے ہیں۔ایسے افراد یا قومیں تاریخ بشریت میں بہت ملیں گی۔لیکن اسکی ایک واضح ونمایاں مثال قرآن کریم کی سورۂ مائدہ ۲۶ میں بیان ہوئی ہے:

﴿قال فانها محرمة عليهم اربعين سنة يتيهون فى الارض فلا تاس على القوم الفسقين﴾ ''ارشاد ہوا کہ اب ان پر چالیس سال حرام کردئے گئے کہ یہ زمین میں چکر لگاتے رہیں گے لہٰذا تم اس فاسق قوم پر افسوس نہ کرو''

جہاں رہبر صالح کا اعلیٰ نمونہ حضرت موسی علیہ سلام ہیں وہاں عیش وذلت کی زندگی کی عادی اور راحت وآرام کی خواہش مند قوم بنی اسرائیل ہے۔جب قوم میں بیت المقدس پر قابض حکمرانوں کی طاقت وقدرت کے متعلق خوف وہراس پھیل گیا۔تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بیت المقدس پر چڑھائی اور جنگ کیلئے آمادہ کیا۔تاکہ عزم محکم سے کنعانیوں کو بیت المقدس سے نکال باہر کریں اور یہاں ایک عدالت پسند حکومت قائم کریں۔قوم بنی اسرائیل نے جب ندائے جنگ سنی تو سب نے بیک وقت کہا ہاں ایک ظالم وجابر اور قدرت مند قوم وحاکم موجود ہے ہم تو اس شہر میں داخل ہونے کا نام بھی نہیں لیتے درحالیکہ یہ قوم خود اس شہر کو خالی نہ کردے۔بنی اسرئیل کو حکومت کی خواہش تو تھی لیکن ایسی حکومت جو بغیر کسی کوشش و جہاد سے مل جائے اور انھیں خود کچھ نہ کرنا پڑے۔کیونکہ بنی اسرائیل معجزات کے عادی تھے لہٰذا اس کام کو بھی معجزہ سے ہی حاصل کرنا چاہتے تھے۔انکار جہاد پر بنی اسرائیل کو انعامات خداوندی یاد دلائے گئے کہ تمہارے درمیان خدا کے انبیاء مبعوث ہوئے تمھیں ہر طرح کی نعمتیں فراہم کی گئیں جو کچھ خدا نے تمھیں دیا وہ کسی اور قوم کو نہیں دیا۔لہٰذا تم اس شہر میں داخل ہو جاؤ ورنہ خسارے میں رہو گے۔انھوں نے کہا اگر ہم

وہاں گئے تو ہماری عورتیں اور بچے اسیر ہوجائیں گے۔تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں وعدہ دیا اگر تم آگے بڑھو تو خدا ضرور تمہاری مدد کرے گا۔اتنی تسلی وتشفی کے باوجود ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔لہٰذا انکی نامروتی اور بداخلاقی کا مظاہر ان الفاظ میں ہو کہ انھوں نے کہا موسی تو اور تیرا خدا جنگ کرو ہم انتظار میں بیٹھیں گئے لہٰذا انکے انکار کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارونؑ اور گنتی کے چند لوگ رہ گئے۔تو بے ساختہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے درگاہِ خداوندی میں دعا کی پروردگار میں اپنے بھائی ہارون کے علاوہ کوئی مددگار نہیں دیکھ رہا تو میری اوراس قوم کے درمیان جدائی ڈال۔خداوند متعال نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی آپ ان سے جدا ہوجائیں اور جلد ہی ان پر عذاب آنے والا ہے۔جس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل صحرا میں سرگردان ہوئے اور خدا نے ۴۰ سال تک ان کے شہر میں داخل ہونے پر پابندی لگائی۔ایک صحرا سے نکلتے تو دوسرے میں داخل ہوجاتے اور اس عمل میں سالہا سال گذر گئے اور وہ آرام وسکون کی تلاش میں سرگرداں رہے اور آخر میں فرعون مصر کی بندگی میں گرفتار ہوئے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ خدا نے ان کے درمیان انبیاء مبعوث کیے انھیں نعمتوں سے نوازا لیکن انھوں نے سب کچھ بھلا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور علم ومعرفت کی تشنگی

بحث فلسفہ میں ایک موضوع کائنات میں ماسوائے خداوند متعال جتنی موجودات عالم ہیں ادنی سے ادنی اور اشرف سے اشرف مخلوقات حتی کہ انبیاءٔ اوصیاء واولیاء تک سب محدود فی الذات وصفات ہیں۔یہ سبھی ذوات مقدسہ وطاہر ہمیشہ ایک ذات لامحدود کی طرف اپنے کمال کی منازل طے کررہی ہیں ان کے مقابل جو مخلوقات سرکش وطاغی ہیں انکی حرکت پستی کی طرف ہے۔لہٰذا خاتم الانبیاء اگر اس وقت بھی عالم آب وگل میں موجود ہوتے تو یہ دعا ابھی بھی انکی ورد زبان ہوتی کہ رب زدنی علما یعنی اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔جب پیغمبر کا علم ہر لحظہ قابل اضافہ ہے تو انکے اوصیاء وجانشین جو کہ علم ومعرفت خود پیغمبر سے کسب کرتے ہیں انکا علمی مقام نبی کے مقابل میں واضح ہے۔

اس اصول مسلمہ کے تحت حضرت موسٰی علیہ السلام جنھیں خداوند کریم نے اپنی بے مثال نعمتوں سے نوازا۔ آیات حق کو حضرت موسٰی نے پہچانا لیکن تشنگی علم ومعرفت کا شعلہ انکے اندر خاموش نہ ہوسکا اور نہ ہی اس شعلہ میں کمی آئی۔ آپؑ نے بنی اسرائیل کی عناد ودشمنی، عصیان ونافرمانی اور بے ادبی کے مقابلے میں حضرت موسیٰؑ نے درگاہ خدا میں ان سے تمناء جدائی کی دعا کی۔ لیکن وسعت علم ومعرفت کی دعا میں کچھ کمی نہ ہوئی۔ پروردگار نے آخری لمحات میں اپنے اس محبوب، مجاہد، حلیم وبردبار پیغمبر کی اس خواہش کو برآور کرنے کے لئے ایک عبدِ صالح کی شاگردی کا حکم دیا۔ معلوم نہیں وہ عبدِ صالح پہلے سے موجود تھے یا اسی وقت پروردگار نے انکی تخلیق فرمائی۔ تاریخ نے گرچہ اس عبد صالح کا نام خضر متعارف کروایا ہے لیکن قرآن کریم نے صرف عبدِ صالح کہنے پر اکتفاء کیا ہے۔ غرض خداوند علیم وخبیر نے حضرت موسٰی علیہ السلام سے فرمایا دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر ہمارے عبدِ صالح سے ملاقات کرو اور انکی شاگردی اختیار کرو۔ اس خواہش درینہ کو پورا کرنے پر پروردگار عالم کا شکریہ ادا کرنے کے بعد درخواست کی کہ میں اس بندے کو کیسے پہچانوں خدا نے کہا اس مچھلی کو ظرف میں رکھ کر لے جائیں جہاں یہ مچھلی آپ کے ہاتھ سے نکل کر دریا میں راستہ بنائے وہاں ہمارا بندہ آپ کو ملے گا۔ یہاں سے قصہ موسی جہاد ومبارزہ، جنگ وجدال، غم وغصہ اور مزاحمت کی طویل جدوجہد سے نکل کر ایک نئے باب میں داخل ہوتا ہے۔ یہاں قصہ موسٰی وبنی اسرائیل نہیں تبلیغ رسالت نہیں، قصہ تعلیم وتربیت نہیں بلکہ یہاں قصہ تربیت ہے اپنے نفس کو بنانا ہے۔ یہاں قصہ ظواہر ومحسوسات عالم سے نکل کر حقائق اور باطن کے دیکھنے کے مرحلہ میں داخل ہوتا ہے۔ لہٰذا پروردگار عالم نے اس قصہ کو ٹکڑے ٹکڑے نازل نہیں کیا بلکہ ایک ہی جگہ مفصل بیان کیا ہے۔ سابق قصہ عناصر واجزاء پر مشتمل ہے جبکہ یہاں قصہ میں صرف ذات موسٰی علیہ السلام شامل ہے باقی تمام عناصر ترکیبی نئے ہیں۔ ہم یہاں پہلے اس قصہ کے عناصر کو بیان کرنا چاہیں گے۔ اس قصہ میں بنیادی عناصر حضرت موسٰی علیہ السلام اور عبدِ صالح ہیں۔ ہدف معرفت حقائق وباطن ہے لیکن بیچ میں ذکر ہونے والے عناصر کے اجزا یہ ہیں:

۱۔ مچھلی ۲۔ موسٰی کا ساتھی ۳۔ کشتی اور کشتی بان ۴۔ ایک طفل سرکش ۵۔ بے مروت ناانصاف اہل قریہ اور دیوار یتیم۔

موسٰی علیہ سلام اور رختِ سفر

حضرت موسٰی علیہ سلام اپنے ہمراہ ایک ساتھی کو لیکر ایک طویل نامعلوم اور غیر محدود مسافت کے لئے سفر پر آمادہ ہوئے اور عبدِ صالح کی شناخت کے لیے اپنے ساتھی سے کہا وہ ایک مچھلی کو ساتھ رکھے اور جہاں یہ مچھلی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دریا میں چلی جائے وہاں فوراانھیں آگاہ کرے۔ راستے میں ایک جگہ موسٰی علیہ سلام اور انکا ساتھی استراحت فرما رہے تھے کہ مچھلی اسکے ہاتھ سے نکل کر دریا میں چلی گئی۔ بعد میں یہ اگلی منزل کی طرف روانہ ہوئے لیکن اسے حضرت موسٰی علیہ السلام کو بتانا یاد نہیں رہا۔ ایک جگہ پہنچ کر جب تھکاوٹ کو محسوس کیا اور سوچا کچھ غذا کھائیں۔ تو ساتھی نے کہا مچھلی تو تھی مگر جہاں ہم نے آرام کیا وہ وہاں دریا میں چلی گئی تھی۔ موسٰی علیہ سلام نے فرمایا فوراً واپس چلو وہی تو ہماری منزل تھی چنانچہ وہ واپس چل پڑے۔ ھدف ومنزل سے قریب ہونے کی خوشی میں موسٰی علیہ سلام کے چہرے پر مسرت وانبساط کے آثار نمایاں ہونا شروع ہوئے۔ جب فاصلہ تھوڑا رہ گیا تو موسٰی علیہ سلام نے کہا یہی وہ جگہ ہے جہاں ہم پہنچنا چاہتے تھے۔ جب وہاں پہنچے تو ایک ضعیف الجسم جس کی زبان میں طہارت تھی اور چہرہ پر نور عیاں تھا کو بیٹھے ہوئے پایا۔ موسٰی علیہ سلام نے پہنچتے ہی سب سے پہلے سلام کیا تو عبد صالح نے چہرہ سے پردہ اٹھا کر انھیں سلام کا جواب دیا: قال فان اتبعتنی فلاتسئلنی عن شیءٍ حتٰی احدث لك منه ذكرًا﴾ ''اچھا، اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھیں جب تک کہ میں خود اس کا آپ سے ذکر نہ کروں۔ چنانچہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ ایک کشتی میں سوار ہوئے تو اس نے کشتی میں شگاف ڈال دیا موسٰی نے کہا: کیا آپ نے اس میں شگاف اس لئے ڈالا ہے کہ سب کشتی والوں کو غرق کردیں ؟ یہ آپ نے بڑا ہی نامناسب اقدام کیا ہے۔ اس نے کہا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کرسکیں گے؟۔ موسٰی نے کہا: مجھ سے

جو بھول ہوئی ہے اس پر آپ میرا مواخذہ نہ کریں اور میرے ساتھ اس معاملے میں مجھے سختی میں نہ ڈالیں۔ پھر روانہ ہوئے یہاں تک کہ وہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو اس نے لڑکے کو قتل کر دیا موسیٰ نے کہا: کیا آپ نے ایک بے گناہ کو بغیر قصاص کے مار ڈالا؟ یہ تو آپ نے واقعی برا کام کیا۔ اس نے کہا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے؟۔ موسیٰ نے کہا: اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کسی بات پر سوال کیا تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں میری طرف سے آپ یقیناً عذر کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک بستی والوں کے ہاں پہنچ گئے تو ان سے کھانا طلب کیا مگر انھوں نے ان کی پذیرائی سے انکار کر دیا پھر ان دونوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرنے والی تھی پس اس نے اسے سیدھا کر دیا موسیٰ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس کی اجرت لے سکتے تھے۔ انھوں نے کہا: بس یہی میری اور آپ کی جدائی کا لمحہ ہے اب میں آپ کو ان باتوں کی تاویل بتا دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔ وہ کشتی چند غریب لوگوں کی تھی جو سمندر میں محنت کرتے تھے میں نے چاہا کہ اسے عیب دار بنا دوں کیونکہ ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا جو ہر (سالم) کشتی کو جبراً چھین لیتا تھا۔ اور لڑکے (کا مسئلہ یہ تھا کہ اس) کے والدین مومن تھے اور ہمیں اندیشہ ہوا کہ لڑکا انھیں سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا۔ پس ہم نے چاہا کہ ان کا رب انھیں اس کے بدلے ایسا فرزند دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر اور محبت میں ان سے بڑھ کر ہو۔ اور رہی دیوار تو وہ اسی شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ موجود تھا اور ان کا باپ نیک شخص تھا لہٰذا آپ کے رب نے چاہا کہ یہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے اپنا خزانہ نکالیں اور یہ میں نے اپنی جانب سے نہیں کیا۔ یہ ہے ان باتوں کی تاویل جن پر آپ صبر نہ کر سکے‘‘ (کہف/۷۰تا۸۲)

درس و عبرت

اس معاہدہ اور موسیٰ علیہ سلام کے اعتراض اور عبدِ صالح کے جواب میں ہماری زندگی کے لیے تین درس ملتے ہیں:

۱۔ کسی کی شاگردی اختیار کرنے اور اسے مرشد و مربی تسلیم کرنے کے بعد اس کی گفتگو کے درمیان میں سوال کرنا غلط ہے۔ اس کے لیے مرشد و مربی یا استاد مکرم کو اپنی گفتگو اختتام تک پہنچانے کی اجازت دینی چاہیے۔

۲۔ اگر کوئی انسان کسی بہت بڑے اور ناقابل تحمل نقصان سے دوچار ہو رہا ہو تو وہ اس سے بچنے یا اسے معمولی و مختصر کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔

۳۔ کسی بھی مرشد و مربی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سائل کے سوال کرنے سے پہلے اس سے گفتگو کی شرائط طے کر کے انھیں ان شرائط کا پابند بنا سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ سلام صاحب شریعت نبی مرسل اور اولی العزم انبیاء میں سے تھے۔ ان پر اس شریعت اور مسئولیت پر عمل کرنے کی ذمہ داری بدرجہ اتم لاگو ہوتی تھی کیونکہ مقام و امر کے عہد و پیمان کی پابندی اپنی جگہ واجب ہے لیکن دوسری طرف کسی خلاف شرع عمل پر صبر و تحمل کرنا بھی حرام ہے کیونکہ واجب اور حرمت میں تزاحم کے موقع پر حرمت مقدم ہے۔ شریعت انسانوں کی عام زندگی کے نظم و نسق کو تعادل اور توازن میں رکھنے کی خاطر ہے لیکن بعض اوقات انسان وقتی فوائد کو دیکھتا ہے حالانکہ مستقبل بعید میں بہت سے نقصانات متوقع ہو سکتے ہیں لہٰذا انسان کو چاہیے کہ شریعت پر عمل کرتے وقت مستقبل کے خطرات کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

قصہ حضرت موسیٰؑ اور فرعون سے عبرتیں:

☆ سورۂ قصص میں قصۂ حضرت موسیٰؑ و فرعون سے پہلے فرعون کے تکبر و سرکشی کا ذکر آیا ہے جس سے یہ نتیجہ و عبرت اخذ کیا جا سکتا ہے کہ فرعون کی ہلاکت و نابودی درحقیقت خداوند عالم کی طرف سے انتقام اور ان مستضعفین بنی اسرائیل کی مدد تھی جنہیں فرعون نے ذلیل و خوار کیا جن کی عورتوں کو زندہ رکھا اور لڑکوں کو قتل کیا۔

☆ اس قصے سے پہلے فرعون کے کردار و سیرت اور بعد میں اس قصے کے انجام کا ذکر کرنا ایک تنبیہ ہے کہ جو بھی فرعونی راستے پر چلے گا اس کا انجام بھی وہی ہو گا اور خدا اس

سے انتقام لے گا اور ظالمین و جابرین کے ظلم وطغیان پر صبر کرنے والوں کی مدد کرے گا اور آخر میں انہیں اقتدار دیگا چنانچہ اس کے بعد کی آیت میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ہم مستضعفین پر منت رکھیں گے۔

☆ فرعون نجومیوں وکاہنوں اور حاشیہ نشینوں کے کہنے پر حضرت موسیٰؑ یا ان کمزور لوگوں کے خطرے سے جتنا بھی بچنے کی کوشش کرے خدا کے کئے ہوئے فیصلہ سے نہیں بچ سکتا۔

☆ عزت وسربلندی مختص بہ ذات خدا ہے۔خدا جسے عزت دینا چاہے اسے عزت دے گا:

﴿وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین﴾ ''حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کیلئے ہے'' (منافقون/۸) ﴿وتعز من تشآء وتذل من تشآء﴾ ''جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کردے'' (آلعمران/۲۶)

☆ خداوند عالم نے مادرِ موسیٰؑ سے فرمایا کہ اگر آپ کو ڈر لگتا ہے تو بچے کو تابوت میں رکھ کر دریا میں پھینک دے۔اس بات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ڈر وخوف انسان کی طبیعت میں ہے خوف کھانا کوئی مذمت کی بات نہیں۔

☆ خداوند عالم نے مادرِ موسیٰؑ سے کہا کہ جلدی اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں پھینک دو یہاں مادر موسیٰ کیلئے دو خطرات موجود تھے۔

(۱) بچے کو اپنے سامنے مارنا۔ (۲) بچے کو دریا میں پھینکنا۔

یہی دو کام خطرے کا سبب تھے لیکن سامنے کا خطرہ یقینی تھا اور صندوق میں رکھ کر دریا میں پھینکنے کا خطرہ بعید اور اس میں بچنے کی امید تھی۔اس کے علاوہ یہاں ایک امید وتسکین الہام بھی موجود ہے۔

☆ اللہ تعالی نے قرآن کریم کی سورۂ تحریم میں زوجۂ فرعون اور مریم بتول کے کردار کو رہتی دنیا تک کے مرد اور خواتین کے لیے نمونہ عمل قرار دیا۔بہت سے جذباتی وانقلابی

انسان، دھواں دار نعرے بلند کرنے والے اور غیر عاقلانہ حرکتیں انجام دینے والے لاکھوں ہزاروں انسانوں سے بڑھ کر ایک عورت ظالم وجابر اور آمر انسان کی فرش بساط بن کر وہ کردار ادا کرتی ہے جو سابق الذکر لاکھوں کی تعداد کرنے سے عاجز ہیں۔

☆ قبطی کے مرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ سلام نے اس شہر میں ایک خوفزدہ رات گزاری اور وسرے دن خوف کے عالم میں اس شہر کو چھوڑ دیا اس سے یہ درس ملتا ہے کہ بعض انسانوں کا یہ کہنا کہ مردان خدا اور انبیاء واولیاء کرام اللہ تبارک وتعالی کے علاوہ کسی سے خوف نہیں کھاتے ایک غلط اور غیر منطقی بات ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ سلام قبطی کی موت کے بعد اپنے عمل کے متوقع نتائج سے خوفزدہ رہے اور اسی خوف کے عالم میں شہر کو چھوڑا اور وہاں سے ہجرت کی۔

☆ احکامِ الٰہی میں حکمت وفلسفہ تلاشی اور اس کے جاننے پر زیادہ اصرار کرنا کوئی مستحن عمل نہیں اور یہ مورد پسند ورضائے خدا بھی نہیں بلکہ سورۂ مائدہ آیت ۱۰۱ میں اللہ رب العزت نے ایسے سوالات کرنے سے منع کیا ہے:

﴿یاایھاالذین امنوا لاتسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسوکم﴾ ''اے ایمان والو: ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمھیں بری لگیں''

☆ انبیاء علیھم السلام کے احکامات وتعلیمات کا مذاق اڑانا دنیا میں بھی باعث ملامت وقابلِ مذمت عمل ہے اور ایسا کرنے والے آخرت میں بھی مستحق عتاب وعقاب ہیں۔

☆ گائے کو ذبح کرکے اس کے گوشت کو مردہ مقتول سے مار کر اس مردے کو زندہ کرنے سے خداوند متعال نے مردے کو زندہ کرنے میں اپنی قدرت نمائی دکھائی ہے۔اگر زندہ سے مار کر مردے کو زندہ کرتے تو شاید بنی اسرائیل یہ کہتے وہ مردہ مرا ہی نہیں تھا یا زندہ موجود سے مس کرنے سے اس میں حیات سرایت کرگئی ہے چنانچہ خداوند کریم نے سورۂ بقرہ

آیت ۲۴۳، ۲۵۹ اور ۲۶۰ میں مردہ کو زندہ کرنے کا بیان ہوا ہے۔

☆ مقتول کے قاتل کی تشخیص وتعین کے لیے حیوانات میں سے گائے کے انتخاب کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل گائے کو مقدس ومحترم شمار کرتے تھے اور اس کے تقدس کے قائل تھے۔ لہٰذا ان کی اندر موجود بت پرستی کے جراثیم کے خاتمہ کے لیے خدا نے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔

☆ قتل نفس ایک بڑا جرم ہے جسکی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

☆ انسان کا دل اگر حکم خداوندمتعال کے لیے خاضع نہ ہو اور وہ خداوندمتعال کا مطیع وفرمانبردار بندہ نہ بنے تو وہ پتھروں سے بھی بدتر ہے اور پتھر اس سے افضل واشرف ہیں کیونکہ پتھر خداوندمتعال کی اطاعت وپیروی کرتے ہیں:

﴿تسبح لہ السمٰوٰت السبع والارض ومن فیھن وان من شئی الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم﴾ ''اس کی پاکی تو ساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں بیان کررہی ہیں جو آسمان وزمین میں ہیں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کررہی ہو مگر تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو'' (اسراء/۴۴) سے یہ بات واضح ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام

سلسلہ انبیاء علیہم السلام میں صرف حضرت عیسٰی علیہ السلام ہیں جن کو قرآن کریم میں تین ناموں سے پکارا ہے:

۱۔ عیسٰی نو (۹) بار ذکر آیا ہے، عیسٰی انکا اسم ہے اور مسیح انکا لقب ہے۔

۲۔ مسیح گیارہ (۱۱) بار ذکر ہوا، مسیح مادۂ مسح سے ہے حضرت عیسیٰؑ کو شاید اس لئے مسیح کہتے ہیں کہ وہ عیبوں سے پاک وپاکیزہ ہیں یا ان کے معجزات میں سے ہے وہ جس مریض پر ہاتھ پھیرتے وہ شفایاب ہوجاتا۔ یعنی آپ مبارک تھے، اس لئے مسیح کہا گیا۔

۳۔ کنیت (ابن مریم) اٹھارہ (۱۸) بار ذکر ہوا ہے، سورۂ آل عمران کی آیت ۴۵ میں اللہ تبارک تعالیٰ نے ایک ہی آیت میں انکا اسم، لقب اور کنیت تینوں کو یکجا فرمایا ہے:

﴿ان اللہ یبشرك بکلمةٍ منہ اسمہ المسیح عیسٰی ابن مریم﴾ ''اے مریم! اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی بشارت دیتا ہے جسکا نام مسیح عیسٰی بن مریم ہوگا''

عیسٰی اسم ہے لقب آپ کا مسیح ہے کنیت آپ کی ابن مریم انجیل میں حضرت عیسٰی کے نسب کے بارے میں یوں آیا ہے کہ یسوع بن یوسف النجار بن یعقوب بن متان بن الیعاز ر بن الیھود بن اخیم بن صادق بن عازور بن الیاقیم بن بیھود بن زربابل بن ثسلتائیل بن یکنیابن یوشیا بن امون بن منسابن حزقیا ن احاز یوثام بن عزیان بن یورام بن یھر شافط بن اسیا بن ابیا بن رحبعام بن سیلمان بن داود بن یسی بن عوبیدبن بوعز بن سلمون بن نحشون بن عمینا داب بن آرام بن حصرون بن فارص بن یھوذا بن یعقعوب بن اسحاق بن ابراھیم۔

حضرت عیسیٰ چوتھے اولی العزم پیغمبر ہیں جن کا ذکر قرآن کریم کی جن سوروں میں اور آیتوں میں آیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آیات قرآنی میں:

سورہ	سورہ نمبر	آیت نمبر
بقرہ	۲	۸۷،۱۳۶،۲۵۳
آل عمران	۳	۴۵،۵۲،۵۵،۵۹،۸۴
نساء	۴	۱۵۷،۱۶۳،۱۷۱
مائدہ	۵	۴۶،۷۸،۱۱۰،۱۱۲،۱۱۴،۱۱۶
انعام	۶	۸۵
مریم	۱۹	۳۴
احزاب،	۳۳	۷
شوریٰ،	۴۲	۱۳
زخرف،	۴۳	۶۳
حدید،	۵۷	۲۷
صف،	۶۱	۶،۱۴

میلاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

حنہ زوجہ عمران ابن ماسان جنکا سلسلہ نسب حضرت سلمان بن داوٗد بن عیشی ابن لہیوزہ بن یعقوب بن اسحاق بن ابراھیم خلیل۔ زوجۂ عمران اولاد جنم دینے سے معذور و نا امید تھیں ایک دفعہ انھوں نے ایک پرندے کو اپنے بچے کو دانہ کھلاتے دیکھ کر رشک کی حالت میں تمنا کی: کاش! میرے ہاں بھی بچہ ہوتا، یہاں سے انھوں نے بے اختیار درگاہ خدا میں دعا کی تو اسے ماہواری آئی اور حاملہ ہونے کے قابل ہوگئی یہیں سے حنہ نے درگاہِ

خدا میں اس حاملہ کو نذر کیا چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت ۳۵ میں آیا ہے کہ حنہ زوجہ عمران نے کہا کہ اے میرے پروردگار میں اس بچے کو جو میرے پیٹ میں ہے اپنی ذات پر بیت المقدس کی خدمت کو مقدم رکھتے ہوئے اس بچے کو تیری نذر کرتی ہوں: ﴿اذ قالت امرت عمرٰن رب انی نذرت لك مافی بطنی محررًافتقبل منی﴾ ''(وہ وقت یاد کرو) جب عمران کی عورت نے کہا: پروردگار! جو (بچہ) میرے شکم میں ہے اسے تیری نذر کرتی ہوں، وہ (اور باتوں سے) آزاد ہوگا، تو میری طرف سے قبول فرما''۔

نذر وہی ہوتی ہے جو اپنے واجبات سے مازاد (واجبات کے علاوہ) اطاعت و بندگی خدا کے خواہاں ادا کرتے ہیں حنا میں بھی اگر چہ اپنے فرزند سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کی خواہش موجود تھی تاہم اس نے بیت المقدس کی خدمت کو اپنی خواہش پر مقدم رکھتے ہوئے اپنے مولود کو اس کام کے لیے مختص کر دیا اور اپنے آپکو اپنی خواہش سے آزاد کر دیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حنا رضائے خدا کی خاطر اپنی ذات اور ذاتی خواہشات سے کس قدر آزاد تھی جب کوئی بندہ اس حد تک اپنی ذات سے گزرتے ہوئے رضا و خوشنودی خدا کو مقدم رکھتا ہے تو پھر اللہ تبارک تعالیٰ تنہا اس کے اس عمل کو قبول کرنے پر اکتفاء نہیں کرتا بلکہ اس کی قبولیت کو حسن بھی بخشتا ہے قبول حسن رضا سے بہتر قبولیت کو کہتے ہیں حنا نے اپنے شکم میں موجود مولود کو ولادت کے پہلے ہی دن سے بیت المقدس کی خدمت کے لیے مختص کر دیا لیکن وہ یہ امید باندھے ہوئے تھی کہ اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا اور بچے کی ولادت پہ معلوم ہوا کہ یہ تو لڑکی ہے تو انہیں یہ حسرت و افسوس ہوا کہ میں نے جو وعدہ خدا سے کیا تھا اب اس نذر کیلئے وہ وعدہ کیسے وفا ہوگا اور پھر درگار خدا میں یوں کہا خداوندا میری نذر پر تیری تقدیر نے سبقت لے لی حنا نے کہا کہ اب یہ تو بیت المقدس کے لیے صالح و موزوں نہیں ہے سورۂ آل عمران کی آیت ۳۶ میں آیا ہے کہ اس ولادت پر حنا نے کہا کہ لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا کیونکہ لڑکی بیت المقدس کی خدمت نہیں کرسکتی:

﴿فلما وضعتها قالت رب انی وضعتها انثی واللہ اعلم بما وضعت ولیس

الــذ كــر كـــا لانثـــى ﴾ ''پھر جب اسے جن چکی تو کہنے لگی: مالک میں نے تو لڑکی جنی اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس (مادر مریم) نے کیا جنا اور لڑکا اس لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا تھا''

لیکن بعض علماء نے اس جملے لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔ کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ جملہ حنا نے نہیں بلکہ خدا نے فرمایا ہے اور خداوند متعال اس جملے سے یہ بتانا چاہتا ہے کہ لڑکا اس لڑکی کے مقام و منزلت تک نہیں پہنچ سکتا حنا نے ولادت کے فوراً بعد لڑکی کا نام مریم رکھ دیا جب حضرت مریمؑ کو بیت المقدس میں رکھا گیا تو تمام ہی لوگ اسے اپنی کفالت میں لینے کی خواہش ظاہر کرنے لگے یہاں تک کہ لوگوں میں اختلاف برپا ہوا کہ کون لڑکی کی کفالت کرئے گا چنانچہ یدِ غیبی اور عنایت الٰہی نے اپنا فیصلہ سنایا اور قرعہ حضرت ذکریا کے نام نکلا کہ وہ مریم کی کفالت و سرپرستی کریں گے حضرت ذکریا مریم بتول کی خالہ کے شوہر تھے اور اپنے دور کے نبی تھے سورۂ آل عمران آیت ۴۲ میں آیا ہے کہ ملائکہ نے مریم بتول سے خطاب کر کے کہا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کا انتخاب کیا ہے آپکو تمام خواتین عالم پر اصطفی (برگزیدہ) کیا ہے اور پاک و مطہر بنایا ہے :

﴿یـامریم ان اللہ اصطفٰك وطھرك واصطفٰك علیٰ نسآء العٰلمین﴾ ''اے مریم! اللہ نے تمہیں برگزیدہ کیا ہے اور تمہیں پاکیزہ بنایا ہے اور تمہیں تمام دنیا کی عورتوں پر برگزیدہ کیا ہے''

کہتے ہیں کہ مریم بتول کو یہ خبر دینے والے ملک امین وحی جبرائیلؑ تھے اس آیت میں اللہ تعالی نے ایک کلمے کے فاصلے کے ساتھ دوبار لفظ اصطفی کا تکرار کیا ہے پہلے اصطفی سے ایمان ،صلاح اور اخلاق طیب مراد ہے اس میں تمام مذکر و مونث شامل ہیں اور دوسرے اصطفی جو عالمین کی خواتین سے ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی نے نہ صرف اس وقت سے لیکر اب تک بلکہ حضرت آدم سے لیکر آخری دنیا تک تمام عالمین کی خواتین میں سے بغیر شوہر کے فرزند پیدا کرنے والی خاتون کے طور پر صرف حضرت مریم ہی کا انتخاب کیا ہے یعنی تمام خواتین میں سے یہ شرف صرف حضرت مریم ہی کو ملا ہے ملائکہ نے اپنے خطاب میں

حضرت مریم سے کہا کہ ہمیشہ اپنے رب کے حضور دائم العبادت خشوع و خضوع میں رہیں کیونکہ سجود خضوع سے مافوق ہے حضرت مریم کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے نذر کیا گیا تھا اور حنہ نے اس مقصد کے لیے انہیں وہاں چھوڑا لیکن حضرت مریم اس سے بھی بہت ہی اعلیٰ و ارفع اہداف کہ جن کے لیے بیت المقدس کی تاسیس ہوئی ان کی طرف متوجہ ہوئیں چنانچہ مریم بیت المقدس سے نکلیں اور وہاں سے ہجرت کی تاکہ لوگوں سے دور جا کے خلوت میں اپنے رب کے حضور راز و نیاز کریں کیونکہ جب انسان لوگوں میں رہتا ہے تو اسے لوگوں سے انس ہوتا ہے اور جب وہ لوگوں سے دور ہوتا ہے تو اسے خدا سے انس ہوتا ہے حضرت مریم نے لوگوں سے دور ہو کر بیت المقدس کے مشرق کی طرف ایک جگہ کا انتخاب کیا کیونکہ وہاں سورج کی روشنی و نور زیادہ لگتا تھا چنانچہ اس جگہ کے انتخاب کے بعد وہاں اپنے لیے ایک پردہ و حجاب بنایا تا کہ لوگوں کی نظروں سے محفوظ رہیں سورۂ مریم آیت ۱۷ میں آیا ہے کہ اسی دوران خداوند متعال نے اپنی روح کو جو کہ جبرائیل ہے انسان کی شکل میں وہاں بھیجا:

﴿فـارسلـنـا الیھـا روحـنـا فتمثل لھا بشرًا سویًا﴾ ''پس ہم نے ان کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا پس وہ ان کے سامنے مکمل انسان کی شکل میں ظاہر ہوا'' کیونکہ مریم ملائکہ کو ملک کی شکل و صورت میں نہ دیکھ سکتی تھیں اور نہ سن سکتی تھیں لہٰذا خدا نے جبرائیل کو انسان کی شکل میں وہاں بھیجا تا کہ وہ خوفزدہ نہ ہو جائیں جب ایک قد و قامت والا انسان اچانک مریم کے حضور میں حاضر ہوا تو مریم عابدہ و مطیعہ نے بے ساختہ ان سے کہا کہ اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تم سے خدا کی پناہ چاہتی ہوں میں ایک ضعیف و ناتوان عورت ہوں جو کہ مرد سے مقابلہ نہیں کر سکتی تو ملک نے ان سے کہا کہ میں تو آپ کے رب کی طرف سے آپ کے لیے ایک فرزند کی ولادت کا پیغام سنانے آیا ہوں میں اپنی مرضی سے نہیں آیا بلکہ خدا کا بھیجا ہوا ہوں اور ایک پیغام و عطیہ پہنچانے آیا ہوں تو مریم نے فوراً جواب دیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کیونکہ ولادت فرزند کے لیے اسباب چاہئیں اور ان اسباب میں مرد و عورت کا ازدواج ضروری ہے وہ زواج دو قسم کے ہیں جن میں سے ایک زواج نا مشروع ہے جبکہ میں پاک

وطاہر ومطہر عورت ہوں اور میں ایک ایسی عورت نہیں ہوں جو غیر مشروع زواج کا ارتکاب کرے اور دوسرا ازواج زواج مشروع ہے جبکہ میرا کسی سے عقد نہیں ہوا اور ابھی تک کسی مرد نے مجھے چھوا تک نہیں یعنی میری شادی نہیں ہوئی تو ملائکہ نے جواب دیا کہ آپ کے رب نے ایسا ہی چاہا ہے آپ کو بغیر شادی کے فرزند عطا کرے اور اس کے لیے کوئی مرد آپکو چھوئے گا بھی نہیں خدا فرماتا ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے کہ میں جس طرح چاہوں کسی کو اولاد عطا کر دوں ملک نے مریم سے کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ اے مریم تیرا یہ فرزند لوگوں کے لیے نشانی وعلامت اور خدا کی رحمت ہوگا یہ خدا کی طرف سے فیصلہ شدہ بات ہے:

﴿ولنجعله اٰیۃً للناس ورحمۃً مناو کان امرًا مقضیًا ﴾ ''ہم اس لڑکے کو لوگوں کیلئے نشانی قرار دیں اور ہماری طرف سے رحمت ثابت ہو اور یہ کام طے شدہ تھا'' (مریم/۲۱) ﴿فحملته فانتبذت به مکانًا قصیًا ﴾ ''اور مریم اس بچے سے حاملہ ہوگئیں اور وہ اسے دور لے کر چلی گئیں'' (مریم/۲۲)

ولادت حضرت عیسٰی علیہ السلام

جب مریم حاملہ ہوگئی اور بچہ دینے کی ناگوار حالت نے انہیں ایک دور جگہ کجھور کے درخت کے نیچے پہنچایا وہاں پہنچ کر بے ساختہ کہنے لگی کاش اس سے پہلے مر چکی ہوتی میرا نام کہیں بھی نہ ہوتا: ﴿قالت یٰلیتنی مت قبل هذاو کنت نسیًا منسیًا ﴾ '' کہنے لگیں: اے کاش! میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی اور صفحہ فراموشی میں کھو چکی ہوتی'' (مریم/۲۳)

ایسی جگہ یہ اس لیے آئیں تا کہ کسی کو پتہ نہ چلے حاملہ ہو کر بچہ جنم دیا بچہ پیدا ہو گیا تو شرمندگی نے اندر سے مریم کو بے قابو اور منفعل کیا مریم جہاں پہلے کہتی تھی کہ میں کیسے حاملہ ہو سکتی ہوں جب بچہ ہونے پر شرمندگی سے زیادہ لوگوں کے سوال کے جواب دینے کے مسائل مشکلات پیش آنے کے بارے میں سوچ کر کہنے لگی کہ کاش میں مر چکی ہوتی اور میرا نام نہ ہوتا اس تمنا کے آتے ہی مریم نے نیچے سے ندا سنی یعنی نومولود نے کہا آپ پریشان نہ ہوں آپ کے نیچے ایک نہر جاری ہے جو انتہائی خوش گوار ہے کھانے کے لیے اس درخت کے

تنے کو ہلا دیں، خداند عالم نے مریم کو عیسٰی کی ولادت کے لیے کیا کیا اہتمام نہیں کیا ایک خوش گوار ہوا کی جگہ لایا نیچے سے خوش گوار پانی کا چشمہ اور سامنے کھجور کے درخت سے کھجور پیدا کی انسانی بقاء کے لیے ضروری تمام چیزیں کھانے پینے اور ہوا سب مہیا کیے کہتے ہیں کہ انسان ایک مہینہ زندہ رہ سکتا ہے بغیر کھانے کے اور تین دن زندہ رہ سکتا ہے بغیر پانی کے اور بغیر ہوا کے ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا ہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کھجور کے درخت کو ہلانا پوری دنیا کے قوی ترین انسان کے لیے ممکن نہیں ہے اس کی جڑیں زمین کی تہہ میں ہوتی ہیں مریم جیسی صنف نازک نوعمر حالت ضعف وناتوانی جسمانی اور روحی حوالے سے غم زدہ اور پریشان عورت کس طرح کھجور کے درخت کو ہلا سکتی ہے لیکن تمام مشکلات کے ارادے مشیت الٰہی کے سامنے خاضع ہیں خداوند عالم نے مریم کو یہ بتا کر دنیا کو بھی بتایا کہ انسان کو ہمیشہ رب اسباب پہ بھروسہ کے ساتھ سبب سے بھی متوسل ہونا چاہے خداوند عالم اس قانون کو جاری رکھنا چاہتے ہیں کہ اسباب سے کبھی بے نیاز نہ ہو جائیں۔

زندگی کے جسمانی مسائل کو خداوند عالم نے ہوا پانی اور کھجوور سے پوار کیا لیکن جو مریم کو شرمندگی درپیش ہے اس کا کیا حل ہے آیت کریمہ میں ہے کہ خداوند عالم نے اس کی بھی تسلی دی ہے آپ کو آنکھوں میں ٹھندک ہوگی جب انسان منزل جمیل کو دیکھتا ہے تو اسی کی طرف دیکھتا رہتا ہے کسی اور کو دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی گویا خدا مریم سے فرمارہے ہیں کہ آپ کی آنکھوں میں ٹھنڈک ہوگی: ﴿فکلی واشربی وقری عینًا ﴾ ''پس آپ کھائیں اور پیئیں اور آنکھیں ٹھنڈی کریں'' (مریم/۲٦)

خداوند عالم نے آپ کو افضل واشرف سیدہ کے طور پر انتخاب کیا ہے اور سیدۂ عالمین کہا ہے اس سے سعادت اور کیا ہو سکتی ہے۔

اگر کوئی آپ سے ملے کوئی بات کرئے تو آپ ان سے کہیں کہ میں نے آج روزہ رکھا ہے میں آج کسی سے بات نہیں کروں گی اگر آپ سے پوچھیں یہ کیا ہوا تو لوگوں کے لیے کوئی بھی جواب حل کندہ نہیں ہے جو بھی جواب دیں گی وہ غیر مقبول ہوگا اور لوگ اسے قبول

نہیں کریں گے لوگ اپنی بے وقوفی اور جاہلت تند و تیز کو باقی رکھیں گے تو بہتر یہ ہے آپ کہہ دیں کہ میں نے خدا کے لیے بات کرنے سے روزہ رکھا ہے۔

نظام ولادت قرآن وسنت، عقل وتجربہ کی روشنی میں

پوری کائنات مسلسل موت وحیات میں ہے ایک مادہ مرتا ہے تو اس سے ایک زندہ پیدا ہوتا ہے ایک ذی حیات مردہ ہوتا ہے تو اس مردہ مادہ سے ایک زندہ پیدا ہوتا ہے اسی کا نام ولادت ہے ولادت وتولید مادی چیز سے کسی مادہ کے نکلنے کو کہتے ہیں اس میں فرق نہیں کہ والد ومولود میں کونسا مادہ کثیف ہے اور کونسا لطیف۔ ولادت صرف مادیات میں ہے۔ مجرد خالص نہ کسی چیز سے پیدا ہوتے ہیں اور نہ ان سے کوئی چیز پیدا ہوتی ہے۔

اس تسلسل کا ذکر قرآن کریم کی مختلف آیات میں ہوا ہے:

سورۂ ملک آیت ۲ میں موت وحیات کا ذکر ہے:

''اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا''۔

سورۂ بقرۃ آیت ۲۵۷ میں ظلمت سے نور کے نکلنے کا ذکر ہے:

''وہ انہیں تاریکی سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے'' ظلمت مردہ ہے اور نور حیات ہے

وہ ہمیشہ مردہ کو زندہ کرتا ہے اور پھر اسے واپس مردہ کرتا ہے:

''بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کا شگافتہ کرنے والا ہے وہی مردے سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو نکالنے والا ہے، وہی خلقت کی ابتداء کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا'' (یونس/۴) ''کہہ دیجئے: اللہ خلقت کی ابتداء بھی کرتا ہے اور پھر اسے دوبارہ بھی پیدا کرے گا'' (یونس/۳۴) ''اور جس دن اللہ انہیں جمع کرے گا'' (یونس/۴۵) ''کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ اللہ خلقت کی ابتداء کیسے کرتا ہے پھر اس کا اعادہ کرتا ہے'' (عنکبوت/ ۱۹) ''اللہ خلقت کی ابتداء فرماتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ فرماتا ہے'' (روم/ ۱۱) ''پس جب تم شام کرتے

ہو اور جب تم صبح کرتے ہو اللہ کی تسبیح کرو'' (روم/ ۱۷)

سب سے پہلے جو مادہ بغیر ولادت کے خالق کائنات نے پیدا کیا ہے اس کا نام اس نے پانی رکھا ہے چنانچہ اس کا ذکر سورۂ ہود/ ۷ میں آیا ہے:

''اور وہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو چھ دنوں میں بنایا اور اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا''۔

پھر اس مادہ کو اس نے مردہ کیا اور اس سے دوسری چیزیں پیدا کئیں:

ولادت کے معنی ومفہوم واضح ہونے کے بعد اب آپ کی خدمت میں اقسام وانواع ولادت پیش کریں گے اور اس کو مختلف زاویوں میں تقسیم میں دیکھیں گے:

اقسام ولادت

۱۔ مادۂ اول سے پیدا ہونے والے آسمان وزمین

''اور تمام جاندار چیزوں کو ہم نے پانی سے بنایا ہے'' (انبیاء/۳۰)

اور اس مادہ کے مرنے سے جو دھواں نکلا اسی سے آسمان پیدا ہوا:

''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا وہ اس وقت دھواں تھا'' (فصلت/ ۱۱) ''اور اس کی راکھ سے زمین بنی اور اس زمین کو خداوند عالم نے موت وحیات کے ذریعے پھیلایا ہے جس طرح نظام تفسیر خلیہ میں آیا ہے: ''اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں'' (ذاریات/ ۴۹)

۲۔ ولادت خلیہ

زندہ موجودات میں خلیہ پہلی اکائی ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ ایک بالغ انسان میں ایک سوٹریلین (TRILLION) خلیے ہوتے ہیں اگر ہم انہیں دیکھنا چاہیں تو ایک ایسی خوردبین کی ضرورت ہے جو ایک خلیہ کو ایک سو چالیس گنا بڑا دکھا سکتی ہو۔ اس کے وزن کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایک گرام کو ایک ملیاڑڈ میں تقسیم کریں تو اس کا ایک حصہ ہوگا کہتے ہیں کہ انسان کے جسم سے ایک سیکنڈ میں ایک سو پچیس (۱۲۵) خلیے مرجاتے ہیں اور ان کے

بدلے نئے خلیئے پیدا ہوجاتے ہیں بعض علماء کہتے ہیں کہ ہر ہفتے نئے خلیے بن جاتے ہیں یہ بھی ایک نظام ولادت ہے۔

۳۔ مولود کے پیدا ہوتے ہی والد کی شکل وصورت تبدیل ہوجاتی ہے جیسے لکڑی جلنے سے راکھ، دھویں اور شعلے میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

۴۔ والد موجود (زندہ) ہے لیکن اس کا مولود مادہ جامد ہے جیسے حیوان سے نکلنے والے تمام فضلات خبیثہ (پیشاب، پاخانہ، میل، ناخن وغیرہ)

۵۔ والد مادۂ جامد ہے لیکن اگلے مرحلہ میں وہ موجود زندہ میں تبدیل ہوجاتا ہے جیسے انڈے سے چوزے۔

۶۔ موجودِ کثیف زندہ سے مولو دِلطیف نکلتے ہیں جیسے انسان سے کاربن ڈائی آکسائیڈ، نیند اورغنودگی وغیرہ۔

۷۔ موجودِ کثیف مردہ سے موجودِ لطیف نکلتے ہیں جیسے درختوں سے آکسیجن وغیرہ

۸۔ موجودِ مادہ سے مولود مجرد پیدا ہوتا ہے جس طرح جسمِ انسان سے روح پیدا ہوتی ہے

۹۔ موجودِ لطیف سے موجدِ کثیف پیدا ہوتا ہے جیسے پانی سے بخارات، پیٹرول سے گیس

۱۰۔ مردہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا جیسے حضرت عزیر پیغمبر، طور پر اصحابِ موسٰی، بنی اسرائیل کے مقتول انسان اور حضرت عیسیٰ کے معجزے کے ذریعے زندہ ہونے والے مردے۔

۱۱۔ والد مادۂ کثیفِ زندہ ہے اور مولود بھی کثیفِ اور جاندار ہے جیسے انسان اور اسکی اولادیں۔

انسان کی اب تک تین قسم کی ولادت ہیں:

۱۔ولادت بغیر ماں باپ جیسے ولادت حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام

۲۔ولادت ماں باپ دونوں مشترکہ حالت میں:

۳۔ولادت بغیر باپ جیسے حضرت عیسٰی ابن مریم علیہ السلام:

یہاں بغیر باپ کے ماں سے بچہ پیدا ہونے کے بارے میں چندزاویئے سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے:

۱۔ بغیر باپ کے ماں سے بچہ پیدا ہونا یعنی باپ اپنی جگہ موجود ہے نطفہ مرد کا ہے لیکن وہ نطفہ، نطفۂ حرام ہے وہ رحم اس مرد کیلئے نہیں تھا لہٰذا شریعت الٰہی میں اسے ولدِ زنا کہتے ہیں، یہاں بچہ کسی مرد کا نطفہ ہے عرف شرع میں یہ اسکا باپ نہیں باپ معلوم نہیں اس فرزند کو ولدِ زنا کہتے ہیں۔

جیسے زنا سے پیدا ہونے والی اولاد جسے ولد حرام کہتے ہیں یہاں اس بچہ کا والد ہے لیکن شریعت اس کو والد نہیں سمجھتی اولاد نطفہ سے بنتی ہے نطفہ اگر حرام طریقے سے رحم میں منتقل ہوا تو وہ اولاد حلال نہیں ہوگی بلکہ وہ اولاد فاسد و ولد حرام ہوگی، شریعتِ اسلام میں زنا کو شرک اور قتل نفس محترمہ کے ساتھ بیان کیا ہے تاکہ اولاد حرام پیدا نہ ہو اسلام نے معاشرے میں ولدِ حرام کے راستے کو روکنے کے لئے اس کے متوقع تمام راستوں کی بندش کی ہے تاکہ یہ وجود میں نہ آنے پائے جیسا کہ:

۱۔ عورتوں کیلئے تزئین وآرائش کے ساتھ نکلنا۔

۲۔ مخلوط اجتماعات میں شرکت کی ممانعت۔

۳۔ شہوت انگیز حرکات سے پرہیز کرنا۔

۴۔ طلاق کی صورت میں عدت کی نام سے کچھ مدت تک شادی سے گریز کرنا۔

۵۔ شوہر کے وفات کے موقع پر چار مہینے تک شوہر نہ کرنا وغیرہ۔

یہ تھی ایک احتیاطی تدابیر لیکن اصل ولد حرام پیدا ہونے کا بنیادی راستہ وہی زنا ہے اسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس حرام کے کتنے درجے ہیں اور اس کی شدتِ حرمت کس حد تک ہے مندرجہ ذیل آیات میں زنا سے متعلق ملاحظہ کریں:

آیات قرآنی میں زنا کو شرک کے برابر قرار دیا گیا ہے:

﴿الزانی لاینکح الازانیةً او مشرکةً والزانیة لاینکحھا الازانٍ او مشرك﴾ ''زانی

مردصرف زانیہ یامشرکہ سے نکاح کرے گااورزانیہ صرف زانی یامشرک سے نکاح کرے گی'' (نور/۳)

سورۂ فرقان آیت ۶۸ میں زنا کوشرک ،قتلِ نفس کے برابر میں گنا ہے،لہٰذا زنا،قتلِ نفس اورشرک تین فساد کی جڑ ہے۔قرآن کریم میں جہاں فساد جوکہ صلاح کے خلاف ہے اسکے مصداقِ جلی میں ان تین چیزوں کا ذکر کیا۔زنا کا ایک بڑا جرم ہونے کا ایک واضح ثبوت سورۂ ممتحنہ کی آیت ۶ میں ہے۔زنا میں بنیادی کردارعورت کا ہے لہٰذا سورۂ نور میں ارتکابِ زنا میں عورت کے کردار کومقدم رکھا گیا ہے ۔ زنا میں عورت کا کردار مقدم ہونے کا ایک ثبوت قرآن کریم کی وہ آیات ہیں جس میں عورتوں کونرم زبان میں بات کرنے اورزینت ظاہر کرنے والی حرکتوں سے منع کیا ہے ایک پاکیزہ عورت جونطفہ ٔحرام سے اپنے رحم کو بچاتی ہے خداکے نزدیک اسکی کتنی مقام ومنزلت ہے اس کا اندازہ ان آیات سے ہوگا جو مریم بتول کی شأن میں نازل کی ہیں:

''اوراس خاتون کوبھی نوازا جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی'' (انبیاء/ ۹۱)

''اورمریم بنت عمران کوبھی (اللہ مثال کے طور پرپیش کرتا ہے) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی'' (تحریم/۱۲)

زنا ایک بڑا جرم ہونے کی دلیل کا سورۂ ممتحنہ کی آیت ۱۲ سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں پیغمبر اکرمؐ کوحکم ہوا کہ جوخواتین آپکی بیعت کرنے کے لئے آئیں ان سے ان نکات پر بیعت لے لیں ان میں سے کوئی زنا نہ کرے گی ،مسلمان عورت اگرزنا کرے تو پیغمبرؐ کے اس معاہدہ کے خلاف ہے یہاں ایک کلام جواس موقع پرابوسفیان کی بیوی نے کہا وہ مسلمان عورتوں کے لئے لمحہ فکر ہے اس نے پیغمبرؐ کے اس معاہدہ کے بارے میں کہا کہ کیا آزادعورت زنا کاارتکاب کرسکتی ہے۔

۲۔ لقمہ حرام سے پیداشدہ اولاد:

نطفہ خون سے بنتا ہے اورخون غذا سے بنتا ہے اورغذا اگرحرام ہے تو نطفہ صحیح نہیں

بنے گا۔لقمہ حرام وحلال کی کیا تعریف ہے۔اسکی تشخیص آجکل بہت مشکل ہے کیونکہ بعض کے نزدیک لقمہ حرام مردار اورحرام شدہ چیزیں، چوری، ڈاکہ اوررشوت ہیں جبکہ شریعت میں ہروہ مال جوبغیرکسی استحقاق کے حاصل کیا ہووہ مال حرام ہے اسے کھانے کولقمہ حرام کہتے ہیں لیکن کسب حلال اورشبہات سے پرہیز کرنے والے ایسے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں مسلمان مرداورعورتیں موجود ہیں جنکی اولادغیرصالح ہے کیونکہ لقمہ حلال کسے کہتے ہیں اورہمارے گھرمیں جو ہے وہ حلال ہے یا حرام اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں ہاں اگرکسی کو پتہ ہے تو یہ اوربات ہے۔

۳۔بغیرباپ کے پیداہوا ہے:

نہ اس کا باپ ہے نہ اسکا نطفہ کسی مرد کا ہے بلکہ وہ بغیرنطفۂ مرد کے پیداہوا ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ولادت باسعادت اس نوعیت کی ولادت ہے چونکہ ماہرین ومحققینِ علم جنین کا کہنا ہے کہ عورت ظرف ہے بیج مرد کا ہے تو اس حوالے سے بھی ولادت حضرت عیسیٰ مفروضۂ زنا اورنتیجہ تحقیق علم جنین کے تحت ایک ایسے فرزند کی نسبت صرف خدا کی ہی طرف جاتی ہے چنانچہ خداوندعالم نے حضرت مریم کے حاملہ ہونے کے بارے میں فرمایا ہے ہم نے مریم میں اپنی روح پھونکی ہے:

﴿والتی احصنت فرجها فنفخنا فيها من روحنا﴾ ''اوراس خاتون کوبھی (نوازا) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی اس لئے ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی'' (انبیاء/۹۱)

﴿ومريم ابنت عمران التی احصنت فرجها فنفخنا فيه من روحنا﴾ ''اورمریم بنت عمران کوبھی (اللہ مثال کے طور پرپیش کرتا ہے) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی توہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی'' (تحریم/۱۲)

یہاں سے مسیحیوں نے حضرت عیسیٰ کو ''ابن اللہ'' کہا ہے یہیں سے انھوں نے ''اقنوم ثلاثہ'' اختراع کیا ہے۔کلمہ اقنوم یونانی ہے اس شخصیت کیلئے استعمال کیا جاتا ہے جواپنی

جگہ ممتاز و جانی پہچانی ہو جسے انگریزی میں person کہتے ہیں نصاریٰ کہتے ہیں خدا تین اقنوم کا نام ہے اب، ابن اور روح القدس۔

ابن اور روح القدس سے ہٹ کر اب سے مراد ذات الٰہی ہے۔ وہ ابن کے وجود کے لئے اصل و مبداء ہے اس کے باوجود کہتے ہیں کہ اب وجود میں ابن سے پہلے ہے کہتے ہیں ابن وجود میں ازلی ہے اب کے ساتھ یعنی ایک دوسرے سے سبقت نہیں کی ہے کلمہ اب اور ابن مسیحیوں کے پاس عہد جدید میں بہت سی جگہوں میں استعمال ہوا ہے۔ ابن سے مراد مسیحیوں کے پاس وہ کلمۃ اللہ ہے جس کے بارے ان کا کہنا ہے اب وجود میں ابن کے برابر ہے اب نے عالم کو خلق کیا ابن کے ذریعے اور اب نے زمین پر بشریت کی صورت میں نزول کیا ہے تا کہ بشریت ہی خدا ہو۔ وہی قیامت کے دن لوگوں سے حساب لے گا ان کا کہنا یہ ہے کہ مسیح خدا کا ابن ہے۔

روح سے مراد روح القدس جو کہ تیسری اقنوم ہے یہ مسیحیوں کے پاس ذات وجود ہے اور طبیعت میں اب اور ابن کے برابر ہے۔

آیت اللہ محمد حسین فضل اللہ سے اقنوم ثلاثہ کے بارے میں استفسار کیا گیا ہے کہ جو مثال مسیح پیش کرتے ہیں اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں مسیح کہتے ہیں اگر ایک کمرے میں ایک چراغ رکھا جائے تو ایک چراغ اور اس کا ایک نور ہے اگر آپ دوسرا چراغ لائیں تو چراغ دو ہیں لیکن نور وہی ایک ہے تیسرا چراغ لائیں تو چراغ تین ہو گئے لیکن تینوں کا نور ایک ہے یعنی نور خدا وہ ایک ہے شمع مختلف ہیں۔ آیت اللہ فضل اللہ فرماتے ہیں دوسرا نور وہی پہلا نور ہے ہر شمع نے پہلے نور میں اضافہ کیا ہے نور کی حقیقت میں متعدد نہیں لیکن درجات نور میں تعدد ہے پہلے شمع میں جو نور تھا وہ ایک درجہ رکھتا تھا دوسرے شمع کے نور کرنے سے پہلے نور میں اضافہ ہوا ہے اس طرح ہر آنے والے چراغ نے پہلے نور میں اضافہ کیا ہے آیا خدا ان تینوں خدا کا نتیجہ ہے اقنوم اصل ہے یا شمع اصل ہے نور اس کا فرع ہے ان کا کہنا ہے توحید و تثلیث میں جمع کرنا عقل سے باہر ہے یہ اپنے ایمان سے کہہ سکتا ہے لیکن عقل اس کی تائید نہیں

کرتی۔ مسیح کا ابن ہونے سے مراد یہ ہے کہ خدا نطفے کا لباس پہن کر شکم مریم میں جائیں اور پھر تمام مراحل سے گذرنے کے بعد پیدا ہو کر باہر آجائے خدا کے بارے میں اس سے زیادہ فرسودہ، غیر معقول تصور نہیں بن سکتا ہے یہاں سے ہم ضرورت محسوس کرتے ہیں دیکھیں کہ خدا کیلئے فرزند کی ضرورت کس منطق اور زاویئے سے پیش آتی ہے، جن زاویوں سے فرزند کی ضرورت کی حکمت تراشی گئی ہے اس کا جائزہ لیں۔

فلسفہ احتیاج اور نیاز مندی اولاد

اس دنیا میں انسان کی فکر اور سوچ اس کی اندرونی خواہشات تصورات یا اس کے گردونواح کے ماحول سے بنتی ہے ہر وہ چیز جسکی اسے خواہش ہو یا اسے اپنے لئے ضروری سمجھتا ہو وہ دوسروں کیلئے بھی پسند کرتا ہے ہر وہ چیز جو اسے پسند نہ ہو یا جس سے وہ نفرت کرتا ہو وہ دوسروں کیلئے بھی بری سمجھتا ہے جسطرح خود کو اولاد کا محتاج اور نیاز مند سمجھتا ہے اسی طرح وہ خدا کو بھی اولاد کا نیاز مند و محتاج سمجھتا ہے خداوند متعال کی ذات کا اولاد یا احتیاج و نیاز مندی سے پاک و منزہ ہونے کا بیان بعد میں کریں گے پہلے مرحلے میں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ انسان کیونکر اور کن اسباب و عوامل کے تحت خود کو اولاد کا محتاج اور نیاز مند سمجھتا ہے۔

ا۔ نفس انسانی کی خواہش:

نفس انسانی کے اندر ایک حس موجود ہے جس کے تحت اپنے مرنے کے بعد اپنا ذکر باقی رکھنے کے خواہش مند ہے اس حوالے سے وہ اپنے لئے فرزند کی ضرورت محسوس کرتا ہے ۔اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ زیادہ دیر تک دنیا میں نہیں رہے گا۔ اس کی عمر بھی دیگر لوگوں کی طرح محدود ہے لہٰذا وہ اپنے ذکر کی بقا کا ذریعہ اولاد ہی کو سمجھتا ہے وہ جتنا بڑھاپے کی طرف جاتا ہے اسکی یہ خواہش زور پکڑتی جاتی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت زکریاؑ کے بارے میں قرآن میں نقل ہے:

﴿رب ھب لی من الصلحین﴾ ''پروردگار! مجھے صالحین میں سے (اولاد) عطا کر''

(صافات/۱۰۰)﴿هنالك دعا زكريا ربه قال رب هب لي من لدنك ذرية طيبة﴾ ''اس مقام پر زکریا نے اپنے رب کو پکارا اور کہا: پروردگارا! مجھے اپنی عنایت سے صالح اولاد عطا کر'' (آل عمران ۳۸، نسا ۵۷، مریم ۵۔

۲۔وارث کی خواہش:

انسان کے اندر خداوند متعال نے کچھ ایسے تصورات اور احساسات پیدا کئے ہیں جن سے صرف انسان ہی نہیں بلکہ بقائے نظام کائنات بھی ہے ان میں سے ایک حرص وطمع دولت ہے البتہ دین نے اس کے اسیر ہونے کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے قرآن فرماتا ہے تم مال سے محبت کرتے ہو دنیا تمھیں اچھی لگتی ہے شیطان انسان کو کثرت مال ودولت کو اچھا کر کے دکھاتا ہے انسان دولت کا مالک ہوتا ہے لیکن جب وہ یہ سوچتا ہے کہ ایک دن اس نے یہاں نہیں رہنا اور یہ دولت کسی اور کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔ اسکی محنت ومشقت سے کمائی گئی اس دولت کا وارث کوئی اور بن جائے گا۔ لہٰذا وہ نہیں چاہتا کہ ارث سے اس کا مال دوسروں کے قبضہ میں چلا جائے، کسی کو اولاد یا فرزند کی خواہش اس لئے ہوتی ہے کہ اس کے ترکے کا کوئی وارث ہو۔

اللہ کیلئے موت نہیں وہ دائم الملک ہے وہ تمام روئے زمین بلکہ پوری کائنات کا تنہا مالک ہے ملکیت حقیقی صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ لہٰذا خداوند متعال اپنی ملکیت وسلطنت کے دوام کیلئے نہ تو کسی بیٹے کا محتاج ہے اور نہ کسی اور کا خدا ہی تمام کائنات کا حقیقی مالک ووارث ہے ہم مالک مجازی ہیں:

﴿قل اللّٰهم مالك الملك تؤتي الملك من تشآء وتنزع الملك ممن تشآء﴾ ''کہہ دیجئے: اے اللہ! اے مملکت (ہستی) کے مالک تو جسے چاہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہے حکومت چھین لیتا ہے'' (آلعمران/۲۶)

۳۔ دوام وبقاء اور قدرت کی خاطر:

چونکہ انسان جوانی میں قوی وطاقتور ہوتا ہے اور بڑھاپے میں وہ ضعیف وکمزور ہوجاتا

ہے جبکہ اس کی تمنا ہوتی ہے کہ اس کی قوت وعزت برقرار رہے چنانچہ بڑھاپے میں وہ اس کمی کو اولاد کے ذریعے پورا کرنا چاہتا ہے اس لئے اولاد کی تمنا کرتا ہے تاکہ جب وہ ضعیف وناتواں ہو جائے تو اپنے آپ کو اولاد سے قوت عطا کرے اور انسان قدرت مندی اور عزت کی خواہش رکھتا ہے وہ چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ قوی قدرت منداور صاحب عزت وآبرو رہے۔ جوانی میں انسان کو اپنے اندر ایک طاقت وقدرت نظر آتی ہے لہٰذا جوانی میں اولاد کی خواہش میں اتنی نمو اور تیزی نہیں آتی جتنی بڑھاپے میں آتی ہے عمر رسیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی عزت کو بھی (جو قدرت مندی کے نتیجے میں اسے حاصل تھی) کھوتا ہوا دیکھتا ہے اب وہ اپنی کھوئی ہوئی طاقت وقدرت کی بازیابی کے لئے اولاد کی خواہش کرتا ہے تاکہ وہ عزت واحترام اسے دوبارہ مل جائے۔

خدا ہمیشہ قوی ہے اور اس میں کبھی بھی کمزوری وناتوانی پیدا نہیں ہوتی لہٰذا ان تمام مفروضات میں ہر مفروضہ یہ ثابت کرتا ہے کہ کسی کے لئے بھی اولاد کی تمنا ونیازمندی کا تصور اس وجہ سے ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ اولاد کے ذریعے نقص در عمر، نقص در ملکیت اور نقص در قوت کو پورا کرنا چاہتا ہے جبکہ خداوند عالم کی ذات کمال مطلق ہے اس کی ذات میں نقص و عیب کے پیدا ہونے کا کوئی سبب وراستہ نہیں ہے۔

لہٰذا جب خداوند متعال میں نقص کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے تو وہ کیونکر اور کیسے اپنے لئے اولاد بنائے گا۔ کسی انسان کو خدا کا بیٹا قرار دینے والوں سے سوال ہے کہ آیا خدا کا بیٹا پیدا کرنے سے پہلے خدا کی ذات مکمل تھی یا نہیں تھی اگر پہلے بھی خدا کی ذات مکمل تھی تو پھر یہ بیٹا کیا کرے گا کفار نے کہا ہے کہ ملائکہ خدا کے بیٹے ہیں، بعض لوگوں نے انبیاءؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیا ہے: ﴿وقالت اليهود عزير ابن الله وقالت النصٰرى المسيح ابن الله﴾ ''اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے'' (توبہ/۳۰)

کسی چیز کو اپنانا اس سے محتاج ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ

فلاں نے گھر بنایا ہے تو اس کے گھر بنانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ گھر کا محتاج تھا لیکن خداوند متعال کسی بیٹے بیٹی یا کسی بھی چیز کا محتاج نہیں ہے۔

خدا اور فرضیہ ولد

اس وقت عالم اسلام کا مذہبی جدل میں مسیح تبشیری گروہ سے سامنا ہے وہ ہمارے ہاں فلاح و بہبود، بے سہارہ لوگوں کی سرپرستی، فروغ تعلیم، خدمت خلق کی اجازت سے داخل ہوتے ہیں۔ یہاں پر نفوذ کے بعد مسیحیت کے بے بنیاد اور بے منطق عقائد سے مسلمان ضعیف العقیدہ یا محتاج اور نیازمندوں کو ورغلاتے ہیں اور ان کے ضمیر اور دین کو یرغمال بنانے کے لئے حضرت مسیح کی بنوت کا پرچار کرتے ہیں یعنی غیر مسیحیوں کو مسیح بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ہم یہاں اس مسئلہ نسبت بنوت کے بارے میں جتنے مفروضے جن کا دعویٰ کیا جاتا ہے کے بارے میں ضروری مگر اختصار کے ساتھ وضاحت کریں گے۔

خداوند متعال کیلئے اولاد کی نسبت کا آغاز میلاد مسیح کے تین سو سال بعد شروع ہوا ہے، مسیحیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیا ہے،مشرکین نے ملائکہ کو خدا کا بیٹا قرار دیا یہودیوں نے حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا قرار دیا ہے،جن لوگوں نے خدا کیلئے اولاد کی نسبت دی ہے انھوں نے بیٹے اور بیٹی کی نسبت دی ہے۔

۱۔ **مشرکین نے ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا:**

﴿اصطفی البنات علی البنین مالکم کیف تحکمون﴾ "کیا اللہ نے بیٹوں کی جگہ بیٹیوں کو پسند کیا تمھیں کیا ہوگیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟" (صافات/۱۵۳،۱۵۴) ﴿ویجعلون البنات سبحنہ﴾ "اور انہوں نے اللہ کے لئے بیٹیاں قرار دے رکھی ہیں" (نحل/ ۵۷) ﴿فاستفتھم الربک البنات ولھم بنون﴾ "پس آپ ان سے پوچھیں: کیا تمہارے رب کے لئے تو بیٹیاں ہوں اور ان کے لئے بیٹے ہوں؟" (صافات/ ۱۴۹) ﴿اماتخذ مما یخلق بنٰتٍ و اصفٰکم بالبنین﴾ "کیا اللہ نے اپنی مخلوقات

میں سے (اپنے لئے) بیٹیاں بنالیں اور تمہیں بیٹے چن کر دیے؟" (زخرف/۱۶) ﴿ام لہ البنٰت ولکم البنون﴾ "کیا اللہ کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں؟" (طور/ ۳۹) "کیا اللہ نے بیٹوں کی جگہ بیٹیوں کو پسند کیا" (صافات/۱۵۳) "اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ ڈالیں" (انعام/۱۰۱)

﴿وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدًا مالھم بہ من علمٍ ولا بآئھم کبرت کلمةً تخرج من افواھھم ان یقولون ال کذبًا﴾ "اور انھیں تنبیہ کریں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے اس بات کا علم نہ انہیں ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو یہ بڑی (جسارت کی) بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے یہ تو محض جھوٹ بولتے ہیں)" (کہف/۴،۵) ﴿وخرقوالہ بنین وبنٰتٍ بغیرعلم﴾ "اللہ کیلئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ ڈالیں" (انعام/ ۱۰۰) "اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے پاک ہے وہ ذات (ایسی باتوں سے)" (بقرہ/۱۱۶) "وہ کہتے ہیں: اللہ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے اس کی ذات پاک ہے وہ بے نیاز ہے" (یونس/ ۶۸) "انہیں تنبیہ کریں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے" (کہف/۴) "وہ کہتے ہیں: رحمٰن نے کسی کو فرزند بنالیا ہے" (مریم/ ۸۸) "اس بات پر کہ انہوں نے رحمٰن کے لئے فرزند کا الزام لگایا ہے" (مریم/ ۹۱) "رحمٰن کی شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے" (مریم/۹۲) "وہ کہتے ہیں: اللہ نے بیٹا بنایا ہے" (انبیاء/ ۲۶) "جس نے کسی کو فرزند نہیں بنایا" (فرقان/۲) "اس نے نہ کسی کو زوجہ بنایا اور نہ کسی کو بیٹا" (جن/۳)

۲۔ خداوند متعال نے ان لوگوں سے مجادلہ بالحق کیا ہے کہ جنھوں نے خدا کیلئے بیٹی کی نسبت دی ہے یہاں یہ بات واضح کرنا دولحاظ سے ضروری ہے:

الف۔کہیں بیٹی کو خدا کا اپنی ذات سے مسترد کرنے پر مغربی اسلام دشمن عناصر اس بات کا پروپیگنڈہ نہ کریں کہ مسلمانوں کے خدا نے بھی بیٹی کو پسند نہیں کیا اور اس نے بیٹی کی نسبت دینے والوں سے اظہار ناراضگی کیا ہے۔

ب۔ مسیحی ان آیات سے یہ استدلال نہ کریں کہ خدا نے بیٹی کی نسبت دینے کو مسترد کیا ہے
بیٹے کی نسبت کو مسترد نہیں کیا ہے اس لئے خداوندعالم نے بیٹے کی نسبت کو بھی
مسترد کیا ہے۔

ا۔ یہودیوں نے خود کو ابناء اللہ (خدا کے بیٹے) قرار دیا۔

۲۔ مسیحی اور یہودیوں نے صرف بیٹے کی نسبت دی ہے یہودیوں نے سب کو ابناء اللہ قرار
دیا ہے: ''یہود کہتے ہیں: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔''

۳۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔

مسیحیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو فرزند خدا قرار دینے کا تصور حضرت عیسیٰؑ کی ولادت
کے تین سو سال گزرنے کے بعد پیش کیا ہے سوال یہ ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا
قرار دے کر خدا کی الوہیت میں کس چیز کا اضافہ کیا ہے، سورج وہی چاند وہی ہے ستارے
وہی ہیں اور زمین ہوا اور طوفان و باد و باراں سب وہی ہیں کائنات کا نظم و نسق اسی طرح جاری
ہے جیسے پہلے تھا پھر وہ کونسی چیز ہے کہ جس کی خاطر خداوند عالم کسی فرزند کا محتاج و نیازمند ہو
خدا کا فرزند بنانے کے تصور سے خدا کی الوہیت میں ذرّہ برابر اضافہ نہیں ہوا اور نہ ہی ایسا
ممکن تھا خداوند عالم کی پوری کائنات میں کوئی چیز معطل نہ تھی اور نہ ہی کوئی کام اس کے لئے نا
ممکن تھا اور نہ کوئی کام رکا ہوا یا ادھورا تھا کہ کوئی فرزند آئے اور اسکی تکمیل کرے، چنانچہ خداوند
متعال نے ان کے اس مفروضہ کو سورۂ کہف ۵ اور سورۂ مریم ۹۰ میں ایک بڑا جرم قرار دیا ہے
کہ انہوں نے اس تصور سے ایک ایسا بڑا جرم کیا ہے پہاڑ جیسی قوی و توانا اور بڑی طاقت بھی
اس کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

﴿وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدًا لقد جئتم شيئًا ادًّا تكاد السمٰوٰت يتفطرن منه و تنشق
الا رض و تخر الجبال هدًّا ان دعوا للرحمٰن ولدًا وما ينبغي للرحمٰن ان يتخذ
ولدًا﴾ (مریم/ ۸۸تا۹۲) ''اور وہ کہتے ! ہیں رحمٰن نے کسی کو فرزند بنالیا ہے بتحقیق تم بہت
سخت بے ہودہ بات (زبان پر) لائے ہو، قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائے زمین

شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ہو کر گر جائیں اس بات پر کہ انہوں نے رحمٰن کیلئے فرزند (کی
موجودگی) کا الزام لگایا ہے اور رحمٰن کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے)

خدا کے لئے فرزند کا تصور کرنے کے بارے میں چند مفروضات ممکن ہیں:

(ا) اولادِ حقیقی:

یعنی اولاد باپ کا جز ہے وہ باپ سے نکلی ہے بنوت حقیقی کی دو صورتیں ہیں دونوں خدا کے
لئے محال و ناممکن ہیں:

ا۔ یہ جو جز نکلا ہے کیا یہ خدا کا جز تھا اس صورت میں دو اشکال پیدا ہوتے ہیں۔

الف۔ اس کا مطلب ہوا کہ خدا مرکب ہے یعنی جو چیز نکلی اور جو باقی بچی دونوں کا مرکب
تھا جبکہ مرکب علامات ممکن الوجود سے ہے۔ اور خداوند متعال واجب الوجود ہے

ب۔ اس جز کے نکلنے کے بعد خدا میں کمی پیدا ہوئی کیونکہ وہ اپنے جز کے جدا ہونے سے عاجز
ہوا۔ وہ بیٹا جو خدا سے نکلا ہے تو وہ خدا کا جز تھا جس طرح دیگر بیٹے اپنے باپ کا جز ہوتے ہیں
تو ایسی صورت میں بیٹا پیدا ہونے کے بعد خدا میں ایک جز کم ہوا اور خدا ناقص ہوا جبکہ خدا میں
نقص کا ہونا محال ہے۔

۲۔ یہ ذاتِ خدا کا جز نہیں تھا بلکہ ایک فالتو جز تھا جو وہاں سے نکلا اس صورت میں بھی
دو اشکال لازم آتے ہیں۔

الف۔ جس طرح عام انسان سے ایک جز نکل کر اولاد بنتی ہے اسی طرح خدا سے جز نکل
کر مسیح بنے ہیں۔

ب۔ اگر یہ کہیں کہ خدا کا جز نہیں تھا بلکہ وہ مظروف تھا اور خدا اسکا ظرف تھا تو ایسی
صورت میں خدا مکان ہوا اور بیٹا اسکا مکین یعنی محل حوادث ہوا۔ جبکہ خدا کیلئے محل
حوادث کا ہونا محال ہے۔

(۲) (اولادِ مجازی) باپ ختم ہو کر بیٹے میں تبدیل ہو جائے

ا۔ ولادت یعنی خدا بنوت میں تبدیل ہو جائے، مسیح میں حلول ہو جائے، اس میں حل ہو

جائے جیسے لکڑی جل کر راکھ بن جاتی ہے یا پانی سو درجہ حرارت پر بخارات میں تبدیل ہوتا ہے یہ بخارات ہی وہی پانی ہے۔

چنانچہ بعض مسیح بنوت مسیح میں اس نظریہ کے قائل ہیں اس صورت میں باپ جب بیٹے میں تبدیل ہوا یعنی خدا مسیح میں تبدیل ہوا تو خدا جو واجب الوجود تھا وہ ممکن الوجود میں تبدیل ہوا کیونکہ حضرت عیسی ممکن الوجود تھے کیونکہ وہ ولادت، طفولیت، موت اور عجز سے گذرے ہیں اور یہ علامات ممکن الوجود کی ہیں خدا مکان ہوگا اور حوادث تغیرات کا محل ہوگا

۲۔ خدا کی خدائی تین حصوں میں تقسیم ہوگی۔ایک جز وہاں آنے سے پہلے کی حالت، دوسرا نکلنے کی تیسرا الگ سے موجود ہونے کی حالت جبکہ یہ تمام صورتیں الوہیت خدا کے منافی ہیں۔

(۳)اولاد نسبتی یا اشرافی:

یعنی کسی کے بیٹے کے حسن و جمال یا اچھے کردار کو دیکھ کر احتراماً اسے اپنا بیٹا کہنا۔ یہ عمل بھی ہمارے ہاں رائج ہے یعنی بیٹے کے فرائض واحکام اس پر لاگو نہیں ہوتے بس احتراماً اسے بیٹا کہتے ہیں۔اسی اشراف اور احترام کو بنیاد بنا کر یہودیوں اور مسیحیوں نے اپنے بعض نبیوں کو خدا کا بیٹا کہا ہے یہ خدا کی شان کے خلاف ہے کیونکہ نسبت وہاں دی جاتی ہے جہاں ممکن ہو جیسے ایک انسان کو اندھا کہہ سکتے ہیں لیکن درخت اور پتھر کو اندھا نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ انکے لئے ممکن ہی نہیں لہٰذا ان سے نسبت بھی نہیں دی جاسکتی اسی طرح خدا کیلئے بنوت نسبتی ناممکن ہے جبکہ خداوند متعال کیلئے بیٹے کا ہونا محال ہے۔

خدا کیلئے اولاد کی نسبت دینا بھی اپنی جگہ ایک نقص کی نشاندہی کرتے ہیں اولاد کی نسبت وہاں دی جاتی ہے جسطرح کسی کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تو وہ دوسروں کی اولاد کو پال کر اپنی اولاد بناتے ہیں یہ نسبت بھی ایک لحاظ سے نقص ہے اور ایک خلا کو پُر کرنے کیلئے ہے اور انفرادی بیقراری اور وحشت کو ختم کرنے کیلئے ہے یہ چیز وہاں صحیح ہے جہاں اصل

اولاد عقلی طور پر ممکن ہو اور اگر کچھ اسباب وعلل کی وجہ سے وہ اس سے محروم ہو تو کسی اور کی اولاد کو لیکر اس خلا کو پُر کرتے ہیں جب کہ خدا کیلئے اصل اولاد ہی محال ہے تو کیونکر نسبی اولاد ممکن ہوسکتی ہے اولاد کا خدا کی طرف نسبت دینا درحقیقت ایک قسم کا شرک ہے:

﴿ما اتخذ اللہ من ولدٍ وما کان معه من الٰهٍ اذًا لذهب کل الٰهٍ بما خلق ولعلا بعضهم علی بعض سبحن اللہ عما یصفون۔ علم الغیب والشهاده فتعلیٰ عما یشرکون﴾ ''اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوقات کو لیکر جدا ہو جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا اللہ پاک ہے ان چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔وہ غیب وشہود کا علم رکھتا ہے پس وہ منزہ ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں'' (مومنون/۹۱،۹۲) ''وہ کہتے ہیں :اللہ نے بیٹا بنایا ہے'' (انبیاء/ ۲۶) ''اور کہہ دیجئے: ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لئے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا ہے'' (اسراء/ ۱۱۱) ''اور انہیں تنبیہ کریں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے'' (کہف/۴) ''اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو'' (نساء/ ۱۷۱) ''اگر اللہ کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا منتخب کر لیتا وہ پاکیزہ ہے اور وہ اللہ یکتا' غالب ہے'' (زمر/۴) ''اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی شان بلند ہے اس نے نہ کسی کو زوجہ بنایا اور نہ اولاد'' (جن/ ۳) ''اللہ کی شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے'' (مریم/ ۳۵) ''اور رحمن کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے'' (مریم/۹۲) ''اور اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا'' (مومنون/ ۹۱) ''جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا'' (فرقان/۲) ''نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا'' (اخلاص/۳)

اولاد نسبتی یا اشرافی کا مفروضہ بھی اپنی جگہ خلاف عقل ونقل وعرف ہے۔

۲۔ا لفظ ولد یا بنوت میں دونوں حقیقی یا مجازی طور پر خدا سے پیدا ہونا یا بطور احترام ایسی

نسبت دینا دونوں صورتوں میں شان الوہیت و ربوبیت کے منافی ہے آیت الکرسی میں ذکر ہے:

﴿اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض من ذاالذی یشفع عندہ الا باذنہٖ یعلم مابین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بشیءٍ من علمہ الا بماشآء وسع کرسیہ السمٰوٰت و الارض ولا یؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم﴾ ''اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ اور سب کا نگہبان ہے اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند، زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اسی کی ملکیت ہے۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور سفارش کر سکے؟ جو کچھ لوگوں کے روبرو اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ ان سب سے واقف ہے اور وہ علم خدا میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ خود چاہے اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور ان دونوں کی نگہداری اس کے لئے کوئی گراں نہیں ہے اور وہ بلند و بالا عظیم ذات ہے'' (بقرہ/۲۵۵) ﴿وللہ میراث السمٰوٰت والارض﴾ ''اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے ان سب کی برگشت خدا کی طرف ہے ان کا وارث خدا ہے''۔

لہٰذا خدا کیلئے ولدیت اور بنوت کی ضرورت کا فلسفہ عبث ہے تو کیونکر خدا کی ذات سے اولاد اور بنوت کو نسبت دیں یہ پہلی دلیل ہے۔

۲۔۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اصلاً خدا کیلئے بیٹے کا تصور ہر لحاظ سے نامعقول و ناممکن ہے۔

اس منطق کی وضاحت یا توضیح یہ ہے کہ کیسے خدا اپنے لئے بیٹا بنائے گا یا کوئی اسکا بیٹا بنے گا اس سلسلہ میں چند مفروضے ہیں:

(۱) وہ خود اپنے لئے بیٹا پیدا کرے گا اگر ایسا ہوتو وہ بیٹا نہیں ہوگا بلکہ دیگر مخلوقات کی مانند خدا کی مخلوق ہوگا کیونکہ بیٹا باپ کا جزو ہوتا ہے جبکہ خدا کا کوئی جز نہیں ہے۔

(۲) اگر اسے خدا نے خلق نہیں کیا بلکہ اس بیٹے نے اپنے آپکو خود خلق کیا ہے تو وہ خدا کا بیٹا نہ ہوا بلکہ وہ خود ''الہٰ'' ہوگیا کیونکہ اس نے اپنے آپکو خود ہی پیدا کیا ہے اس طرح سے ایک نہیں بلکہ دو خدا ہوگئے یہ ایک مفروضہ ہے۔ اگر وہ بیٹا خدا نے خود پیدا نہیں کیا اور خود پیدا ہوگیا ہے تو یہ خدا کا بیٹا تو نہ ہوا بلکہ الگ سے ایک موجود ہوا جسکا خدا سے کوئی ربط نہیں ہے تو اس صورت میں دو خدا ہوگئے اسکے علاوہ بیٹا ہونے کیلئے زوجہ کی ضرورت ہے جس سے بیٹا پیدا ہو جبکہ خدا کی کوئی زوجہ نہیں ہے۔ چنانچہ خداوند متعال نے حضرت آدمؑ کو بغیر مذکر و مونث کے پیدا کیا تو کیا آدم بیٹا ہیں؟ حوا کو بغیر مذکر کے پیدا کیا یعنی وہ مذکر کی محتاج نہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کو مونث سے پیدا کیا بغیر مذکر کے گویا وہ مذکر کا محتاج نہیں ولد عورت کے توسط سے آئے گا جبکہ خدا اس سے منزہ ہے کیونکہ خداوند کریم نے اپنی قدرت سے حضرت آدمؑ کو بغیر مذکر و مونث خلق کیا ہے اور حوا کو بغیر مونث کے، صرف مذکر سے خلق کیا ہے لہٰذا خدا کسی کو خلق کرنے کے لئے نہ مذکر کا محتاج ہے اور نہ مونث کا تمام اسباب خدا کی مخلوق ہیں ہم اسباب کو کیسے خالق بنا سکتے ہیں۔ حضرت مریم جن سے بیٹا پیدا ہوا ہے یہ خود ایک عورت ہے سوال یہ ہے کہ یہ عورت کہاں سے آئی ہے، اگر اس خاتون کو خدا نے پیدا کیا ہے تو یہ خدا کی مخلوق اور بندہ ہوئی اور اگر اس عورت نے اپنے آپکو خود ہی خلق کیا ہے تو وہ خدا ہوئی، اس طرح سے ایک کی بجائے تین خدا ہوگئے جبکہ ایسا ہوتا تو کائنات تباہ و برباد اور فاسد ہوجاتی اگر تین خدا ہوتے تو ہر ایک اللہ کی الگ حکومت اور الگ الگ مخلوقات ہوتیں، اور یوں ہر خدا دوسرے خدا پر قدرت و بلادستی کی کوشش کرتا چنانچہ سورۂ یونس آیت ۶۸ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جھٹلایا ہے کہ جنہوں نے اس کے لئے بیٹا بنایا ہے۔

﴿قالوا اتخذ اللہ ولداً سبحنہ ھو الغنی﴾ ''وہ کہتے ہیں: اللہ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے اس کی ذات پاک ہے وہ بے نیاز ہے''۔

لہٰذا اولاد پیدا ہوتی ہے اسباب سے اور اسباب مخلوق خدا ہیں اور خداوند متعال اسباب پر حاکم ہے لہٰذا وہ جب خلق کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے ﴿کن فیکون﴾ اگر کہیں کہ ایک مونث

ہے جس سے خدا کا بیٹا پیدا ہوا ہے یعنی حضرت مریم، خود مریم ایک مخلوق ہیں اور ایک مرد و عورت (عمران اور حنہ) سے پیدا ہوئی ہیں۔ ہم پوچھیں گے یہ مونث خدا کی مخلوق ہے تو اس سے پیدا شدہ بھی دیگر مخلوق کی مانند خدا کی مخلوق ہوئی تو اگر یہ کہیں کہ اس مونث نے خود پیدا کیا ہے تو پھر تین خدا ہو گئے۔ خدا، مونث، بیٹا تو ایسی صورت میں تعدد الوہیت لازم آئیگی جو محال ہے۔

اولادِ نسبتی کی اقسام:

۱۔ اولاد نسبتی: اس پر نصف حکم شریعت نافذ ہے جیسے بیوی کے دوسرے شوہر سے اولاد اسی طرح شوہر کی دوسری بیوی کی اولاد موجودہ بیوی کے لئے نصفِ حکم شریعت رکھتی ہے۔ جیسے حضرت علیؑ نے محمد ابن ابی بکر کے شان میںؓ فرمایا: خطبہ نمبر ۶۸۔ محمد میرا بیٹا ہے ابوبکر کی صلب سے ہے یہاں اس سے مراد میرا تربیت شدہ فرزند ہے۔

۲۔ اولاد متبنی: جسے ہمارے ہاں رائج اصطلاح میں منہ بولی اولاد کہتے ہیں اس قسم کے والد و مولود ابوت و بنوت دور جاہلیت میں پائی جاتی تھی اور دور حاضر میں بھی اس کو فروغ حاصل ہے اور اس عمل قبیح کو قابل تحسین گردانا جاتا ہے۔ قرآن نے اس سنت کو مسترد کیا ہے اور اسے احکام ابوت و بنوت سے خارج کیا ہے۔ منہ بولے بیٹے یعنی کسی اور کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانا جو سابق زمانے میں رائج تھا آج بھی دنیا میں رائج ہے اس میں موجود خرابی اور برائیوں کی وجہ سے اس شرئعت اسلام نے اس رواج کو منسوخ کیا چنانچہ سورۂ احزاب کی اس آیت میں آیا ہے:

یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں'' (احزاب/۴) ''تا کہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے شادی کرنے) کے بارے میں کوئی حرج نہیں'' (احزاب/ ۳۷) ''تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ''ظہار'' کرتے ہیں

(انہیں ماں کہہ بیٹھتے ہیں) وہ ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا ہے'' (مجادلہ/۲)

زمانہ جاہلیت میں جنگ، ڈاکہ اور غارت گری میں مغلوب گروہ کے بیوی بچوں کو اسیر کر کے انھیں فروخت کرتے تھے اور جو اُن میں حسن و جمال یا اچھے کردار کے حامل ہوتے تھے انھیں آزاد کر کے اپنی اولاد بنا لیتے تھے چنانچہ اسی طرح زید بن حارثہ جو ایک اسیر تھے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی غلامی میں آئے اور آپ نے انھیں پیغمبر اکرمؐ کو ھبہ کیا۔ پیغمبر اکرمؐ کی غلامی کے دور میں انکے والد آئے اور انھیں آزاد کروا کر واپس لے جانا چاہا تو زید نے اپنے حقیقی والد کے ساتھ جانے اور اپنے آزاد ہونے سے انکار کیا اور پیغمبرؐ کی غلامی میں رہنے کو پسند کیا چنانچہ پیغمبر اکرمؐ نے انکی اس حسن نیت کی وجہ سے انھیں اپنا بیٹا کہا اور انکا اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش سے عقد کیا لیکن بعد میں خداوند متعال کی طرف سے آیت نازل ہوئی کہ یہ سنت تبنی ہمیشہ کیلئے شریعت میں منسوخ ہے جو حکم شریعت میں منسوخ ہوا اسے آج مسلمان قرآن وسنت کو ماننے والے حتیٰ بعض دیندار لوگ بغیر کسی جھجک کے اپنا رہے ہیں جبکہ اس منسوخ شدہ سنت میں بہت زیادہ قباحتیں ہیں ان میں سے چند ہم قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

۱۔ جس سنت کو قرآن میں خداوند عالم نے منسوخ کیا ہے اسے زندہ کرنا قبیح عمل ہے۔

۲۔ لڑکا ہو یا لڑکی سن بلوغت پر پہنچنے کے بعد جب اس میں حسن و جمال ابھر کر سامنے آتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے جنسی خواہشات اور طغیان فوارے کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اگر لڑکی ہے تو اس باپ کیلئے نامحرم ہے اور اگر لڑکا ہے تو اس ماں کیلئے نامحرم ہے تو پوری زندگی ایک نامحرم کے ساتھ گذارتے ہیں ممکن ہے کسی وقت یہ سنت ذہن سے نکل جائے تو فعل حرمت کے ارتکاب کا خدشہ رہتا ہے۔

۳۔ اس عمل سے اسکی متروکہ جائیداد سے اس کے حقیقی وارثین جیسے بہن بھائی یا برادر زادے محروم ہو جاتے ہیں اس لحاظ سے یہ بھی اپنی جگہ ایک ظلم ہے۔

۴۔ جوافراد کسی اور کی اولاد کو گود لیتے ہیں اور محبت وشفقت سے اسکی پرورش کرتے ہیں اور اس ضمن میں مشکلات اور مصیبتیں برداشت کرتے ہیں وہاں انکے ذہن میں ایک خدشہ ہر وقت جنم لیتا ہے کہ کہیں یہ (لڑکا، لڑکی) بڑے ہونے کے بعد اپنے حقیقی والدین سے جا ملیں اور وہ تنہا رہ جائیں۔ لہٰذا اس خدشہ کو دور کرنے کی خاطر وہ اس بچے اور اس کے والدین کے درمیان نفرت وعدوات پیدا کرتے ہیں تا کہ وہ ایک دوسرے سے دور رہیں اس کے علاوہ وہ اپنی جائداد ایک ایسے شخص کو اپنی خواہش اور رغبت کی بنا پر سپرد کر کے مرتے ہیں اگر خدانخواستہ یہ منہ بولا فرزند غیر صالح اور جنایت کار بنے تو اس کا بھی حصہ اسے ملے گا کیونکہ اس نے اپنے اختیار سے اس کے سپرد کیا ہے یہ تمام قباحتیں اس تبنی میں موجود ہیں۔

خلاصہ کلام:

انسان چند چیزوں کیوجہ سے اپنے لئے اولاد کی تمنا کرتا ہے چونکہ انسان کی عمر بہت محدود ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کا ذکر باقی رہے لہٰذا وہ اپنے وجو میں اس نقص وکمی کو پورا کرنے کیلئے اولاد کا خواستگار ہوتا ہے جبکہ خدا ہر نقص وعیب سے پاک ومنزہ ہے اور خدا کیلئے کمال وجود ہے وہ اول ہے کہ جسکی کوئی ابتداء نہیں اور وہ آخر ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں لہٰذا خداوند عالم کیونکر اپنے لئے بیٹا طلب کرے گا کیونکہ وہ خود اصل وجود ہے۔

ذات خدا کیلئے عقل اور قرآن سے ثابت شدہ صفات جیسے غنیٰ، صمد، ازلی وابدی، عالم، قادر، حیی وغیرہ کو سامنے رکھنے کے بعد تمام مذکورہ بالا بنوت کے مفروضے اس ذات باری تعالیٰ کیلئے محال ہیں کیونکہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ انسانوں میں اولاد کی خواہش کی بنیادوں کو واضح کرنے کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ بنوت کے تمام مفروضے احتیاج ونیازمندی کی ضرورت میں ممکن ہیں اور احتیاج ونیاز ذات باری تعالیٰ میں محال ہے لہٰذا بنوت حقیقی ونسبتی دونوں اس ذات کیلئے محال ہے۔

ان تین مفروضوں کے غلط ہونے کے بعد خداوند متعال کا اپنے لئے بیٹا فرض کر

نے کا مفروضہ بالکل غلط ثابت ہوجاتا ہے خداوند عالم کے لئے فرزند کا تصور ایک ایسا بُرا، منکر اور غلط تصور ہے کہ جسے تنہا جن وانس ہی مسترد نہیں کرتے بلکہ آسمان وزمین بھی اسکو مسترد کرتے ہیں جن پر کوئی شرعی تکلیف نہیں ہے یعنی یہ اتنا بُرا تصور ہے کہ اس سے آسمان وزمین اپنی جگہ سے ہل جاتے ہیں، خدا کے لئے کسی کو اپنا بیٹا تصور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے بندگی سے نکالا جائے اور بندگی سے نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی خداوند متعال کے برابری میں آجائے یا اس کا باغی ہوجائے جبکہ یہ دونوں محال ہیں، چنانچہ اس محالیت کے بارے میں سورۂ مریم آیت ۹۳ میں ذکر آیا ہے:

﴿ان کل من فی السمٰوٰت والارض الااتی الرحمٰن عبدًا﴾ ''جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اس رحمٰن کے حضور صرف بندے کی حیثیت سے پیش ہوگا''

تمام مخلوقات خداوند متعال کے بندے اور عابد وعبادت گزار ہیں حتیٰ کافرین بھی خدا کی بندگی سے باہر نہیں نکل سکتے ہیں چونکہ انسان میں دو چیزیں ہیں ایک حصہ میں انسان آزاد وخودمختار ہے اس کی مرضی ہے کہ کسی چیز کو قبول کرے یا نہ کرے جبکہ دوسری طرف بعض کاموں میں انسان بےبس ومجبور اور بے اختیار ہے جو لوگ کافر ہیں وہ صفت اختیار سے اطاعت خداوندی کو مسترد کرتے ہیں اور اپنی مرضی واختیار سے عصیان کو اپناتے ہیں اور اسی اختیار کی بدولت وہ ہمیشہ ہی خداوند عالم کے اوامر ونواہی کی مخالفت کرتے ہیں لیکن انھیں کافروں کو جب کوئی مرض لگتا ہے تو وہاں وہ بغاوت وسرکشی نہیں کرسکتے اور اپنے اختیار سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم اس بیماری کو قبول نہیں کریں گے، اسی طرح سے لوگ بوقت موت سرکشی کرتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نہیں مریں گے، بالکل اسی طرح کسی بھی انسان کو جس وقت قادر مطلق فقیر ونادار بنانے لگتا ہے وہ نہ تو فقیر ہونے سے اور نہ ہی خداوند متعال کے اس حکم ومشیت کی اطاعت سے انکار کرسکتا ہے گویا ہر انسان بعض چیزوں میں بےبس ومجبور ہے اور بعض میں با اختیار اور آخرت میں اس کا یہ اختیار بھی سلب ہوجائے گا: نمل/ ۸۵، مرسلات ۳۵، فصلت ۲۱، جاثیہ ۲۹، انبیاء ۶۳۔

اللہ تعالیٰ اپنے لئے اولاد کی نسبت کو رد کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جن بندوں کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے وہ خدا کے بیٹے نہیں بلکہ اس کے نیک بندے ہیں سورۂ یونس آیت ۶۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وہ کہتے ہیں اللہ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے اس کی ذات پاک ہے وہ بے نیاز ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے وہ سب اسی کا ہے کیا تمہارے پاس اس بات پر کوئی دلیل بھی ہے کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہو جو تمہارے علم میں نہیں۔

۱۔ خداوند متعال نے قرآن کریم کی متعدد آیات میں ہر قسم کی بنوت کی نسبت سے اپنی ذات کو پاک و منزہ قرار دیا ہے جن آیات میں اس نے اپنی ذات سے نسبت بنوت کی نفی کی ہے وہ یہ ہیں:

﴿انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللّٰہ و کلمته﴾ ''بے شک مسیح عیسیٰ بن مریم تو اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہے'' (نساء/۱۷۱) ''اللہ کی شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے'' (مریم/ ۳۵) ''اور اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا'' (مومنون/ ۹۱) ''اور کہہ دیجئے: ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لئے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا ہے......'' (اسراء/ ۱۱۱) ''کہہ دیجئے: اگر رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا'' (زخرف/ ۸۱)

حضرت عیسیٰؑ کی صفات:

۱۔ وجیہہ:

وجہ چہرہ اور سامنا کرنا' مقابلہ کرنا' جسم کے اس حصہ کو کہتے ہیں جس میں سر' دو آنکھیں 'زبان' ناک' دو چہرے ہیں جو ہر ایک کے سامنے ہوتا ہے یہیں سے وہ افراد جو دوسروں کیلئے باعث کشش اور پسند و جاذبیت رکھتا ہوا س کی آنکھوں میں جگہ بنائے اسے وجیہ کہتا ہے یہیں سے قوم کے سربراہان کو وجہاء کہتے ہیں حضرت عیسیٰؑ انہی صفات کے حامل تھے یعنی جو بھی ان سے سوال کرتے وہ اس پر کرم فرماتے تھے راہ خدا پر گامزن رہنے والوں کیلئے اس آیت میں درس و عبرت ہے کہ جب کوئی انسان خود خدا کی عبادت و بندگی پر قائم

ہو، اپنے معاملات و مسائل میں خدا کے نزدیک ہوا سکا چہرہ وجیہہ ہے جس نے اللہ تعالی کے سامنے اپنے چہرے کو صاف رکھا ہے۔

۲۔ گہوارے میں تکلم:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے ہی سے تنہا تکلم نہیں کی بلکہ بیک وقت اس کلام کے ساتھ اپنی مادر گرامی کی پاکیزگی اور تقدس کی گواہی دی اور اپنی نبوت کا بھی اعلان کیا اور اس کے علاوہ اپنے بارے میں مسیحیوں کے دعویٰ الوہیت کے عقیدے کو مسترد کیا یہی وجہ ہے کہ انجیل کے تمام نسخوں میں اس صفت عظیم کو انھوں نے چھپایا ہے وہ آیات یہ ہیں، مریم ۲۹، آلعمران ۴۶، یہ صفت خداوند متعال نے مذکورہ بالا اہداف کی خاطر صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نوازا ہے یہ صفت ان کے علاوہ کسی نبی یا وصی کو دینے کا ذکر نہیں آیا ہے اگر آیا ہے تو اسے ثابت کرنا آسان نہیں ہے شاید ان لوگوں نے اپنے مقتداء اور پیشوا کو آیات قرآن کریم کے برخلاف انبیاءِ کرام کے ساتھ مقابلہ میں لانے کیلئے جاہلانہ کردار ادا کیا ہے ایسے تصورات کی حامل انسان کو دیندار نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ جاہلیت کے فرسودہ خیالات کے پیداوار ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۂ آلعمران آیت ۴۶ میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ویکلم الناس فی المهدو کهلًا و من الصحین﴾ ''اور وہ لوگوں سے گہوارے میں اور بڑی عمر میں گفتگو کرے گا اور صالحین میں سے ہوگا''

حضرت مسیح نے گہوارے اور کہولت دونوں میں گفتگو کی اس گفتگو کی منطق یہ تھی کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا ہے اور مجھے کتاب دی ہے مجھے بابرکت بنایا ہے اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں جہاں بھی رہوں اور جب تک زندہ رہوں نماز قائم کروں اور زکوٰۃ ادا کروں اور اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کروں اس نے مجھے اہل شقاوت میں سے نہیں قرار دیا ہے تورات و انجیل میں نہ تو حضرت مسیح کے بچپنے کا ذکر ہے اور نہ ہی گہوارے میں ان کی گفتگو کا ذکر ہے مسیحوں نے اس ذکر کو اپنے خود ساختہ عقیدے کے منافی دیکھ کر ان

کتابوں سے ہذف کر کے لوگوں سے چھپانے کی کوشش کی لیکن اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت مسیح کے ان درخشاں وتابناک لمحات حیات کو اپنی آخری کتاب میں اس لیے یوں بیان کیا ہے کہ اس کی سنت ہے کہ جب بھی کافرین ومشرکین نورالٰہی کو بجھانا چاہتے ہیں خدا ان کی اس بات کو رد کرتے ہوئے ان کی ایسی تمام کوششوں کو ناکام ونامراد بنا دیتا ہے۔

خداوند متعال اپنی معشیت وارادہ کو ہر حال میں روشن رکھتا ہے حضرت عیسٰیؑ سلسلہ انبیاء میں دوسرے نبی ہیں کہ جنہیں خداوند متعال نے دیگر انبیاؑ کی بہ نسبت کثیر تعداد میں معجزات سے نوازا ہے اگرچہ تمام انبیاء کے وجود مبارک اپنی جگہ خارق عادت وجود ہوتے ہیں لہٰذا وہ معجزہ ہی ہوتے ہیں چنانچہ حضرت ہودؑ نے اس دور کی طاغی وباغی اور قدرتمند قوم کے سامنے خود کو آیت حق کے طور پر پیش کیا لیکن حضرت عیسٰیؑ کے وجود میں جو ایجاد ہے وہ عاقل وغیر عاقل، چھوٹے اور بڑے اور ملحد وکافر سب کو بڑے واضح وآشکار اور نمایاں انداز میں نظر آجاتی ہے چنانچہ خداوند متعال نے قرآن کریم میں کہا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ خود ایک معجزہ ہیں، حضرت مسیح اپنے وجود میں دو حوالوں سے معجزہ حق ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ آپؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں اور دوسرا یہ ہے کہ جب آپؑ پیدا ہوئے تو گھوارے ہی سے تکلم شروع کر دیا یہ ایسا تکلم نہیں تھا کہ جیسے بچوں کا رونا ہوتا ہے اور نہ ہی یہ تکلم ایسی آواز پر مشتمل تھا جس کا کوئی مقصد مفہوم ومعنی نہ ہو بلکہ یہ ایسا کلام تھا کہ ہر کوئی سنتے ہی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ کہنے والا کیا کہہ رہا ہے۔

خداوند متعال نے قرآن کریم میں انبیاء ومرسلینؑ میں صرف حضرت عیسٰیؑ کی ولادت کے مناظر بیان کیے ہیں اور حضرت عیسٰیؑ ہی کی زبان سے اس ولادت کو ایک بابرکت وسعادت قرار دیا ہے خداوند کریم کیطرف سے اس طرح کے معجزات کا مظاہرہ نہیں ہوا جیسے آج کل کے لوگوں کے خود ساختہ ومن گھڑت معجزات کہ جنہیں ان لوگوں نے کباڑ میں بیچ کر صندوق بھرنے سے اپنی مالی ومعاشی حالت سدھارنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے اللہ تبارک تعالیٰ نے جب بھی کسی نبیؑ کو کوئی معجزہ عنایت کیا تو اسے کسی نہ کسی ضرورت تک محدود رکھا ہے

گھوارے میں عیسٰیؑ کی گفتگو وتکلم بھی تنہا عیسٰیؑ کی عظمت وبزرگی کی خاطر نہ تھا بلکہ اس آیت کبریٰ کا اہم ترین مقصد حضرت مریم بتول کی عفت وپاکیزگی اور صداقت وپارسائی کا ناقابل تردید ثبوت فراہم کرنا تھا حضرت عیسٰیؑ کے گھوارے میں تکلم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عیسٰیؑ درحقیقت صداقت وطہارت مریمؑ کی واضح وروشن علامت ونشانی ہیں جو ہستی گھوارے ہی میں بات کرے اور کہے کہ میں خدا کا بندہ ہوں مجھے خداوند عالم نے کتاب وشریعت عنایت کی ہے اور مقام نبوت کیلئے منتخب کیا ہے اس مقام کیلئے منتخب ہونے والی ہستی نہ تو نامشروع طریقے سے پیدا ہوسکتی ہے اور نہ ہی ایسے افراد سے اس کی کوئی نسبت ہوسکتی ہے جس طرح اس رؤف ومہربان اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت عیسٰیؑ کے توسط سے مریم بتول کی حقانیت پر مہر لگائی ہے اسی طرح اس نے حضرت عیسٰیؑ کے نبی ہونے کے بارے میں مریم بتول کو ایک نشانی وعلامت بنایا ہے اور دنیا کو بتایا ہے کہ دیکھو یہ مریم طاہرہ ہے کہ جس نے بغیر شوہر کے ارادہ حق سے بچہ جنم دیا ہے۔

لہٰذا خداوند متعال نے جہاں عیسٰیؑ کو آیت حق کہا ہے وہاں مریم بتول کو بھی آیت حق کہا ہے قرآن کریم میں خداوند متعال حضرت عیسٰیؑ کے قصہ ولادت کو ان کی ماں کی ولادت سے شروع کر کے ان کے سن کہولت تک زندگی گزارنے کا ذکر کر کے مسیحیوں کے اس عقیدے کو کہ حضرت مسیح خدا ہے کھوکھلا ثابت کیا ہے اور اس پر مہر بطلان لگا دی ہے اگر حضرت مسیح خدا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ مسیح کا ایک دور دور بچپن ہو اور وہ دور گھوارہ سے گزرا ہو اور تغیر پذیر عمر گزارتے ہوئے آخر میں وہ دور کہولت کی زندگی بھی گزارے ان ادوار حیات مسیح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت مسیح کا قد وقامت اور عمر تغیر پذیر ہے اور ان پر تغیر طاری ہوا ہے جبکہ یہ حقیقت ہر عالم وجاہل کو معلوم ہے کہ جو تغیر پذیر ہو وہ الٰہ نہیں ہوسکتا، ان کی الٰہ نہ ہونے کی یہ دلیل بھی کافی ہے کہ انہوں نے گھوارے میں یہ اعلان کیا کہ میں الٰہ نہیں ہوں میں بندہ الٰہ ہوں اور میں خدا کا نمائندہ ہوں اور اسکی طرف سے پیغام رسانی کے فرائض کا حامل ہوں۔

۳۔ نبی مبشر:

حضرت عیسیٰؑ کی خاص صفتوں میں سے ایک صفت جو قرآن میں بیان کی ہے وہ حضرت محمدؐ کی آمد کے بارے میں بشارت دھندہ ہیں چنانچہ سورۂ صف آیت ۶ میں آیا ہے:

﴿ومبشراًبرسولٍ یاتی من بعدی اسمه احمد﴾ ''اور اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جن کا نام احمد ہے''

۴۔ نبی زندہ وجاوید:

عقل اور آیات قرآنی کے تحت انبیائے کرام میں سے اب تک زندہ وجاوید نبی صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے ان کی اب تک حیات جاودانی میں زندہ رکھنے کی حکمت بھی ایک معجزے کے تحت ہے کہ اگر خدا اپنے انبیاء کو دشمنان خدا سے بچانا اور اپنے تحفظ میں رکھنا چاہے تو کوئی طاقت وقدرت انکوان کے احاطۂ حفاظت سے نہیں اٹھا سکتے چنانچہ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل دوآیات کریمہ ہیں:

﴿وقولهم اناقتلناالمسیح عیسیٰ ابن مریم رسول الله وماقتلوه وماصلبوه ولکن شبه لهم﴾ ''اوران کے اس قول کے سبب کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا ہے جبکہ فی الحقیقت انھوں نے نہ انھیں قتل کیا اور نہ سولی چڑھایا بلکہ دوسرے کوان کیلئے شبیہ بنادیا گیا تھا'' (نساء/۱۵۷،۱۵۹)

آلعمران ۵۵ میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے ہم آپ کو اٹھائیں گے اور بلند کریں گے:

﴿اذقال الله یاعیسیٰ انی متوفیك ورافعك الی﴾ ''جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ اب میں تمہاری مدت پوری کررہا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں''

نساء ۱۵۹ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اہل کتاب مسیح کے مرنے سے پہلے ایمان لائیں گے:

﴿وان من اهل الکتٰب الالیؤمنن به قبل موته﴾ ''اور اہل کتاب میں کوئی ایسا نہیں جوان کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے''

﴿اذقال الله یعیسیٰ انی متوفیك ورافعك﴾ ''جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ اب میں

تمہاری مدت پوری کررہا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں''

معجزات حضرت عیسیٰ علیہم السلام:

معجزات ایک خلاف عادت عمل ہے جو خداوند عالم انبیاء کے ہاتھوں جاری کرتا ہے تاکہ اس بنی کا خدا کیطرف سے آنے کے دعویٰ کا گواہ بنے ،بعض کا کہنا ہے بہت سے ایسی خارق عادت جو انبیاء میں نہیں ہے سے ثابت ہوتا ہے جیسے براہمہ ہند یا وہ فقرا جنھوں نے اپنے ارادے کو تربیت دی ہے روح کو جسم پر غالب کیا ہے لہٰذا معجزہ کو باقی خارق عادت سے جدا کرنیکی ضرورت ہے۔

مریم اور عیسیٰ دونوں معجزہ ہیں:

﴿وجعلناابن مریم وامه ایةً﴾ ''اور ابن مریم اور ان کی والدہ کو ہم نے ایک نشانی بنایا'' (مومنون/۵۰)

اللہ تبارک تعالیٰ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ مریم بتولؑ دونوں کو آیت حق قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے خود حضرت عیسیٰؑ کو بطور معجزہ پیدا کیا ہے حضرت عیسیٰؑ کے بغیر باپ کے پیدا ہونے اور ان کی والدہ کا بغیر شوہر کے بطور معجزہ فرزند پیدا کرنے کی حکمت وفلسفہ کیا تھا اور یہ معجزہ کس مقصد کیلئے تھا، یہ ایک الگ موضوع ہے۔

﴿والتی احصنت فرجهافنفخنافیهامن روحناوجعلنٰهاوابنهاایةً للعٰلمین﴾ ''اور اس خاتون کو بھی (نوازا) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی اس لئے ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی اور انھیں اور ان کے بیٹے (عیسیٰ) کو تمام اہل علم کیلئے ایک نشانی بنادیا'' (انبیاء/۹۱) خداوند عالم نے دونوں کو بغیر کسی فرق وامتیاز کے خدا کی آیت ونشانی قرار دیا ہے جہاں تک حضرت مریم کا آیت حق ہونے کی بات ہے مریم نے بغیر مرد بچہ پیدا کیا یقیناً یہ خبر سننے کے بعد یا بچے کے پیدا ہونے کے بعد قوم کے ردعمل کا سامنا کرنا اپنی جگہ انتہائی پریشان کن اور مشکل مرحلہ ہے لیکن اس سے بھی پہلے یہ خبر سننے پر مریم پہ کیا گزری ہوگی

اس کا ہر انسان اپنی جگہ خود بخوبی اندازہ کرسکتا ہے اس کی ایک مثال پیش کریں گئے جب حضرت شعیب کی بیٹی تنہائی میں موسیٰ کو بلانے کے لیے آئی تو قرآن نے بتایا کہ وہ شرم وحیا میں ڈوب کر آرہی تھی تو مریم کے حال کو دیکھیے گود میں جب عیسیٰ کو لے کر قوم کی طرف گئی اور ان پر کیا گزری ہوگی خداوند متعال نے مریم اوران کے فرزند کو ہرسو برائیاں سے حفظ و پناہ میں لیا اور ہر برے عزائم رکھنے والوں کے دل کی رگ کو خدا نے اپنے قبضہ میں رکھا جس طرح نارنمرود میں ابراھیم کو سالم رکھا اجتماعی آگ تہمت وافترا اور غیض وغضب کے شعلوں میں مریم کو بچا کر رکھا لوگوں نے مریم سے اتنا کہا کہ مریم آپ بتائیں کوئی درخت بغیر بیج کے پید اہوسکتا ہے تو مریم نے کہا ہاں پہلا درخت جس نے بیج پیدا کیا ہے وہ بغیر بیج کے پیدا ہوا سورۂ مومنون میں فرماتے ہیں ان دونوں کو ہم نے ایسی پناگاہ دی کہ حالت استقراری اور پرشانی میں وہاں قیام کریں اس مکان کو قرآن نے ربوا کہا ہے ربوا یعنی سطح زمین سے بلند اور پہاڑ کی بلندی سے نیچے جہاں ہوا و پانی بھی میسر ہو اور غذا بھی۔

یہاں ہم جن معجزات کی بات کررہے ہیں ان سے مراد وہ معجزات ہیں جنہیں حضرت عیسیٰؑ نے اپنی نبوت کے ثبوت میں پیش کیا ہے نبوت کے ثبوت میں پیش کیے جانیوالے معجزات میں سے ایک معجزہ گہوارے میں اعلان نبوت ہے:

﴿تکلم الناس فی المھدو کھلاً﴾ ''آپ گہوارے میں اور بڑے ہوکر لوگوں سے باتیں کرتے تھے'' (مائدہ/۱۱۰) دوسرے معجزے کا ذکر ان آیات میں آیا ہے:

﴿انی قدجئتکم بایۃٍ من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیرفانفخ فیہ فیکون طیراًباذن اللہ وابرء الاکمۃ والابرص واحی الموتٰی باذن اللہ وانبئکم بما کانوا تاکلون وماتدخرون فی بیوتکم﴾ ''میں تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر تمہارے پاس آیا ہوں' (وہ یہ کہ) میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی شکل کا مجسمہ بناتا ہوں اوراس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور برص کے مریض کو تندرست

اور مردے کو زندہ کرتا ہوں اور میں تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا جمع کر کے رکھتے ہو'' (آلعمران/۴۹)

حضرت عیسیٰؑ نے کہا ہے کہ میں کیچڑ سے پرندے کی شکل بناتا ہوں اور پھراس میں پھونکتا ہوں تو وہ اصلی اور جاندار پرندہ بن جاتا ہے یہ حضرت عیسیٰؑ کا دوسرا معجزہ ہے۔

تیسرا معجزہ مرض جزام (کوڑھ) اور برص کے مریضوں کو ٹھیک کرنا، برص جو کہ انسان کی جلد کی مختلف جگہوں پر سفیدی آنے کو کہتے ہیں یہ ایک لاعلاج مرض جانا جاتا ہے اللہ تبارک تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کے توسط سے اس مرض کے مریضوں کو شفا بخشتے تھے:

﴿وابرء الاکمۃ والابرص واحی الموتٰی باذن اللہ﴾ ''اور میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور برص کے مریض کو تندرست اور مردے کو زندہ کرتا ہوں'' (آل عمران/۴۹)

چوتھا معجزہ مادرزاد اندھے ان اندھوں کو کہا جاتا ہے جو شکم مادر سے اندھے ہی پیدا ہوتے ہیں اللہ تبارک تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کے توسط سے مادرزاد اندھوں کو شفائے کاملہ بخشتے تھے۔

یہاں سے معجزہ انبیاؑ کے بارے میں جو شبہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ معجزے اس دور کے ہیں کہ جب بشر اسرار طبیعت سے جاہل ونادان تھا لیکن جب بشر عقلی طور پر نابغہ ہوجائیں اوران میں نبوغ علمی وفکری آجائے تو وہ کام جنہیں یہاں معجزہ کہا گیا ہے وہ بشر کے لئے آسان ہوجائیں گے تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ انسان اس وقت انبیاؑ کے محتاج ونیازمند تھے جب لوگ جاہل ونادان تھے لیکن اب جب کہ انسان نے علم وفکر میں بہت پیش رفت کر لی ہے لہٰذا اب وہ انبیاؑ کا محتاج نہیں ہے اس منطق کا جواب ہم نے بحث نبوت میں ''انبیاء اور نوابغ بشر'' میں بیان کیا ہے۔

عیسیٰ اور صلیب:

صلیب مادۂ صلب سے لیا ہے جس کے معنی شدت' تشدد اور قوت کے ہیں کہ

جوجلدی اثر پذیر نہ ہو، صلیب اس تختۂ دار کو کہتے ہیں جس پر یہودیوں اور مسیحیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسٰیؑ کو حاکم رومان نے سزائے موت دے کر اس تختہ پر چڑھایا ہے ، مسیحیوں نے اس سزا کی فلسفہ تراشی کر کے اسے عصیانِ آدم صفی اللہ سے ملا کر ہمیشہ سے اولادِ آدم کو عصیان و نافرمانی سے نجات دلانے کیلئے اس تختۂ دار کو انتخاب کیا ہے لہٰذا مسیحیوں نے اس تختۂ دار کے نشان کو ہمیشہ کیلئے اپنے نشان کے طور پر اپنایا ہے ، مسیحیوں نے اس کو صرف مسیحیوں سے نہیں بلکہ اسے مسلمانوں سے بھی اپنوایا ہے عجیب ہے کہ اس دور کے بعض مسلمان اپنے ہاتھوں میں سکھوں کے کڑے پہن کر ، گلے میں مسیحیوں کی صلیب ڈال کر بڑے اطمینان سے ''یارسول اللہ'' ''نعرۂ حیدری'' ''یاعلی مدد'' جیسے نعرے بلند آواز میں لگاتے ہیں ، قرآن کرم نے مسیحیوں کی اس خودساختہ کہانی کو بانگِ دھل مسترد کیا ہے اور فرمایا ہے نہ وہ اسے (عیسٰی) کو قتل کر سکے اور نہ صلیب پر چڑھا سکے:

﴿وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم ﴾ ''اور ان کے قول کے سبب کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح بن مریم کو قتل کیا ہے جبکہ فی الحقیقت انھوں نے نہ انھیں قتل کیا اور نہ سولی چڑھایا بلکہ دوسرے کو ان کیلئے شبیہ بنادیا گیا تھا'' (نساء/ ۱۵۷)

انھوں نے کہا ہے کہ ہم نے عیسٰی بن مریمؑ کو قتل کیا ہے جبکہ انھوں نے نہ تو انہیں قتل کیا ہے اور نہ ہی سولی پر چڑھایا ہے ، اس آیت کریمہ میں عیسٰیؑ کے نام کے بعد کلمہ رسول اللہ بھی ساتھ ہی ہے یا تو یہودیوں نے حضرت عیسٰیؑ کے نام کے ساتھ یہ کلمہ بطور تمسخر واستہزاء شامل کیا ہے کہ ہم نے تمھارے خدا کے رسول کو قتل کیا ہے یا خدا نے ان کے ادعاء کو رد کرنے کے لئے کہا ہے تا کہ معلوم ہو کہ وہ کیسے ہمارے رسول کو قتل کر سکتے ہیں کیونکہ خداوند عالم اپنے رسول پر ان کے دشمنوں کو مسلط نہیں کرتا یہاں دو کلموں کا ذکر ہوا ہے جن میں سے ایک قتل ہے اور دوسرا صلب یعنی یہودیوں نے ایک انسان کو کہ جو حضرت عیسٰیؑ کا ہم شکل تھا اسے قتل کیا اور بعد میں اسے سولی پر چڑھا دیا۔

حضرت مسیحؑ کا قصہ ولادت اور قصہ وفات دونوں معجزے پر قائم ہیں ان کی ولادت اس لئے معجزہ ہے کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں اور وفات اس لئے معجزہ ہے کہ یہودیوں نے انہیں قتل کرنا چاہا لیکن خدا نے ان کو یہودیوں کے ہاتھوں سے نجات دلا کر اپنی حمایت و حفاظت میں زندہ ہی اٹھالیا حضرت عیسٰیؑ کی زندگی کی ابتداء وانتہا دونوں کا معجزہ ہونے میں مشیت الٰہی کارفرما ہے۔

حضرت عیسٰیؑ کی بن باپ کے ولادت ہونا درحقیقت ایک مقدمہ ہے کہ وجود عیسٰیؑ راہ ولادت سے آیا ہے اور یہ ولادت عادی حالات سے ہٹ کر معجزہ سے ہوئی ہے اسی طرح ان کا قصہ وفات بھی ایک معجزہ ہے کیونکہ جب یہودیوں نے حضرت مسیح کو قتل کرنے کے لئے ان پر ہجوم کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں میں سے ایک انسان کو حضرت مسیح کا ہم شکل بنادیا چنانچہ انہوں نے اُسے قتل کر دیا اُس قتل ہونے والے کا نام فوخت ہے (فوخت ایک بڑا دروازہ ہے کہ جہاں سے داخل ہوتے ہیں) یہ لوگ جب حضرت عیسٰیؑ کو قتل کرنے کے لئے فوخت میں داخل ہوئے تو اُن کے ساتھ ایک شخص اکیانوس بھی تھا جب حضرت عیسٰیؑ ان حالات میں پریشان ہوئے تو اللہ رب العزت نے انہیں الہام کیا وہ اُوپر دیکھو پھر جب یہودیوں نے اُوپر دیکھا تو انہیں ایک چیز اوپر بلند ہوتی ہوئی دکھائی دی ، انہوں نے جب اکیانوس کو اپنے ہمراہ دیکھا تو کہا کہ اگر یہ اکیانوس ہے تو عیسٰیؑ کہاں ہے اور اگر یہ عیسٰیؑ ہے تو اکیانوس کہاں ہے ، یہاں سے انہیں عیسٰیؑ اور اکیانوس میں شبہ ہوا

جب یہودیوں نے کہا کہ ہم نے عیسٰیؑ کو قتل کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے عیسٰیؑ کو قتل نہیں کیا بلکہ ہم نے انھیں اٹھالیا ہے خداوند متعال نے قصہ ولادت عیسٰیؑ اور قصہ قتل عیسٰیؑ کا قرآن میں تکرار سے ذکر کر کے یہودیوں کے دعویٰ الوہیت کو کہ وہ خدا کا بیٹا ہے اس کو بوندا ہے (بُابنا ہے) یعنی عیسٰیؑ کیونکر خدا یا خدا کا بیٹا ہو سکتا ہے کیا کسی کا رحم مادر میں نطفہ سے اور دیگر تغیر وتبدل کے مراحل سے گزارتے ہوئے انسان بننا اور آخر میں قتل وصلیب کے مراحل سے گزرنا یہ سب قادر مطلق کے مقام ومرتبہ کے منافی اور عجز وناتوانی کا ثبوت ہے یا

اس کی الوہیت کا، گویا مسیحوں نے جس فکر کو اپنایا ہے، اس سے ان کے پاس نہ تو الوہیت کا تصور باقی رہ سکتا ہے اور نہ نبوت کا اگر وہ عیسیٰؑ کی ولادت کو معجزہ مانتے ہیں تو ان کے آسمان کی طرف اٹھنے کو بھی معجزہ تسلیم کریں، گویا جو ایمان لائے ہیں وہ صحیح نہیں ہے بلکہ وہ ایمان غلط ہے یعنی ان کا یہ کہنا کہ حضرت مسیحؑ خود خدا ہے یا خدا کا جز ہے یا اسکا بیٹا ہے، یہ تینوں غلط ایمان ہیں اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰؑ اب بھی زندہ ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کی قربانی

عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق جیسا کہ ان کی انجیلوں میں موجود ہے کہ یہودی حضرت مسیح کو اپنے اعتقاد میں کافر سمجھتے ہیں اور وہ انھیں قتل کرنا چاہتے تھے اس خوف سے حضرت عیسیٰ ان کی نظروں سے چھپے ہوئے تھے یہودی ان کے تلاش میں تھے حضرت مسیح کے ایک پیروکار جس کا نام یہوذا اسخر یوٹی تھا اس نے مال کے لالچ میں آکر حضرت مسیح کی نشاندہی کرائی لہٰذا یہودیوں نے جمعہ کی رات کو نماز کے بعد حضرت مسیح کو گرفتار کیا اور انھیں کہونت کے گھر لے گئے جہاں انھیں قتل کا مستحق قرار دیا پھر والی ردم کے گھر لے گئے اس نے حکمِ دار سنایا، جمعہ کی صبح کو مسیح کو دار پر چڑھایا اور انھیں اس وقت موت آئی جب وہ چیخ چیخ کر پکار رہے تھے کہ الٰہی الٰہی مجھے کیوں چھوڑا عصر کے وقت انھیں تختہ دار سے اتار کر قبر میں دفن کیا ہفتہ کا دن گذر گیا اتوار کی رات بھی گذر گئی جب اتوار کی صبح کو قبر میں دیکھا تو قبر خالی تھی۔

مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ موت مسیح درحقیقت حضرت آدم صفی اللہ کی ان غلطیوں کا کفارہ تھی جو ان کی اولاد میں سرعیت کر چکی تھیں لہٰذا ان کا قتل اولاد آدم کے گناہوں کا کفارہ واقع ہوا ہے وہ اس سلسلہ میں یہ سند پیش کرتے ہیں کہ انجیلِ یوحنا میں آیا ہے کہ حضرت مسیح کہتے ہیں میں صالح رائی ہوں، رائی صالح وہ ہے جو اپنے نفس کو غلطیوں کے خلاف بدل کے طور پر دے دے تا کہ ان پر ایمان لانے والے سب ہلاک نہ ہوں بلکہ انھیں ابدی زندگی نصیب ہو فرزند انسان اس لئے نہیں تا کہ وہ آقا بنے اور لوگوں سے خدمت لے لے، وہ اس کی خدمت کرے اور اپنے نفس کو بہت سے لوگوں کے بدلے میں فدیہ کے طور پر پیش کرے

۔انجیل یوحنا میں آیا ہے کہ اس طرح مسیح نے اپنے نفس کو ہمارے لئے پیش کیا ہے وہ ہماری خاطر قربان ہوا ہے وہ خدا کا ذبیح ہے طیب وخوشبو کا حامل ہے۔

قارئینِ کرام آپ سب جانتے ہیں کہ ان کی یہ فکر اپنی سند ونسبت میں بے ہودہ وغلط ہونے کے علاوہ عقل وشرع اور ادیانِ عالم کے تحت بھی بے بنیاد ہے کیونکہ بنی آدم کے وہ گناہ جو گذر گئے ہیں وہ توبہ سے قابل بخشش تھے ان کیلئے مسیح جیسے کی قربانی دینے کی ضرورت نہیں اگر آنے والے گناہوں کی بخشش ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ آنے والے مسیحیوں کے گناہ اپنی جگہ حرام نہیں بلکہ خود بخود حلال ہوجاتے ہیں گویا حضرت مسیح شریعت کے خاتمے کیلئے آئے تھے نہ کہ امت کی بخشش اور ہدایت کیلئے، اسی طرح عیسائی ایک اور فلسفہ مسیح کے دار کے بارے میں پیش کرتے ہیں وہ اس دار کشی کو اپنی جگہ خود بخود فضیلت وشرافت گنواتے ہیں جو مسئلہ کو زیادہ پیچیدہ اور عقل سے بے بہرہ بنانے میں زیادہ اثر رکھتا ہے یہاں سے وہ آخر میں یہ کہنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ یہ چیزیں مافوق العقل ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ اور غلو

آل عمران ۱۶۱، مائدہ ۶۴، نساء ۱۷۱، مائدہ ۷۷، ان آیات کریمہ میں اہل کتاب خاص طور پر نصاریٰ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے مادرگرامی کے بارے میں ناروا غلو کی مذمت کی گئی ہے اس حوالے سے حضرت مسیحؑ واحد نبی ہیں، جنھیں انکی امت نے خدا قرار دیا، انہوں نے خدا کی جگہ ان کی اور ان کی ماں کی پرستش کی چنانچہ خداوند متعال نے ان کے اس فعل قبیح پر حضرت عیسیٰؑ سے باز پُرس کی:

﴿واذقال الله يعيسى ابن مريم ء انت قلت للناس اتخذونى و امى الهين من دون الله﴾ ''اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ بن مریم کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو خدا بناؤ؟'' (مائدہ/۱۱۶)

یہود و نصاریٰ کی اسلام و مسلمین سے شدید ترین دشمنی

قرآن کریم کی سورۂ مائدہ کی آیت ۸۲ میں مسلمانوں کیلئے سب سے زیادہ دشمن یہود کو بتایا گیا ہے: ﴿لتجدن اشدالناس عداوۃً للذین اٰمنوا الیہود والذین اشرکوا ﴾ ''(اے رسول) اہل ایمان کے ساتھ عداوت میں یہود اور مشرکین کو آپ پیش پیش پائیں گے''۔ دین اسلام ان کے خلاف کسی قسم کا تشدد اور انتقامی کاروائی نہیں رکھتا جبکہ انھوں نے مسلمانوں کو اپنے خانہ و آشیانہ میں ذلت و خواری کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا ہے اس طرح سے چند صدی سے مسلمان ہر طرف سے مسیحیوں کے حملوں کی زد میں بھی ہیں اس سلسلہ میں دنیائے مسیحیت نے اپنے دین کے فرسودہ اور خرافاتی ہونے کا انتقام دیگر ادیان و ملل سے لیا انہوں نے دیگر ادیان و ملل میں خرافات' فرسودگی کو مختلف ذرائع سے شامل کرنے کی ہمہ جہت کوششیں کیں۔ اس سلسلہ میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں خصوصاً انھوں نے دین اسلام کے فرقوں کو ایک دوسرے کی ضد میں کھڑا کر کے اپنی خرافات کو انھیں کے ذریعے ان کے درمیان فروغ دیا ہے اس سے ہمارے تمام فرقے کسی نہ کسی حوالے سے انکی زد میں آئے ہیں۔ مکتب تشیع سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان نفوذ ہونے والی ایک فکر ''نظریۂ فدا'' ہے یہ مسیحیت کا نظریہ ہے جو وہ حضرت مسیحؑ کے بارے میں رکھتے ہیں اسے انھوں نے حضرت مسیحؑ کے بارے میں گھڑا ہے اور اسی فکر کو امام حسینؑ کیلئے بھی گھڑا گیا ہے۔

عید قرآن اور روایات اسلامی کی روشنی میں

عید: عید مادہ ''عوذ'' سے لیا گیا ہے اور اس کے لیے ''عوذ'' کی ''و'' کو ''ی'' سے تبدیل کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں یہ کلمہ صرف ایک بار سورہ مائدہ کی آیت ۱۱۴ میں آیا ہے:

﴿ربنا انزل علینا مائدة من السماء تکون لنا عیدا لاولنا و اخرنا و اٰیة منک ﴾ ''پروردگارا ہمارے اوپر آسمان سے دسترخوان نازل کردے کہ ہمارے اول و آخر کیلئے عید ہو جائے اور تیری قدرت کی نشانی بن جائے''

اسلام کے ہر مذہبی و سیاسی گروہ کی اپنی اپنی نشانیاں ہیں۔ ان میں سے اگرچہ کچھ تو سب میں مشترک ہیں مگر ہر ملک بلکہ علاقے فرقے اور قبیلہ کی ان ایام کو منانے کے آداب و انداز جدا ہیں حالانکہ جب ہم اسلامی بات کرتے ہیں تو اس وقت ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اسلام ہر ملک خطے اور قوم قبیلے کیلئے ایک ہی ہے۔ قرآن وسنت سے ہمیں جو راستہ ملتا ہے وہ ایک ہی صراط مستقیم ہے اور اس صراط مستقیم میں ملک قوم اور فرقہ کے لحاظ سے کوئی تبدیلی نہیں آتی اور نہ ہی یہ صراط مستقیم ایک سے زیادہ ہیں کہ ہر ایک کا راستہ دوسرے سے جدا اور متضاد و متصادم ہو اور ہر کوئی یہ کہتا نظر آئے کہ وہ صراط مستقیم پر گامزن ہے اسلام اور قرآن وسنت نے جو ثقافت دی اس کا اپنانا کسی کیلئے گراں نہیں لیکن ہمیں آئے دن جن ثقافتوں سے واسطہ پڑتا ہے ان پر خرچ ہونے والے کثیر مال و دولت کو دیکھتے ہوئے نہایت ضروری ہے کہ ان کا قرآن وسنت سے ملنے والے احکام وتعلیمات سے موازنہ کیا جائے اور انہیں شریعت' عقل و منطق اور عدل وانصاف کے ترازو میں تولا جائے کیونکہ کوئی بھی چیز قانون کے دائرہ سے باہر نہیں اور خود قانون بھی کسی قانون کے اندر اور اسکے تابع ہوتا ہے جہاں کوئی الٰہی قانون کارفرما نہیں وہاں بھی کوئی قانون ساز ادارہ یا قانون ساز کونسل موجود ہوتی ہے لہٰذا ہم چونکہ اصول عقائد توحید' نبوت اور معاد کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت کی حاکمیت کے قائل ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ آیات اسلامی اور عید منانے کے حقیقی طریقے اور مصارف بھی قرآن وسنت سے اخذ کریں چنانچہ اس سلسلے میں ہم پہلے مرحلے میں عید کے بارے میں قرآن وسنت اور سیرتِ معصومینؑ کی طرف رجوع کرتے ہیں ہمارے ہاں کتنی اور کون کون سی عیدیں پائی جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دو عیدیں ایسی ہیں کہ جنہیں منانے میں پوری امت مسلمہ متفق ہے۔ ان میں سے ایک ماہِ رمضان المبارک کے اختتام پر یکم شوال کو آنے والی عید ہے کہ جسے عید الفطر کہتے ہیں اور دوسری عید الضحیٰ ہے جو ہر سال ۱۰ ذوالحجہ کو منائی جاتی ہے۔ یہ دونوں مسلمانوں کی عیدیں کہلاتی ہیں تیسری عید عید میلاد النبیؐ ہے کہ جسے منانے میں مسلمانوں کے تمام فرقے متفق نہیں ہیں اور امت اسلامی کا ایک فرقہ نہ صرف

شدت سے اس کی مخالفت کرتا ہے بلکہ اس کی حرمت اور بدعت تک کا قائل ہے اور ان کے بالمقابل عید میلا د النبیؐ منانے والوں کے طور طریقے اور اس سلسلے میں اٹھنے والے اخراجات کو دیکھیں تو وہاں پیغمبر اکرمؐ اور سیرت و کردار پیغمبرؐ کے بیان اور اسکے ذریعے سے مسلم معاشرے کو کفر و شرک و بدعت اور تحریفات و خرافات سے نجات دلانے اور قرآن و سنت کی اتباع و پیروی کی ترغیب دینے کی بجائے بچگانہ و زنانہ حرکات و سکنات اور اصحابِ دف و ڈھول کی سرگرمیاں اور حجاب اسلامی کا کھلم کھلا مذاق اڑاتی ہوئے بے پردہ خواتین اور مرد و زن کے بے ہنگم مخلوط اجتماع لوگوں کو بے راہ روی کی ترغیب دیتے نظر آتے ہیں۔ عید میلا د النبیؐ کے جلوس میں شرکت کرنے والے چراغان دیکھنے کے بہانے مخلوط اجتماع میں آزادانہ گھومنے پھرنے کیلئے بیتاب نظر آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ نہ صرف نوجوان بلکہ عمر رسیدہ افراد بھی اسلامی اور قرآنی اہداف و مقاصد سے دور کرنے والے مخلوط اجتماعات پر مبنی ایسے جلوس اور بارونق سڑکوں اور چمکتی دمکتی راتوں میں عیدوں اور مذہبی تہواروں کے نام پر آوارہ گھومنے پھرنے اور سیر و سیاحت سے لطف اندوز ہونے کے منتظر رہتے ہیں اور جشن و میلے کا سماں باندھنے کیلئے مال و دولت کے اسراف میں تمام حدوں سے تجاوز کرتے نظر آتے ہیں تاکہ برقی قمقموں کی روشنی میں لوگوں کو ثقافت قرآن اور شریعت پیغمبرؐ کے اس نور حقیقی سے دور رکھنے کا بندوبست جاری رہے کہ جو نہ صرف اس دنیا میں بلکہ بروز محشر بھی ہر انسان کی ضرورت ہوگا۔ گویا عید کے نام سے ہندوانہ و مشرکانہ تہذیب و ثقافت کو اتنا عام کر دیا گیا کہ آپ چراغ لے کر ڈھونڈیں تو بھی اسلامی و قرآنی ثقافت کا ملنا محال ہے۔

چوتھی قسم کی عید اہل تشیع کے ہاں پائی جاتی ہے کہ جو پیغمبر اکرمؐ کی میلاد کے علاوہ بارہ آئمہ طاہرینؑ کے روز ولادت اور ان کی خوشی کی مناسبت سے بعض دیگر ایام کو بطور عید مناتے ہیں ان کے طور طریقے بھی برادران اہل سنت سے چنداں مختلف نہیں اور یہاں بھی سیرت و ثقافت پیغمبر و آئمہ طاہرین اور احکامات و تعلیمات قرآن کے بیان و پرچار کی بالکل کوشش نہیں کی جاتی اور نہ ہی معاشرے کو بے راہ روی اور خلاف اسلام کاموں سے دور رکھنے

کیلئے درس قرآن و سیرت معصومینؑ کی ترویج و اشاعت اور اس سے استفادے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور نتیجۃً مغربی تہذیب و ثقافت گھر گھر ڈیرے جمائے ہوئے ہے اور قرآن کریم اور سیرت و تعلیمات معصومین سے ملنے والے ثمر آور و حیات آفرین افکار و نظریات اور طور طریقوں کا کہیں نام و نشان تک نظر نہیں آتا پھر بھی نجانے ہم کیوں مطمئن ہیں کہ ہم پیغمبرؐ و آل پیغمبرؐ کے ماننے والے ہیں حالانکہ نہ ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ ہمارا قرآن کریم سے کوئی تعلق و واسطہ اور انس و لگاؤ ہے اور نہ ہم سیرت و تعلیمات حضرت محمد و آل محمد پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں شاید ہماری آنکھوں پر غفلت کا پردہ پڑ گیا ہے کیونکہ اگر ہم پیغمبر اکرمؐ اور ان کی آل پاک سے محبت و مودت کے دعوے دار ہیں تو اس دعوے کے ثبوت میں ہمیں ان کی اتباع و پیروی کی حتی المقدور کوشش بھی کرنی چاہئے ورنہ ہمارا دعویٰ جھوٹا ثابت ہونے کی وجہ سے خارج کر دیا جائے گا اور ہم اس دعوے سے جس کامیابی و کامرانی کی امید باندھے ہوئے ہیں اس میں ناکام ہو جائیں گے۔ بعض افراد خوشی منانے کے ثبوت میں یہ روایت پیش کرتے ہیں۔ ہماری خوشی میں خوشی اور غم میں غم مناؤ اگر اسے صحیح اور مستند تسلیم کر بھی لیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا ان کی خوشی اور غم کا دن ان کی شخصی اور خاندانی خوشی کے غم کا دن نہیں تھا کیونکہ ان ذوات کی خوشی اور مسرت اسلام کی سربلندی اور قرآن کی حاکمیت میں ہے لہٰذا پیغمبر اکرمؐ اور آئمہؑ طاہرین کے ولادت و وفات منانے کا نبیادی مقصد اس مناسبت سے پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ طاہرینؑ کے پیغام رسالت اور ان کی سیرت طیبہ کو بیان کرنا ہے اچھے کپڑے پہننا، لذیذ کھانوں کا ان کی خوشی اور غم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے کیونکہ انھوں نے ہمیشہ ان چیزوں سے اپنی زندگی کو دور رکھا لیکن بدقسمتی سے ان ایام میں ان کی تاسی کرنے کی بجائے اپنی آرزوئیں اور ارمان غالب رہتے ہیں۔

ہم پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ طاہرینؑ کے حوالے سے خوشی و مسرت و انبساط کے طور پر جو دن مناتے ہیں وہاں اگر انداز و طریقہ کار اور اہداف و مقاصد پر نظر ڈالیں تو ہمارے اجتماعات معنویت و عقلیت اور استدلال سے خالی و محروم نظر آئینگے بلکہ یہاں بچوں والی عادات و اطوار

اور زنانہ انداز غالب ونمایاں نظر آتے ہیں جشن ومیلاد کے نام سے ان تقریبات میں برقی قمقموں سے چراغاں کرنے' مساجد وامام بارگاہوں کو جھنڈیوں' رنگین کاغذوں اور پھولوں سے سجانے' اسٹیج کو نئے انداز میں بنانے وسجانے' پٹاخوں اور واہ واہ کے شور وغل سے محظوظ ہونے کو خاص کارنامہ سمجھا جاتا ہے حالانکہ ان چیزوں کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے بچوں اور مشہور سیاسی وسیکولر رہنماؤں کی سالگرہ کی طرح کئی کئی کلو کے کیک پر موم بتیاں جلا کر کاٹنے اور طرح طرح کی مٹھائیاں اور دیسی گھی کے بادام ملے حلوے کھانے ان تقریبات کے نمایاں مظاہر ہیں اسی طرح میلاد اور جشن کے نام سے انجام پانے والی یہ تقریبات اگرچہ مساجد وامام بارگاہوں میں ہوتی ہیں مگر ان میں علاقائی ومقامی اور قومی وغیر مذہبی تقریبات کے رسم ورواج کا رنگ غالب نظر آتا ہے ان میں آئمہ طاہرینؑ کی سیرت وصورت کے مناظر بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔

ان تقریبات میں آپ فرسودہ وبے ہودہ باتوں کا آسانی سے مشاہدہ کر سکتے ہیں ان تقریبات کو مزید رونق بخشنے کیلئے ایسے قصائد ومداح سے لوگوں کو محظوظ کرنے اور داد تحسین لینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جو اکثر بیشتر غلط بلکہ غلو گیری پر مشتمل ہیں ان ایام میں آئمہ طاہرینؑ کی سیرت وتعلیمات اور ان کے اصل مقام ومنزلت وفضیلت کے نور وروشنی سے استفادہ کرتے ہوئے اصلاح معاشرہ کی بجائے ان کی ایسی خود ساختہ اور من گھڑت تعریف و توصیف پیش کرتے ہیں کہ سادہ لوح عوام کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ حضرات بھی اسے ہی وسیلہ ہدایت ونجات سمجھتے ہیں سیرت وتعلیمات آئمہ طاہرینؑ سے آگاہ ہونے اور اسے نمونہ عمل قرار دیتے ہوئے اس پر عمل سے ہدایت یافتہ بننے اور اخروی نجات کی کوشش کرنے کے بجائے ان نجات وہدایت دینے والی ہستیوں کو مصائب ومسائل ومشکلات کے حل اور مال و دولت اور دیگر ضروریات زندگی فراہم کرنے کا وسیلہ قرار دینے لگتے ہیں۔

بعض برادران اہل سنت والجماعت آیات اسلامی اور میلاد النبیؐ کے علاوہ بعض عرفاء وصوفیاء کرام کے نام سے عرس مناتے ہیں ان مراسم میں اعلیٰ حکومتی عہدیداروں اور

وزراء کے علاوہ سربراہان مملکت جو موقعہ ملنے پر دین ومذہب کا مذاق اڑانے سے بھی گریز نہیں کرتے وہ بھی برادران اہل سنت کی رضا وخوشنودی کیلئے ان عرسوں میں شریک ہوتے ہیں اور مزاروں پر چادر چڑھاتے ہیں۔ ان عرسوں میں اسلامی مناظر اور تعلیمات قرآن و سنت پر عمل تو در کنار بلکہ یہاں تو محرمات اسلام دف' ڈھول' رقص اور گانے کے مناظر کو خوب پزیرائی دی جاتی ہے اہل تشیع میں بھی بعض لوگ میلے کے نام سے عرس کی اس ثقافت کے پاسدار ہیں ان میلوں اور عرسوں پر مذکورہ حرام کاموں کیلئے چرس اور دیگر نشہ آور اشیاء بھی بہ کثرت استعمال کی جاتی ہیں لوگوں کی اکثریت آٹھ دس سو روپے ادھار پکڑ کر یا سال بھر کی بچت سے ان میلوں اور عرسوں میں شرکت کے قابل ہوتی ہے جبکہ دوسری طرف جاگیر دارانہ زندگی گزارنے اور کئی کئی قیمتی گاڑیوں اور وسیع وعریض جائیداد کے مالک پیر وسجادہ نشین حضرات عرس سے واپسی پر نوٹوں سے بھرے بریف کیسوں کے ساتھ گھر لوٹتے ہیں اور غریب عقیدت مند کئی کئی میل کی پیدل مسافت طے کر کے آدھ کلو جلیبی وشکر پارے اٹھائے تھکے ماندے گھروں کو لوٹتے ہیں اور پیروں کی دعاؤں اور تعویزات کے اثرات ونتائج کیلئے نئے سرے سے اگلے عرس تک انتظار کرنے لگتے ہیں مگر اسی انتظار میں ان کی زندگی کے ایام گزر جاتے ہیں۔

سالگرہ یعنی تقریبات روز ولادت:

رائج دنیا میں ایک بے ہودہ اور بچگانہ عقلاء کی سرگرمیوں میں سے ایک تقریب یوم ولادت منانا ہے۔ جو کسی شخص کی تاعمر منائی جاتی ہیں اور بعض جگہ پر وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہتا ہے لیکن ایسی تقریبات منانے کی سند نہ تو زاویہ نگاہ قرآن میں ملتی ہے اور نہ ہی نقل معتبرہ میں اسکا کوئی ذکر موجود ہے شاید ان تقریبات کا واحد مصدر مسیحی ہیں جنھوں نے ۳ سو سال میلادی گذرنے کے بعد ان تقریبات کا آغاز کیا اور اپنی خواہشات کو ان تقریبات میں داخل کیا وہ قرآن کریم جو ''تبیان کل شیء'' ہے جس میں زندگی سے متعلق ہر خشک وتر کے بیان ہونے کی ضمانت ہے اس میں سلسلہ انبیاء میں جو مصطفیٰ مجتبیٰ اور منتخب اور برگزیدہ ہستیاں

ہیں انکی تقریبات ولادت حتیٰ تاریخ ولادت کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے ان انبیاء میں دو بزرگ اور مقام ومنزلت میں سب سے بلند دو ہستیاں ہیں جن میں سے ایک حضرت ختمی مرتبتؐ ہیں جنکی حیات کی ابتداء کو صرف انکے نابالغ ہونے کے حوالے سے ذکر ہے کہ کیا ہم نے آپ کو یتیم نہیں پایا اسکے علاوہ آپکی ولادت کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے اسی طرح حضرت ابراھیم خلیل اللہ جنہیں شیخ الانبیاء کہا جاتا ہے انکی ولادت ایک تلخ اور ناگوار حالات میں وقوع ہونے کا ذکر ہے قرآن نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی زندگی کا آغاز اس انداز سے کیا جب انھوں نے بتوں کو توڑا تو لوگوں نے کہا یہ ایک نوجوان کا کام ہے جسکا نام ابراھیمؑ ہے، قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر سب سے زیادہ ہوا ہے آپکی ولادت بھی تلخ اور ناگوار حالات میں ہوئی لیکن قرآن نے آپ کا ذکر وہاں سے شروع کیا جہاں انکی والدہ محترمہ کی طرف وحی کی گئی کہ اس بچے کو صندوق میں ڈال کر دریا میں پھینک دیں، حضرت یحیٰی علیہ السلام جو حضرت ختمی مرتبتؐ اور حضرت مسیح علیہ السلام دونوں کی بشارت لے کر آنے والے معید و مصدق نبی ہیں انکی ولادت کا بھی ذکر نہیں کیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ازروئے قرآن عقل وشریعت تاریخ ولادت منانے کی کوئی حیثیت و اہمیت نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس دن ذکر کو اعلیٰ و ارفع اہداف کے حصول اور ترویج کیلئے وسیلے کے طور پر استعمال کریں ورنہ ایک دوسرے سے مزاح کرنا، عیش وعشرت کرنا، وقت کا ضائع اور بے ھودہ افعال اور غیر عاقلانہ مراسم کی کوئی حیثیت نہیں ہے ہاں اگر قرآن میں ولادت کا ذکر ہے تو ایک عظیم آیت ونشانی کے طور پر ہے جہاں بشر کو یہ بتانا مقصود ہے کہ خالق کائنات جہاں اسباب وعلل کے ذریعے تخلیق کائنات فرماتے ہیں اور نسل انسانی کو ازدواجی راستے کے ذریعے نکالتے ہیں وہ خالق یہ قدرت بھی رکھتا ہے کہ بغیر ازدواج تنہا عورت کے ذریعے ایک ایسا انسان پیدا کرسکتا ہے جو طبیعی توقعات کے ذریعے تو ناقص معلوم ہو لیکن مقام وجود میں تمام خلقت سے اشرف المخلوقات ہے جس ہستی نے خلیفہ اول کو جیسے بغیر ماں وباپ کے پیدا کیا وہ بغیر باپ کے بھی پیدا کرسکتا ہے لہٰذا قرآن کریم نے مسئلہ ولادت کو اور کسی بھی حوالے سے مقام واہمیت نہیں دی۔ ہمارے لئے

کسی نبی کی تاریخ ولادت کا سن وسال تلاش کرنا اتنی اہمیت کا حامل نہیں ہے حضرت ابراھیم خلیل اللہ کی ولادت کا ذکر کتب عہدین میں موجود ہے جو تحریف ہونے کی وجہ سے ان پر اعتماد کرنا یا نہ کرنا برابر ہے ان میں آیا ہے کہ طوفان نوح کے ۳ ہزار سال گزرنے کے بعد خدا کا یہ بندہ سرزمین بابل میں پیدا ہوا۔

سالگرہ

ہماری اسلامی ثقافت میں کسی کی تاریخ ولادت کو سالگرہ کے نام سے منانے کی کسی بھی حوالے سے کوئی سند نہیں ملتی معلوم نہیں یہ ثقافت مسلمانوں میں کہاں سے آئی ہے اور اس نے اس حد تک فروغ پایا ہے اس میں زیادہ تر افراد لوگوں سے کچھ جمع کرنے کی خاطر اور بعض ان سے تقرب حاصل کرنے کی خاطر اپنی سالگرہ مناتے ہیں اسلام اور عقل انسانی میں اس کا کوئی وجود نہیں شاید یہ مسیحیوں کی فرسودہ روایات میں سے ہو جسکی وہ میلاد مسیح سے سند لیتے ہوئے کرتے ہیں۔

بعض افراد یہ کہتے ہیں کہ ان رسومات میں سے بعض مراسم ایسی ہیں کہ انہیں برا نہیں کہا جاسکتا اس لئے وہ کہتے ہیں کہ ان مواقع پر اچھا کھانا کھانے اچھا لباس پہننے اور ایک دوسرے سے میل ملاپ میں کیا قباحت ہے؟ ان کے نظر میں جس چیز کی قباحت نہ اس کیلئے پورے قوم کی وقت' فکر اور مال ودولت سب کو خرچ کرے اور ایک ایسی خرچ جسکا سال بھر میں کوئی مثال نہیں ملتا ہے آیا ایسی خرچ جسکا کوئی مقصد نہ ہو جو صرف اسراف وتبذیر ہو جسے قرآن نے عمل شیطان کہا ہو اس سے بڑی قباحت کیا ہوگی ان کا کہنا ہے کہ یہ مراسم تو عید کی بنیاد ہیں لیکن کیا قرآن وسنت میں ان مراسم کو نبھانے یا ان کی تائید ہوتی ہے اور تاریخ اسلام ہمیں بتاتی ہے کہ یہ مراسم مسلمانوں میں کہاں سے اور کب سے شروع ہوئیں۔ یہ ہمارا بنیادی نکتہ ہے جسے ہم قارئیں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ وہ اپنی فہم وفراست کو استعمال کرتے ہوئے غور فرمائیں کہ یہ مراسم اور انہیں مذکورہ انداز سے نبھانا کس حد تک عقل ومنطق اور قرآن وسنت پیغمبر ومعصومینؑ سے مطابقت رکھتا ہے

۱۔ قرآن کریم میں اور آغاز اسلام سے اب تک کتب تاریخ وسیر' زمانہ پیغمبر اکرم اور زمانہ آئمہ طاہرینؑ میں اس طرح کے مراسم' میلوں' تہواروں اور عرسوں کا نام ونشان تک نہیں ملتا حتیٰ عید الفطر' عید الضحیٰ اور عید میلاد النبیؐ پر بھی مسلمانوں میں آج کے دور کی طرح کھانے پینے اور نئے اور قیمتی لباس کا اہتمام کرنے کا کوئی رواج نہ تھا۔

امیر المومنین حضرت علیؑ کے نہج البلاغہ میں موجود فرمان' کلمات قصار ۴۲۸ سے ہمارا موقف واضح ہو رہا ہے کہ جہاں امیرؑ فرماتے ہیں۔

''ایک عید کے موقع پر آپ نے فرمایا کہ یہ عید صرف اسی کیلئے ہے جس کے روزے قبول ہوں اور جسکی نمازیں مشکور خدا ہوں''۔

امیرؑ فرماتے ہیں کہ مومن ومسلمان کیلئے ہر وہ دن عید کا دن ہے کہ جس میں بندہ خدا کی عصیان ونافرمانی نہ کرے یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم عید کا دن خدا کی عصیان ونافرمانی میں گزار دیں اور ہمیں اس کا تقرب ورحمتیں حاصل ہو جائیں۔ بادشاہان ساسان جو قبل از اسلام ایران میں حاکم تھے وہ اپنی رعایا کو اپنے سامنے خاضع رکھنے کیلئے اپنی تخت نشینی اور تاج پوشی کیلئے اس طرح کے مراسم جعل کرتے تھے اور قوم کو ان کاموں میں مصروف رکھتے تھے تاکہ وہ جو ظلم وزیادتیاں کرتے ہیں قوم ان سے بے خبر رہے اور انہیں موضوع گفتگو نہ بنائے وہ اس انسان کو اپنے زیادہ قریب سمجھتے تھے جو ان کے جعل کردہ مراسم میں زیادہ خوشی ومسرت کا مظاہرہ کرے اور وہ اسے مزید تقرب وانعامات سے نوازتے تھے چنانچہ بادشاہان وقت سربراہان مملکت اور دیگر معروف ومقتدر شخصیات کی سرپرستی اور پھر معاشرے میں موجود مختلف طبقات کے اپنے اپنے مفادات اور عوام کی قرآن وسنت وسیرت معصومینؑ سے دوری ان تقریبات ومراسم کو مزید ذوق وشوق سے جاری وساری رکھنے میں مدد ومعاون ثابت ہوئی کیونکہ غربت وافلاس سے مسائل وپریشانیوں میں آئے دن اضافہ ہوتا گیا اور پھر قرآن وسنت وسیرت وتعلیماتِ معصومینؑ سے ناآشنائی وبے رغبتی نے ممکنہ سکون واطمینان کے تمام دروازوں کو بند کر دیا تو وہ اچھے اچھے کھانوں' نئے اور چمکتے لباس' سیر وسیاحت' میل ملاپ'

فضول گپ شپ اور عرس ومیلے' تہواروں اور اسی طرح کے دیگر مراسم میں وقت گزارنے اور پیروں کو شیرینی دینے اور انکے مزاروں پر مال ودولت لٹانے کو باعث سکون واطمینان اور ذریعہ نجات سمجھنے لگے اور عارضی خوشیوں پر جان نچھاور کرنے لگے جسکے نتیجے میں مذکورہ مراسم جڑ پکڑنے لگیں لہٰذا تاریخ اسلام میں عید کے نام سے ایسا کوئی مظاہرہ نہیں۔ حضرات حسنینؑ کیلئے عید پر جنت سے نئے لباس آنے کی جو کہانی بعض خطیب ومقرر حضرات بیان کرتے ہیں اور اسکی ابتداء اس انداز میں کرتے ہیں کہ خاتون جنت صدیقہ طاہرہؑ نے بچوں کو مطمئن کرنے کیلئے ان سے ویسے ہی کہہ دیا کہ آپ کے لباس سینے کیلئے درزی کو دئے ہوئے ہیں یہ کہانی چندین لحاظ سے غلط اور بے بنیاد اور جھوٹ پر مبنی ہے۔

۱۔ حضرات حسنینؑ کی پرورش آغوش پیغمبرؐ وعلیؑ وفاطمہ زہرا سلام اللہ علیہ میں ہوئی لہٰذا ایسی تربیت کے بعد یہ ممکن نہیں کہ حضرات حسنینؑ عید پر نئے لباس کیلئے پریشان ومضطرب ہوں یا نیا لباس ان کیلئے باعث سکون واطمینان ہو اور وہ اس کیلئے ضد کریں۔
۲۔ معصوم ہستیاں کسی بھی حال میں جھوٹ نہیں بول سکتی لہٰذا کیسے ممکن ہے کہ صدیقہ طاہرہ خاتون جنت سلام اللہ علیہ درزی کو لباس نہ دینے کے باوجود ایسے کہہ دیں۔
۳۔ معصوم ہستیاں ہمارے لئے نمونہ عمل ہیں۔ وہ کوئی ایسا عمل نہیں کرسکتیں کہ جن پر عمل نہ ہوسکے۔
۴۔ یہ ہماری عادت ہے کہ ہم اپنے بچوں کو مطمئن کرنے کیلئے ایسی جھوٹی باتیں کرتے ہیں۔ معصوم ہستیاں ایسا نہیں کرتیں۔
۵۔ اپنی عادات کو معصوم ہستیوں پر لاگو نہ کریں بلکہ انکے راستے پر چلنے کی سعی کریں۔
۶۔ یہ انکی شان نہیں کہ جس بات کا وجود ہی نہ ہو اسکا سہارا لے کر کسی کو مطمئن کریں۔ کیونکہ آیہ تطہیر وآیہ مباہلہ ان کی صداقت کی دلیل ہیں۔
۷۔ انھیں اچھے اور نئے لباس نہ ملنے پر پریشان اور نئے لباس ملنے پر مسرت وشاداب دکھانا دراصل انکی عظمت وفضیلت کو گرانے کی کوشش ہے۔ کیونکہ حضرات حسنین عام بچے

نہیں اور نہ ہی صدیقہ طاہرہؑ عام خاتون ہیں کہ نئے لباس ہی ان کے سکون واطمینان کا باعث بنیں، اور نہ ہی وہ مادی سوچ کے حامل تھے کہ مادی چیزوں کے چلے جانے کے باعث غمگین ہوں۔

۸۔ معصوم ہستیوں کی تو شان یہ ہے کہ وہ فقر وفاقہ اور غربت وافلاس سے قطعاً پریشان نہیں ہوتے کیونکہ ہر عمر میں ان کی نظر اعلیٰ ترین اھداف پر ہوتی ہے اور وہ انھی اھداف کے حصول کیلئے کوشش کرتے ہیں۔

۹۔ مادی چیزوں کیلئے پریشان ہونا اور ان کے حصول میں ہر قانون وضابطہ کو توڑنا ہماری عادت تو ہو سکتی ہے معصوم ایسا نہیں کرتے۔

۱۰۔ یہ ایک باطل کہانی ہے اور باطل کو حق کا لبادہ اوڑھنے اور جھوٹ کو سچ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ معصومین علیہ سلام کی سیرت پاک پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اس قسم کی کوئی مثال یا نمونہ نہیں ملتا۔ یہ باتیں یا تو سینہ بہ سینہ رواج دینے والوں کی اختراع ہو سکتی ہیں یا مقررین کے خطابات کا مجموعہ ہیں۔ ورنہ قدیم کتب تاریخ میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔

اگر آج اہل ایران اس طرح کے کسی تہوار کو بطور عید بڑی دھوم دھام اور آب وتاب سے مناتے ہیں تو ممکن ہے کہ وہاں بھی بعض وجوہات کی بناء پر یہ رسم جڑ پکڑ چکی ہو اور انہوں نے غیر منطقی طور پر اسے اپنی ضرورت بنا لیا ہو۔ دونوں صورتوں میں یہ بات پوری ملت اسلامیہ اور عالم تشیع کے لئے کوئی سنت نہیں بن سکتی بلکہ یہ ان کے لیے حسن واستحباب بھی نہیں ہے کیونکہ اس کی کہیں سے بھی کوئی سند نہیں ملتی۔ حتی وہ جو کہتے ہیں کہ اس سے طبعیت میں شگوفائی آتی ہے، یہ بھی ایک غلط اور فرسودہ بات ہے کیونکہ پوری دنیا میں بیک وقت طبعیت میں شگوفائی نہیں آسکتی بلکہ طبعیت میں شگوفائی کے لحاظ سے دنیا بھر میں ہر علاقہ دوسرے علاقے سے مختلف ہے۔

اگر عید کا کوئی ایسا تصور موجود ہے کہ جس میں انسان کو کسی نہ کسی حد تک خوشی وانبساط

کا مظاہرہ کرنا چاہیے تب بھی اسے سلسلے میں جس سنت کو تقویت ودوام بخشا گیا ہے اور جن مراسم کے جال میں امت اسلامیہ اور وطن عزیز کے مسلمان پھنسے ہوئے ہیں ان کی وجہ سے دس بیس فیصد افراد ہی عید کی خوشیوں کو اپنی مرضی وپسند اور دل بخواہ طریقے سے منا سکتے ہیں۔ اور پچاس فیصد افراد انتہائی زحمت ومشقت کے باوجود قرض کے بوجھ تلے دب کر عید کی خوشیوں میں شامل ہوتے ہیں اور وہ بھی معمولی حد تک جبکہ تیس فیصد آبادی ان بے بس ولاچار افراد پر مشتمل ہے کہ جو تمام عیدوں پر کسی بھی قسم کی خوشی ومسرت حاصل کرنے سے بالکل محروم رہتے ہیں۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ مسلم معاشرے کے صاحب ثروت حضرات اور کسی نہ کسی حد تک عید کی خوشیوں میں حصہ لے سکنے کی اہلیت رکھنے والے مومن ومسلمان دوسروں سے ظلم وزیادتی اور ناانصافی روا رکھنے کے عادی ہو گئے ہیں وہ کشتی اسلام کو سلامتی اور تحفظ کے ساتھ جانب منزل رواں دواں رکھنے کے لیے نظام خمس وزکوۃ کو لاگو کرنے پر قطعاً توجہ نہیں دیتے اور جنکے ہاتھوں میں یہ نظام ہے انکی اکثریت خرد برد سے باز نہیں آتی۔

بحیثیت مسلم قوم اکثر مسلمان محتاج وضرورت مندوں کی مظلومیت اور بے بسی پر پریشان نہیں ہوتے انکی بے حسی اپنی انتہا کو چھو رہی ہے اور وہ مفاد پرستانہ اور خودغرضانہ زندگی میں مستغرق ہیں افراد تو درکنار یہ اپنے سامنے کشتی اسلام کو ڈوبتے دیکھ رہے ہیں اور بالکل ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ استغاثہ اسلام اور صدائے قرآن وشریعت پر لبیک کہنے اور حقوق العباد کی ادائیگی کے سلسلے میں یہ مجرمانہ غفلت کا شکار ہیں اور محض اپنی خوشیوں میں ڈوبنے اور اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ میں دن رات رسمی یا دکھلاوے کے بعض نیک کام کرنے اور سالانہ آمدن اور اپنی مجموعی مالیت کا ایک فیصد یا ایک فیصد کا پچاسواں حصہ دین یا رسم ورواج پر لگا کر یہ اس غرور وتکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ شاید ایک غیر اسلامی معاشرے کو رواج دینے والے ماحول میں بس وہ ہی ہیں جنکی وجہ سے اسلام کسی نہ کسی حد تک زندہ ہے حالانکہ یہی وہ لوگ ہیں جو غلبہ اسلام میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں اور انہی کی وجہ سے امت مسلمہ ظلم و تشدد اور بے بسی کا شکار ہے۔ یہ اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے اور ہر برائی کو رواج واستحکام

بخشنے میں پیش پیش ہیں۔ یہ جسے خوشحال زندگی تصور کرتے ہیں وہ حقیقت میں بدترین موت ہے۔ نہ جانے کس بنیاد پر یہ عید کی خوشیاں مناتے ہیں۔قرآن وشریعت اورسنت وسیرت و تعلیمات معصومینؑ پرعمل نہ کرنے اوران کے اجراء ونفاذ کی کوششوں سے دور بھاگنے والوں کو اسلام کے نام پرخوشیاں منانا زیب نہیں دیتا عید منانے کے طریقہ کارسمیت ان کے تقریبا سبھی کام ایک تو احکام تعلیمات قرآن ومعصومین کی مخالفت پرمبنی ہوتے ہیں، دوسرے ان میں نمود ونمائش کے ساتھ ساتھ تعیش پسندی کا عنصر بھی غالب ہوتا ہے اور تیسری بات یہ کہ یہ لوگ قرآن کریم میں مال و دولت کے خرچ کے طور طریقوں اوراسراف وتعیش پسندی کی مذمت میں وارد آیات کی اپنے عمل سے مخالفت کرتے ہیں۔

آیا فی زمانہ خوشی ومسرت روح کی ہے یا جسم کی۔اگر خوشی جسم کی ہے جیسا کہ زیادہ ترافراد جسمانی خوشیوں کے پیچھے دیوانے ہوئے جارہے ہیں تو پھر جنھیں کھانے میں لذیز و مرغن اور پسندیدہ چیزیں ملتی ہیں، یہ خوشیاں صرف انہی کے لئے ہیں اور وہ خوشیاں منائیں مگر جونمود ونمائش کی خاطر قرض اور ادھار لیکران کھانوں کا اہتمام کرتے ہیں اور سود ورشوت، ناجائز منافع خوری، چرس شراب کا کاروبار کرکے یا دیگر حرام ذرائع سے عید کی خوشیوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ یا حرام ذرائع سے حاصل شدہ آمدنی سے مساجد وامام بارگاہوں پر مال و دولت خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے سامنے نیک بن سکیں۔نص قرآنی کے تحت یہ سب اپنے پیٹ میں آگ کی چنگاریاں ڈالتے ہیں اوراپنے جسم کے ساتھ انصاف نہیں کرتے جہاں تک روح اسلام کا تقاضا ہے تو انھیں چاہیے کہ یہ غفلت ومدہوشی کی نیند سے بیدار ہوں تاکہ انھیں نظر آئے کہ اسلام اورامت مسلمہ اس وقت کفروشرک کے تباہ کن مظالم کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔اور جنگ احزاب کی مانند کل کفر کل ایمان کونیست ونابود کرنے کی خاطر میدان جنگ میں اتر کر اسلام ومسلمین سے نبرد آزما ہو چکا ہے وہ لوگ اپنے تمام اختلافات بھلا کر اسلام ومسلمین کومغلوب بنانے کے مشکل ترین کام میں مصروف عمل ہیں جبکہ مسلمانوں نے اسی ایک خوشی کے حصول پر تمام تر توجہ مرکوز کررکھی ہے۔کفار ومشرکین اس جنگ میں تمام

روایتی اور غیر روایتی ہتھیاروں سے مسلح ہیں اور مسلمان ان کے مقابل ہوتے ہوئے ہر طاقت وقدرت سے غیر مسلح ہیں۔لہٰذا ہر مسلمان کی غیرت وحمیت کا تقاضہ ہے کہ وہ عید کے لیے نئے وخوبصورت لباس، پسندیدہ کھانوں اورخوشیاں منانے پر اپنی توجہ مرکوز نہ کریں بلکہ اسلام قرآن وسنت اورتعلیمات معصومینؑ میں جن جن ذمہ داریوں کا حکم دیا گیا ہے اس کا بار اٹھانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوں اورآخرت میں سرخرو ہونے کی کوشش کریں۔

تقویم اسلامی

وقت شماری کے دو تصور ہیں: وقت شماری وقت کا حساب کرنا ہے وقت ایک سیار ومتحرک حقیقت ہے اس میں کسی بھی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔بطور مثال دن میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں مہینہ ہمیشہ ۲۹،۳۰ دن کا ہوتا ہے۔دنیا بھر کی تقاویم میں نہ اس شمار سے کم ہے اور نہ ہی زیادہ۔ شمسی حساب سے سال کے ۳۶۵ دن ہوتے ہیں اور قمری سال ۳۵۴ دن کا ہوتا ہے لہٰذا ان معنوں میں وقت شماری میں کسی قسم کے شک وشبہ اور تردد کی گنجائش نہیں۔ سب کو پتہ ہے کہ مہینہ اتنے دنوں کا ہوتا ہے اور دن اتنے گھنٹوں کا۔

وقت شماری کا دوسرا تصور یہ ہے کہ مثلاً انسان یہ سوچ کہ اسکی عمر کے کتنے دن باقی رہ گئے ہیں کب تک زندہ رہے گا کب مرے گا۔ان امور کے اوقات کا حساب لگانا دنیا میں نہ کسی نابغہ ءروزگار کے لیے ممکن ہے اور نہ کسی ریاضی دان کیلئے نہ ہی دنیا کی جدید ترین ٹیکنالوجی اور کمپیوٹرائز آلوں سے اس کا حساب لگانا ممکن ہے قدیم دور سے دور حاضر تک علماء ودانش نے مقام ومنصب' مال' زمین وگُرات پر قبضہ جمایا ہے لیکن تمام وسائل کے باوجود وقت پر قبضہ نہ کرسکا۔

علماء نے انسان کے لیے وقت کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اس سلسلہ میں آئمہ معصومینؑ کی طرف سے بہت سے گرانقدر کلمات وارد ہوئے ہیں امیر المومنین علیؑ کے کلمات قصار سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں:

۱۔ق، ۳۴۶۱: ”تمہارا ماضی گزر چکا ہے آئندہ مبہم ہے (معلوم نہیں) لہٰذا

موجودہ وقت کو غنیمت سمجھو۔''

۲۔ق ۱۲۰۰: ''گزشتہ کے بارے میں مشغول ہونا وقت کو ضائع کرنا ہے۔تمہارا ماضی گزر گیا، مستقبل آرزو ہے جو کام کر رہے ہو وہی تمہارا ہے۔''

۳۔ق ۳۴۳۱: ''تمہاری عمر اسی وقت تک ہے جسمیں تم اسوقت ہو۔''

۴۔ق ۸۷۹۵: ''جس نے اپنے وقت کو ٹال دیا یقین کرو وقت اسکے ہاتھ سے گیا۔''

ہر وقت اور لحظہ، گزر جانے والا ہے لہٰذا انسان بلکہ نابغہ روزگار ہستیاں بھی نہیں کہہ سکتیں کتنے کام کیلئے کتنا وقت ان کے پاس باقی بچا ہے اور وہ خود کب تک باقی ہیں۔ لہٰذا ہر وہ قوم ہر وہ فرد جس نے انسان کو کسی قوم کو کام سے روکنے کی کوشش کی یا اس میں سستی سے کام لیا یا تاخیر کرنے کی دعوت دی یا اس کے جذبہ حرارت کو کم کرنے کی کوشش کی تو ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا۔

خداوند متعال نے بھی اپنی کتاب میں ہر چیز سے زیادہ وقت سے استفادہ کرنے کی دعوت دی ہے اور اس میں بھی جلدی کرنے کی اور دوسروں پر سبقت حاصل کرنے کی شدت سے تاکید کی ہے مثلاً سورۂ آل عمران آیت ۱۳۳ میں سرعت اور جلدی کرنے کی ہدایت کی ہے:

﴿وسارعوا الیٰ مغفرۃٍ من ربکم و جنۃٍ﴾ ''اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جانے میں سبقت لو''

جبکہ اسی سورہ کی آیت ۱۱۴ سورۂ انبیاء کی آیت ۹۰ میں مومنین کی صفت بیان کی ہے:

﴿یؤمنون باللّٰہ والیوم الاخر ویامرون بالغیب وینھون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات و اولٰئک من الصلحین﴾ ''وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے' نیک کاموں کا حکم دیتے' برائیوں سے روکتے اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں'' (آل عمران/۱۱۴)

سورۂ حدید آیت ۲۱ میں کار خیر کرنے میں دوسروں سے پہل کرنے کی تاکید آئی ہے:

﴿سابقوا الیٰ مغفرۃٍ من ربکم و جنۃٍ عرضھا کعرض السمآء والارض﴾ ''ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جتنی ہے''

اور بھی بہت سی آیات اس سلسلہ میں موجود ہیں۔ درج بالا چند آیات صرف حوالے کے لیے پیش کی گئی ہیں۔ لہٰذا جو انسان ایک گھنٹہ کے لیے معقول عمل اور کام سے منصرف یا دور رہے گا تو گویا وہ شخص آیات قرآنی کے تحت اتنی دیر لہو میں رہا۔ لہو کے معنی دین و دنیا کی بہتری و بھلائی کی سرگرمیوں سے غیر متوجہ ہونا ہے۔

تقویم عملی کا دوسرا مفہوم کام شماری ہے ہر انسان کے پاس بے شمار کام و عمل انجام دینے کے لیے ہیں کام کی کثرت کی تعبیر کرتے ہوئے بعض کہتے ہیں ''ہمیں مرنے کی بھی فرصت نہیں''۔ غرض وقت اتنا محدود ہے اور کام اسقدر زیادہ ہیں قانون تنظیم کے تحت قلت سے کثرت کو تقسیم کیا جاتا ہے نہ کہ کثرت سے قلت کو۔ لہٰذا کام کو مختلف زاویوں سے تقسیم کرنا چاہیے پھر جو وقت میسر ہو اسی لحاظ سے کام معین کرنا چاہیے ہر کام کے لیے وقت ملنا ناممکن ہے لیکن بعض انسان حقائق سے اتنے دور ہیں کہ وقت کی اس انتہائی محدودیت اور کام کی اس قدر کثرت کے باوجود اپنے وقت کو فضول اور بیکار باتوں میں ضائع کرتے ہیں بیکار وقت گزارنے والوں کی مذمت میں مولائے کائنات حضرت امیر المومنینؑ نے کلمہ نمبر ۵۲۹۷ میں فرمایا: ''وقت کو ضائع کرنا بدترین عمل ہے اگر کوئی شخص اپنے کام کو تاخیر سے کرے یا ٹال دے تو یقیناً وہ وقت اس کے ہاتھ سے چلا جائے گا''۔

ق ۸۷۹۵ میں فرماتے ہیں: ''اوقات دنیا کتنے ہی لمبے ہوں کم ہیں اس سے فائدہ اٹھانا تمہارا وقت اور تمہاری عمر کا خیر ہے اس کو خرچ نہ کرو مگر اس کام میں جس میں تمہاری نجات ہے''

ق ۲۴۴۵ میں فرماتے ہیں: ''ایک وقت اپنے اور اپنے خدا کے درمیان کے

کاموں کے لیے دؤ

غرض انسان کے پاس وقت بہت کم اور کام بہت زیادہ ہین اس محدود وقت میں تمام کاموں کے لیے وقت نکالنا ممکن نہیں ہے۔

دنیا میں میاں بیوی، باپ بیٹے، افسر و ماتحت، وزیراعظم و کابینہ اور حکومت اور رعیت کام لینے والے اور کام انجام دینے والوں کے درمیان اختلاف کی جڑ ہی یہ بات ہے کہ کس کام کو مقدم کریں اور کس کو موخر کریں کس کام کو زیادہ وقت دیں کس کو کم۔ بہرحال اس بحث میں وقت کو کام کے لیے تقسیم کرنا ناممکن ہے کیونکہ وقت کم ہے اور کام زیادہ اور کام کو وقت پر تقسیم کرنا ناممکن کیونکہ کام کی کثرت وقت کی ظرفیت سے زیادہ ہے لہٰذا معقولیت اس میں ہے کہ پہلے کام کو مشخص کیا جائے کہ کس کام کو کرنا چاہیے اور کس کام کو نہیں، کس کام کو پہلی فرصت میں انجام دینا چاہیے اور کس کو فرصت کے اوقات کے لیے چھوڑ رکھنا چاہیے اسی طرح خود کاموں کے درمیان ترجیحات متعین کرنا چاہیے، کاموں میں باہم ترجیحات قائم کرنے کیلئے بھی کسوٹی کی ضرورت ہے اگر میعار و کسوٹی نہ ہوتو انسان حیران و سرگرداں ہی رہیگا۔

۱۔کام کی قدر و قیمت:

جس کام کا فائدہ زیادہ ہو اس سے بے نیازی ناممکن ہے جس کی ضرورت کا سب کو اعتراف ہو یا جس کی ضرورت سب کے نزدیک ناگزیر ہو، اس کام کو دوسرے کاموں پر ترجیح دینا چاہیے، اس اصول پر عمل کرنے سے ایک کام کا دوسرے سے تزاحم و ٹکراؤ ختم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ شریعت میں بھی اسی قائدہ کے تحت واجب انجام دیتے وقت مستحب عمل سے منع کیا گیا ہے واجب چھوڑ کر مستحب انجام دینے والوں کی مذمت کی گئی ہے حتی کہ ایک ایسا کام کہ جس کے کرنے سے واجب کام کو کسی بھی زاویے سے نقصان پہنچتا ہو منع کیا گیا ہے جیسے حج واجب کے بجائے عمرہ بجالانا حج کو ترک کر کے ہر سال زیارت کے لیے جانے والے بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں۔

۲۔کام لینے والا:

آپ سے کام لینے والا کون ہے؟ یعنی کام کے بارے میں باز پرس کرنے والا کون ہے؟ ایک مرحلہ میں کام کی باز پرس کرنے والا انسان ہے دوسرے مرحلہ میں کام کی باز پرس کرنیوالا خدا ہے انسان کی باز پرس کو مقدم رکھتے ہوئے مخلوق کی اطاعت اور خالق کی نافرمانی کرنا ایک غلط عمل ہے چنانچہ روایات میں آیا ہے کسی مخلوق کی ایسی اطاعت جو معصیت خدا کا سبب بنے جائز نہیں۔

یہاں بھی بعض لوگ یہ غلط منطق پیش کرتے ہیں کہ خدا تو بخشنے والا ہے لیکن یہ انسان معاف نہیں کرے گا۔ یہ عذر ایک غلط مفروضہ پر قائم ہے وہ خدا جس نے اپنی مخلوق کو ہمیشہ خالق کے مقابلہ میں کسی اور معبود و مطاع قرار دینے سے منع کیا ہے وہ کیونکر کسی مخلوق کی اطاعت کرنے اور اپنی اطاعت چھوڑنے والے کو بخشے گا، اگر اس مفروضہ کو مان لیا جائے تو دنیا میں طاغوت کی اطاعت کرنے والے تمام لوگوں کو ناجی ہونا چاہیے۔

۳۔عمل دنیوی واخروی:

عمل اور کام کی جزا دو جگہ ملتی ہے ایک اس دنیا میں اور ایک آخرت میں پس جو شخص آخرت کے فائدہ کو چھوڑ کر دنیوی فائدہ کو مقدم رکھتا ہے وہ دراصل کسی دوسرے کے لیے ذخیرہ اندوزی کرتا ہے کیونکہ جو کام اس نے آخرت کے لیے کیا ہے اس کا فائدہ تو خود اس کو ملتا ہے مگر وہ عمل جس کا فائدہ اس دنیا میں ملتا ہے عین ممکن ہے فائدہ ملتے ہی وہ مرجائے اور اس کے ورثاء اس کا فائدہ اٹھائیں اور کچھ نہیں کہہ سکتے کیا ہو، ممکن ہے وہ جنت خریدیں یا پھر اسی فائدہ کو استعمال کر کے جہنم کو اپنا ٹھکانا بنائیں۔

تقویم اسلامی

اسلام تقویم کے معاملہ میں کسی دوسرے کی تقویم کا نہ تابع ہے نہ اسکو اپنانے میں اس کی کوئی ترجیحات ہیں۔ ہمیں اس بات پر ناز ہے اور اپنے لئے اعزاز افتخار سمجھتے ہیں کہ

مزاج شریعت اسلامی اور آیات و روایات کے نصوص کے مطابق اسلام دیگر چیزوں کی مانند تقویم میں بھی جداگانہ استقلال رکھتا ہے اس بات کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے شریعت اسلامی کے مزاج کو ملاحظہ کریں:

ثقافتی خودمختاری

ان کلمات سے کون سا انسان ناآشنا ہوگا لیکن استقلال، آزادی اور خودمختاری کا تقدس اس حد تک جا پہنچا ہے کہ انسان باغی، سرکش، انفرادیت پسند، غرض کہ ہرج و مرج اور حیوانیت کی سرحدوں میں داخل ہوگیا ہے ایسا کیوں ہوا؟ دراصل یہ سب آزادی، استقلال اور خودمختاری کی حدود، درجات، خصوصیات اور امتیازات کے نام معلوم نہ ہونے اور اسکی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے ہوا اگرچہ بعض مواقع پر یہی چیز اتنی بے بہا اور گراں قدر ہو جاتی ہے کہ جان دے کر بھی خریدنا پڑے تو سودا مہنگا نہیں۔

تاریخ میں آزادی کی خاطر اب تک نہ جانے کتنے لوگوں نے جان دی ہے یہ اور بات ہے کہ کس کی آزادی کیلئے کس نے جان دی اور اس جان کی قیمت اسے کہاں ملے گی؟

استقلال و آزادی اور خودمختاری میں درج ذیل تین چیزیں انتہائی بنیادی اہمیت کی حامل ہیں جو ایک دوسرے کی معاون و مددگار ہیں کسی ایک کا حصول دوسرے کے لئے موقع فراہم کرتا ہے اور راہ ہموار کرتا ہے:

۱۔ استقلال سیاسی:

وہ قومیں خودمختار و آزاد ہیں جو اپنے ملک کی تقدیر کا فیصلہ خود کرتی ہیں جنکے سربراہ اپنے ہوتے ہیں ملک کا دستور و قانون کسی اور کے ایماء اور اشارے پر نہیں بنتا بلکہ خود اپنا ہوتا ہے اگر ایسا ہے تو اسے استقلال سیاسی کہیں گے۔

۲۔ استقلال اقتصادی:

اقتصادی استقلال آزادی یہ ہے کہ کسی ملک و قوم کی ضروریات دوسرے ملکوں سے وابستہ نہ

ہوں اور وہ کسی اور کے رحم و کرم پر نہ ہو گرچہ یہ مقصد قناعت و کفایت شعاری سے ہی کیوں نہ حاصل کرنا پڑے۔ کفایت و قناعت کے ذریعہ حاصل کیا ہوا استقلال چاہیے گھریلو بنیاد پر ہو چاہیے ملکی بنیاد پر، عیش و نوش کے مقابلے میں بڑی لذت رکھتا ہے۔

۳۔ استقلال اجتماعی:

استقلال اجتماعی ایک فکر و مذہب کے افراد کا ایک ساتھ مستقل طور پر رہن سہن، دینی مراسم اور عبادات انجام دینے میں بہت معاون ثابت ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں مستقل اسلامی معاشرہ ایک عنایت خداندی ہے ہمیں اپنے دینی مراسم میں غیر مسلموں کے چیلنج کا سامنا نہیں ہے اگرچہ دوسروں کے ایما و اشارے پر اس فضاء کو ناہموار اور مکدر بنانے کی وقتاً فوقتاً کوشش ہوتی رہتی ہے ہمارے خیال میں ان مذموم کوششوں کے باوجود ابھی تک اسلام عزیز کو کوئی چیلنج درپیش نہیں ہے اسی لئے ابھی تک تمام فرقے زندہ ہیں۔ جس دن خدانخواستہ اسلام کو خطرہ درپیش ہوگا سب فرقوں کی موت آئے گی اور اس دن یہ نعمت خدا ہم سے چھن جائے گی۔

۴۔ استقلال فکری و ثقافتی:

کسی قوم و مذہب کا اس وقت بول بالا ہوتا ہے اور وہ قوم سرخرو یعنی قابل عزت و احترام سمجھی جاتی ہے جب اسکی ثقافت خود اپنی ہو یعنی وہ کسی دوسرے مذہب یا ملک کی ثقافت کو اپنائے ہوئے نہ ہو۔ ممکن ہے کہ بعض ترقی یافتہ ممالک سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی کے باوجود اپنے فکری اور ثقافتی استقلال کو بھی محفوظ رکھے ہوئے ہوں یعنی ٹیکنالوجی اور علوم و فنون کو تو انہوں نے دیگر اقوام سے حاصل کیا ہو لیکن فکر و ثقافت ان کی اپنی ہو۔ بعض ممالک اقتصاد، اجتماع اور سیاست میں تو حقیر نظر آتے ہیں اس میں دوسروں کے تابع ہیں اور استقلال نہیں رکھتے لیکن اسکے باوجود انہوں نے اپنی ثقافت کو نہیں چھوڑا مثال کے طور پر کئی ایسے عرب ممالک ہیں جو نئے دور کے مطابق تمدن و ترقی میں ابھی تک اپنی جگہ نہیں بنا سکے

اگر چہ دیگر معاملات میں وہ دوسروں پر انحصار کرتے ہیں لیکن اپنی ثقافت کے ساتھ وابستہ ہیں ان کے برعکس بعض ممالک ایسے بھی ہیں جو نہ صرف غیروں کی ثقافت کے تابع ہیں بلکہ اس ثقافت کو اپنانے میں فخر واعزاز محسوس کرتے ہیں۔

اگر چہ سیاسی واقتصادی استقلال ،فکری اور ثقافتی استقلال کو فروغ دیتا ہے لیکن جس قوم کی فکری ثقافت ختم ہوجائے اور اسکی اپنی کوئی ثقافت نہ رہے وہاں اصلاح کی توقع کرنا بے سود ہوگا ہم اس سلسلے میں مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتے لیکن حیرت وافسوس تو ملک کے ان حلقوں پر ہے جو دین سے وابستہ سمجھے جاتے ہیں۔ بلکہ بزعم خود تو شاید وہ سمجھتے ہیں کہ گویا وہ اسلام سے وابستہ نہیں بلکہ اسلام ان سے وابستہ ہے حالانکہ یہ مقام ومرتبہ تو صرف پیغمبرؐ اور آئمہؑ ہی کو حاصل ہوسکتا ہے لیکن اس فکر کے ہوتے ہوئے بھی اور سالہا سال گزرنے کے باوجود ان ہستیوں سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ یہ اپنی تاریخ وثقافت کو بحال کرنے میں کچھ استقلال دکھاتے اور کم از کم دن اور تاریخ جو روزمرہ کی ایک ضرورت ہے کو ہی اسلام کے سانچے میں ڈھال لیتے۔ ہمارے ہاں جو تاریخ رائج ہے وہ بت پرستی، کفر پرستی اور اسلام دشمنی کی نمائندگی کرتی ہے جبکہ دنوں کے نام مختلف بتوں اور دیوی دیوتاؤں سے منسوب ہیں لیکن اتنا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود ان نام نہاد اسلامی حلقوں نے تقویم اسلامی کے مطابق تاریخ رائج کرنے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی ایسے حلقوں سے دین و مذہب کے معاملہ میں اور کیا امید کی جاسکتی ہے؟۔ ہمارے ہاں سیاسی‘ اقتصادی اور دفاعی میدانوں میں استقلال نہ ہونے کا سبب ان شعبوں پر قابض افراد کے نزدیک دین ومذہب اور ملک سے زیادہ عزیز اپنی خواہشات ہیں لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ انسان کی نجی زندگی میں استعمال ہونے والی بودوباش وکلمات تاریخ گذاری میں ہمارے وہ بزرگان جو خود کو اس ملک میں ہراول دستہ سمجھتے ہیں وہ ان کو استعمال کرتے ہوئے احساس حقارت کرکے اس سے گریز کرتے ہیں، بہت سے علماء تاریخ اسلامی کی بجائے تاریخ میلادی لکھتے ہیں۔

تقویم اسلامی

دنیا کی تمام اقوام وملل اپنے سال کا آغاز کسی خاص اہمیت کے حامل دن سے کرتیں ہیں وہ دن یا تو اس قوم کے استقلال وآزادی کا دن ہوتا ہے یا اسکے رہبر کے مسند اقتدار پر بیٹھنے اور اس کی تاج پوشی سے منسوب ہوتا ہے۔

اسلامی تقویم یعنی قرآن اور روایات اسلامی کے تحت مسلمانوں کے لئے اپنی انفرادی ، اجتماعی اور سیاسی سرگرمیوں کیلئے نظام اوقات ،اسلامی تقویم کی پہچان دوسرے تقویموں سے ان دو چیزوں میں ہے:

۱۔ تقویم اسلامی کا آغاز نبیٔ اسلام کے بابرکت ہجرت سے ہوتا ہے اس کے تحت ہماری عمرِ دینی اس وقت چودہ سو چوبیس (۱۴۲۴) سال قمری ہجری گذر چکی ہیں۔

۲۔ دوسری پہچان اسلامی تقویم قرآن اور سنت کی روشنی میں رویئت ہلال سے ہوتی ہے جو اپنی امتیاز ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے یہ نظام صدیوں سے چلا آرہا ہے جبکہ سورۂ توبہ کی آیت ۳۶ کے تحت اسلامی تقویم کا آغاز صدیوں سے نہیں بلکہ آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت سے قائم ہے اور طبیعت سے اخذ شدہ ہے لہٰذا اس کے مہینے فرضی نہیں بلکہ ایک محسوس، مشہور اور روشن حقیقت کے ساتھ مربوط ہیں۔

ایسی حقیقت جسے جاہل ان پڑھ عالم دانشمند سب آسانی سے سمجھ سکتے ہیں یعنی یہ مہینے چاند سے مربوط ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۱۸۹ میں ذکر ہے:

﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ ”لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں کے وقتوں اور حج کے موسم کے لیئے ہے“

آیت کریمہ میں خداوند عالم نے لوگوں کے تمام امور وافعال خواہ فردی ہوں اجتماعی ہوں یا سیاسی سب کا ربط نظام اوقات قمری سے قرار دیا ہے اس حساب سے اسلامی تقویم کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں سورۂ توبہ آیت ۳۶ میں خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿ ان عدۃ الشھود عنداللہ اثناعشر شھر افی کتاب اللہ یوم خلق السموات والارض ﴾

''بے شک مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک کتاب خدا میں اس دن سے بارہ ہے جس دن اس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے''۔

اس آیۂ مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ دیگر رائج تقویم کی طرح اسلامی تقویم میں بھی بارہ مہینے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ دیگر اقوام وملل نے یہ مہینے اپنے حساب سے بنائے ہیں اس لئے کسی مہینہ کو ۳۱ دن اور کسی کو ۲۹، ۲۸ دن کا قرار دیا ہے۔

اس کے برعکس اسلامی تقویم میں اس سلسلے میں دو تصور ملتے ہیں۔

۱۔ حج آغاز سال ہے چنانچہ سورۂ قصص آیت ۲۷ میں حضرت موسیٰ اور حضرت شعیب کے درمیان طے پانے والے معاہدے میں حج کو آغاز سال بتایا گیا ہے لیکن اس آیت کریمہ میں واضح نہیں ہے کہ حج کے اعمال کی ابتداء کا دن آغاز سال ہے یا اختتام عمل حج۔ اگر آغاز حج کو آغاز سال قرار دیں تو اس میں ایک اشتباہ ہے یعنی یہ نویں یا دسویں ذی الحجہ کا دن ہوگا۔ اگر اختتام عمل حج کو بنیاد بنائیں تو آخر ذی الحجہ ہوگا۔

حج یقیناً استقلال اسلام و مسلمین کا مظہر ہے چنانچہ تمام مورخین روایات و سیرت بالاتفاق ہجرت پیغمبر کو اسلامی آغاز سال قرار دیتے ہیں لیکن مہینے کے حوالے سے محرم جو اختتام حج کے فوار بعد آتا ہے کو پہلا مہینہ قرار دیتے ہیں۔ حج بندگان خدا کو خدا کے حضور میں پہنچاتا ہے اور دنیا کی دیگر اقوام وملل کے سامنے یہ مسلمانوں کا مظاہرہ طاقت وقدرت ہے حج میں خصوصا لبیک شعار حجاج ہے اور رمئی جمرات جس سے حج اختتام پذیر ہوتا ہے کفر وطاغوت سے بیزاری اور استقلال کا مظہر ہے۔

۲۔ یوں محرم الحرام سے آغاز سال ہجرت پیغمبرؐ اور حج دونوں سے مربوط ہو جاتا ہے شاید اسی لئے ماہ محرم کو تقویم اسلامی میں آغاز سال قرار دیا گیا ہے اور یوں یہ تقویم قمری

حساب سے ہے۔

تقویم اسلامی اپنے آغاز سال اور مہینوں کے حوالے سے کئی اعتبار سے دوسری تقاویم سے ممتاز ہے اس کا ایک امتیاز تو یہ ہے کہ اس کی بنیاد الٰہی ہے یعنی قرآن کریم کی سورۂ بقرہ آیت ۱۸۹ اور سورۂ توبہ آیت ۳۶ کے تحت ایک سال میں بارہ مہینے ہیں اور وہ بھی قمری:

﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ ''لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں کے وقتوں اور حج کے موسم کے لیئے ہے''

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾ ''مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے' اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے ان میں سے چار حرمت وادب کے ہیں۔ یہی درست دین ہے''

۱۔ نص قرآن کے علاوہ پیغمبر اکرمؐ کے خطبہ حجۃ الوداع کے تحت بھی یہ تقویم الٰہی ہے۔

۲۔ اسلامی تقویم طبیعت سے ہم آہنگ ہے کیونکہ اس کے تحت زمان کی تشکیل میں شامل تمام عناصر یعنی سورج چاند اور زمین تینوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

۳۔ اسلامی تقویم کے مہینوں کے نام بھی طبیعت کے مطابق ہیں، خدا کے نام سے منسوب ہیں یا کسی عبادت الٰہی کے نام سے۔

۴۔ سورۂ کہف کی آیت ۲۵ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے معصوم نے فرمایا یہ ہماری حساب سے ہے کیونکہ ہماری سنہ قمری ہے تمہاری شمسی ہے۔

پس ہم دیکھتے ہیں کہ نظام عبادت میں تو ہم اسلامی تقویم کی پیروی کرتے ہیں لیکن دیگر معاملات زندگی میں غیر اسلامی تقویم کو اپناتے ہیں یہ طرز عمل نہ صرف یہ کہ آیات وروایات اور سیرت معصومینؑ سے مطابقت نہیں رکھتا بلکہ تائید کفر کے مترادف ہے کیونکہ

غیر اسلامی مہینوں کے نام دیوی، دیوتاؤں، بتوں اور طاغوت سے منسوب ہیں اور ان مہینوں کے مطابق اپنے معمولات کو منظّم و مربوط کرنا ان کی یاد آوری کا ذریعہ بنتا ہے۔

تقویم اسلامی کے تمام جزیات اور عناصر جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، طبیعت اور فطرت سے مطابقت اور کامل ہم آہنگی رکھتے ہیں لہٰذا اس کا آغاز سنہ رہتی دنیا تک مسلمانوں کے استقلال کی واضح نشانی ہے اسی طرح اسکے مہینے دیگر قوموں کے مہینوں کی مانند یاد کفر و شرک سے منسوب نہیں بلکہ فطرت طبیعت اقدار انسانیت اور اسلامی بنیادوں سے ماخوذ ہیں قارئین کرام کی افتاد طبع کے لیے ان مہینوں کے نام اسکی وجہ تسمیہ اور ان میں پیش آنے والے کچھ اہم واقعات پیش خدمت ہیں۔

محرم: محرم اسلامی تقویم کا پہلا مہینہ ہے اس مہینے کو محرم کہنے کی توجیہ میں اہل لغت اور اہل تاریخ و سیر تفاسیر قرآن کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اس مہینے میں جنگ و جدال قتل و غارتگری کو ممنوع قرار دیا گیا ہے قرآن کریم نے جن چار مہینوں کو اشہر حرم کہا ہے ان میں ایک محرم ہے حرمت کی تاکید کی وجہ سے اس کو محرم الحرام بھی کہتے ہیں اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں بھی یہ مہینے محترم سمجھے جاتے تھے ان مہینوں میں جنگ و جدال قتل و غارتگری ممنوع تھی حتیٰ کسی سے لڑنا اور کسی کا مارنا بھی حرام سمجھا جاتا تھا۔

صفر: صفر تقویم اسلامی کا دوسرا مہینہ ہے اسے صفر کہنے کی توجیہ میں اہل لغت نے تین احتمالات نقل کیے ہیں۔

۱۔ صفر مادہ صفرہ سے ہے صفرہ زردی کو کہتے ہیں شاید اس مہینے کی نام گزاری کے وقت درختوں کے پتے اور سبزیاں زرد ہوئے ہونگے اس وجہ سے اس مہینے کو صفر کہا ہے صفرہ ایک بیماری کا نام بھی ہے جس میں چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔

۲۔ صَفر صِفر سے لیا ہے صفر کے معنی ہیں زیرو۔ عرب دور جاہلیت میں اشھر حرم کے چار ماہ اپنے گھروں میں محبوس رہتے جونہی محرم کا مہینہ ختم ہو جاتا یہ اپنے گھروں سے نکلتے ان کے گھر خالی ہو جایا کرتے تھے۔

۳۔ صفر مادہ سفر سے لیا ہے۔

دور جاہلیت سے آج تک اس مہینے کو منحوس سمجھا جاتا ہے خصوصاً اس مہینے کے چار بدھ بالخصوص چوتھے بدھ کو حد سے زیادہ منحوس سمجھا جاتا ہے، اس وجہ سے لوگ اس مہینے میں شادی نہیں کرتے، لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا اس پورے مہینے میں نحوست کہاں سے آئی، اگر پیغمبرؐ کی وفات کی وجہ سے منحوس سمجھا جاتا ہے تو صرف وہی دن منحوس ہونا چاہیے تھا نہ کہ تمام مہینہ۔ دوسرا مسلمانوں کی اکثریت آپؐ کی وفات اس مہینے میں نہیں گردانتی۔ تیسری بات پیغمبرؐ کی وفات سے پہلے بھی عرب دور جاہلیت میں اس کو منحوس گردانتے تھے شاید عربوں نے اشھر حرم میں ترمیم کی ہو اور محرم جو کہ اشھر حرم میں ہے اس کی جگہ صفر کو محرم قرار دیئے ہو اور اس وجہ سے اس کو منحوس گردانا ہو۔ ابھی تک خاص کر عورتیں اس مہینے کو منحوس سمجھتی ہیں اس لیے کوئی بھی خوشی کا کام کرنا اس مہینے میں پسند نہیں کرتیں حتیٰ اس مہینے کے چاند کو دیکھنا اور آئینہ دیکھنا بھی منحوس سمجھا جاتا ہے چونکہ اس مہینے میں بہت سے دلخراش اور افسوسناک حوادث وقوع پذیر ہوئے ہیں ہو سکتا ہے اس لئے اسے منحوس سمجھا جاتا ہو۔

ربیع الاول: یہ اسلامی تقویم کا تیسرا مہینہ ہے اس مہینہ کی نام گزاری کرتے وقت درختوں کے پتوں اور سبزیوں کے پھلنے پھولنے اور نمو کرنے کا وقت تھا اس لئے اسے ربیع کہا گیا ہے سال کی چار فصلوں میں سے سردی اور گرمی کی درمیانی مدت میں آنے والی فصل کو ربیع کہتے ہیں۔ ان چاروں فصلوں میں سے ہر فصل کے کم از کم تین مہینے ہوتے ہیں ہر فصل ربیع کی سہ ماہی میں ربیع کے حالات نمایاں طور پر ان دو مہینوں میں نظر آتے ہیں، چونکہ یہ اس فصل کا پہلا مہینہ ہے اس لحاظ سے اس کو ربیع الاول کہتے ہیں۔

ربیع الثانی: یہ اسلامی تقویم کا چوتھا مہینہ ہے اسے ربیع الآخر بھی کہتے ہیں۔

جمادی لاول: جماد جمد سے ہے جمد کسی چیز کے جم جانے کو کہتے ہیں پانی جمنے یا برف باری کے موقع پر آنے والے مہینے کو موسم کے حوالے سے نام گزرای کرتے ہوئے جمادی نام دیا گیا ہے چونکہ سردی کے موسم کے مہینوں میں سے یہ پہلا مہینہ ہے اس وجہ سے

اس کو جمادی الاولیٰ کہتے ہیں۔

جمادی الثانی: یہ تقویم اسلامی کا چھٹا مہینہ ہے۔ یہ مہینہ بھی جمادی الاول کی مانند ہے مسلسل سردی باقی رہنے اور پانی جم جانے کی وجہ سے اس کو جمادی الثانی کہتے ہیں، چونکہ یہ اس موسم کا آخری مہینہ ہے اس حوالے سے اس کو جمادی الآخر بھی کہتے ہیں۔

رجب: رجب تقویم اسلامی میں قمری سال کا ساتواں مہینہ ہے اس مہینے کی کتب احادیث وروایات میں بہت فضلیت وارد ہوئی ہے حدیث میں ہے ''اتقو روا جبکم'' رجب ہیبت وعظمت کو کہتے ہیں۔ ترجیب عربی میں تعظیم کو بھی کہتے ہیں رجب جنت میں موجود ایک نہر کا بھی نام ہے جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔ **مصباح الکفعمی** میں لفظ رجب مفرد اور اسکی جمع ارجاب آیا ہے جیسے سبب کی جمع اسباب۔ زمانہ جاہلیت میں رجب کو مضیرہ بھی کہتے تھے کتاب تاریخ مکہ ومدینہ کے مطابق مکہ کے نزدیک رجب میں ایک بڑا اجتماع ہوا کرتا تھا۔ اس اجتماع کی وجہ سے مشرکین جنگ وجدال نہیں کرتے تھے۔

فریقین کی کتب تفاسیر وروائی میں رجب کو اشہر حرم کا چوتھا اور مفرد منفصل اشہر حرام قرار دیا گیا ہے لیکن یہ مسئلہ بذات خود تحقیق طلب ہے کیونکہ یہ اشہر حرم سے مطابقت نہیں رکھتا۔

اشہر حرم کا فلسفہ اجتماع حج کے لئے آنے، رہنے اور واپس گھروں تک پہنچنے کی ضمانت کی صورت میں ہے جبکہ تنہا ایک مہینہ اجتماع کی اس عمل کیلئے اور آنے جانے کے لئے کافی نہیں ہے ہاں اگر اشہر حرم کی حرمت کی کوئی اور وجہ ہو تو اس صورت میں اس کو اشہر حرم میں قرار دیا جاسکتا ہے یا اگر یہ صرف اہل مکہ کے لئے ہو اور دیگران کیلئے نہیں تو بات سمجھ میں آتی ہے غرض اس مہینے کو اشہر حرام قرار دینے کی وجوہات معلوم کرنے کے لئے علماء ومحققین کی عرق ریزی اور مزید تحقیق درکار ہے بعض روایات کے تحت یہ مہینہ آئمہ کے نام سے منسوب ہے کیونکہ باقی مہینوں کی نسبت اس مہینے میں ولادت وشہادت آئمہ کثرت سے وقوع پذیر ہوئیں

ہیں غرض اس مہینے میں بہت سی مذہبی مناسبات موجود ہیں۔

شعبان: تقویم اسلامی میں شعبان قمری سال کا آٹھواں مہینہ ہے شعبان بروزن مفلان مادہ شعب سے لیا گیا ہے شعب جمع کرنے کو بھی کہتے ہیں اور متفرق کرنے اور اصلاح کو بھی کہتے ہیں علاوہ ازیں شعب تقسیم کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ سورۂ مرسلات آیت ۳۰ میں آیا ہے: ﴿انطلقوا الی ظل ذی ثلث شعب﴾ ''تین شاخوں والے سائے کی طرف چلو'' سورۂ حجرات آیت ۱۳ میں یہ لفظ افتراق کے معنوں میں آیا ہے: ﴿یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر وانثی و جعلنا کم شعربا وقبائل لتعارفوا﴾ ''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمہیں قومیں اور قبیلے بنا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو''۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ ماہ رجب میں اہل مکہ ایک بڑا اجتماع کیا کرتے جسکی وجہ سے وہ جنگ وجدال سے گریز کرتے تھے یعنی دور جاہلیت میں بھی ماہ رجب کو محترم گردانا جاتا تھا لوگ اس مہینہ میں گھروں میں رہتے اور اس کے ختم ہوتے ہی یعنی ماہ شعبان میں متفرق ومنتشر ہو جاتے تھے اس وجہ سے اس مہینے کو شعبان کہتے ہیں۔

یہ مہینہ رسول اللہ سے منسوب ہے آپ نے فرمایا یہ میرا مہینہ ہے اس انتساب کی وجہ تو اہل عرفان ومعرفت ہی بہتر جانتے ہونگے۔ ہمیں اس کی توجیہ میں کوئی بات نظر نہیں آئی سوائے اس کے کہ چونکہ اگلا مہینہ ماہ رمضان ہے جو شہر اللہ ہے جس میں بندگان خدا مہمان خدا ہوتے ہیں اور چونکہ اس مہمانی میں بلانے والے رسول اللہ ہیں آپؐ ہی نے ہمیں مہمان بننے کے آداب سے آگاہ کیا اس لئے یہ مہینہ رسول اللہ سے منسوب ہے گویا یہ مہینہ رمضان کی تیاری کا مہینہ ہے۔

اس مہینے میں بہت سی مذہبی مناسبات وواقعات موجود ہیں لیکن ان میں سے اہم دن اس مہینے کی پندرھویں تاریخ یعنی نیمہ شعبان ہے اس دن زیارت امام حسینؑ کی خاص تاکید ہے نیمہ شعبان میں قبر امام حسینؑ پر جانے' زیارت کرنے اور دعائیں کرنے کے بارے

میں کثیر روایات موجود ہے جبکہ یہ امام زمانؑ کی ولادت با سعادت کا دن بھی ہے اس دن کا بذات خود اہمیت وفضیلت کا حامل ہونا اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس دن کو شب قدر گردانا آیات قرآنی سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ سورۂ قدر میں قرآن کے نزول سے متعلق موجود آیات کی رو سے شب قدر رمضان میں ہے لہٰذا ۱۵ شعبان شب قدر نہیں ہو سکتی البتہ یہ ایک قیمتی شب ضرور ہے جس میں کثرت دعا، زیارت امام حسینؑ اور یاد امام زمان (عج) کی تاکید کی گئی ہے لیکن صد افسوس کہ ہم اسکی بجائے خرافات' فرسودہ اور غیر عقلی وغیر شرعی چیزوں میں خود کو مصروف رکھتے ہیں مثلاً اس کو شب برات کہنا یا عریضہ ڈالنا یہ سب آئمہؑ کی عدم معرفت اور اپنے آپ کو عقل ومنطق سے دور رکھنے، مذہب کو فرسودہ دکھانے کے علاوہ کچھ نہیں ہے اس کے علاوہ اسے شب برات کہنے کی کوئی سند نہیں ملتی ہے اسی طرح دریاؤں میں عریضہ ڈالنے کی رسم بھی خود ساختہ ہے جسکی سند نہ تو روایات میں ہے اور نہ ہی عقلا کے نزدیک اس کی کوئی منطق ہے۔

رمضان: رمضان تقویم اسلامی کے قمری سال کا نواں مہینہ ہے علمائے لغت فرماتے ہیں رمضان مادہ رمضٰی سے لیا گیا ہے رمض گرم پتھر کو کہتے ہیں جس پر پاؤں رکھیں تو جل جائیں بعض نے رمض کو مضمار کے معنوں میں لیا ہے کیونکہ مہینوں کی اسم گزاری کے موقع پر اس مہینہ میں سخت گرمی تھی۔ اسی مناسبت سے اس کا نام رمضان رکھا گیا تھا۔

بعض علماء نے رمضان کو اسمائے حسنہ الٰہی میں سے قرار دیا ہے لہٰذا معصوم فرماتے ہیں یہ نہ کہو کہ رمضان آیا اور رمضان گیا۔ بلکہ لفظ ماہ ساتھ لگا کر کہا کرو ماہ رمضان آیا۔ قمری مہینوں میں تنہا ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے اس کو شہر اللہ کہا گیا ہے ماہ رمضان کی شرافت وفضیلت کے لئے یہی کافی ہے کہ اسے اللہ نے اپنا مہینہ قرار دیا اس مہینے کی فضیلت کیوجہ سے جتنی دعائیں پڑھنے کی سفارش اس مہینے میں کی گئی ہے کسی دوسرے مہینے میں نہیں کی گئی۔

شوال: تقویم اسلامی کا دسواں مہینہ شوال ہے اس مہینے کو شوال کہنے کی توجیہ میں

بیان کیا جاتا ہے جس وقت اس مہینہ کی نام گزرای کی گئی اس زمانے میں سخت گرمی کی وجہ سے جنسی ہیجان پیدا ہو جاتا تھا اونٹ اپنا پاؤں اور دم شدت شہوت سے اوپر اٹھاتے تھے اسی ہیجان کی وجہ سے عرب اس مہینے میں شادی کو کراہت سمجھتے تھے۔

مجمع البحرین میں پیغمبرؐ سے روایت نقل ہے اس مہینے کو شوال اس لئے کہتے ہیں اس میں آمد رمضان کی برکت سے مومنین کے گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔

ذی القعدہ: تقویم اسلامی میں قمری مہینوں کا گیارہواں مہینہ ہے۔ اس مہینے کو ذیقعدہ کہنے کی توجیہ یوں ہے کہ ذی کے معنی ہیں صاحب اور لفظ قعدہ قعود سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں بیٹھے رہنا چونکہ یہ مہینہ اشہر حرام میں سے ہے اس لئے اس مہینے میں جنگ وجدال اور قتل وغارت گری کو حرام قرار دیا گیا ہے لہٰذا ان ایام میں عرب اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے تھے کیونکہ باہر نکلنے کی صورت میں یہ احتمال رہتا تھا کہ کہیں جنگ وغارت گری کا ارتکاب نہ ہو جائے۔

ذی الحجہ: ذی الحجہ قمری مہینوں کا بارھواں اور آخری مہینہ ہے اس مہینے کو حج کی مناسبت سے ذی الحجہ کہتے ہیں کیونکہ اس میں حج خانہ کعبہ ہوتا ہے سابق زمانے میں آغاز سال اور اختتام سال حج بیت اللہ سے ہوا کرتا تھا جس سے حج کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت ابراھیمؑ سے پہلے حج کس مہینے اور کس شکل وصورت میں ہوتا تھا اس کے بارے میں واضح معلومات نہیں البتہ حضرت ابراھیمؑ کے زمانے سے مناسک حج قمری مہینے کے حوالے ہی سے ادا ہوتے آئے ہیں لہٰذا یہ مہینہ حج کی مناسبت سے معروف ہوا۔

اس مہینہ میں وقوع پذیر ہونے والے کچھ اہم واقعات:

۹ تاریخ حسب تعبیر قرآن یوم عرفات اور یوم الحج اکبر ہے (از روئے قرآن سورہ برات آیت ۳ وقوف عرفہ اور ۱۰ ذی الحجہ حج اکبر ہے) ایسا نہیں کہ اگر یہ تاریخ جمعہ کے دن پڑے تو ہی حج اکبر ہوگا یہ دراصل عمرہ کے مقابل ہے (جسے حج اصغر) کہتے ہیں۔

۱۰ تاریخ حج اکبر کا دن ہے اس دن قربانی کیلئے جانور ذبح کئے جاتے ہیں اس وجہ

سے اسے عید الضحیٰ کہتے ہیں الضحیٰ قربانی کرنے کے لئے ہے یہ دن عید عظیم کے نام سے بھی معروف ہے۔

اس دن سرزمین منیٰ کے علاوہ دنیا بھر میں مسلمان اپنے گھروں میں بھی حیوانات ذبح کرتے ہیں یہ قربانی نمونہ اور مثل ہے اس گوسفند کی جو حضرت اسماعیلؑ کے بدلے خدا کی طرف سے آیا تھا اور حضرت ابراھیمؑ کے ہاتھوں ذبح ہوا۔ اس واقعہ کی یاد میں ہر سال تسلسل سے اور اتنی زیادہ تعداد میں تا قیام قیامت اس قربانی کے جاری رہنے کے سبب خدا نے اسے ذبح عظیم سے تعبیر کیا-

استراحت: انسان چونکہ ایک مادی وجود ہے لہٰذا وہ عام مادی طبعی قوانین سے مستثنیٰ نہیں ہے پس دیگر طبیعات، مادیات اور مشینوں کی مانند اسکے وجود کو بھی مسلسل حرکت سے خطرہ لاحق ہوتا ہے جس طرح ایک مشین یا انجن مسلسل چلتے چلتے گرم ہو جاتا ہے اور اسے کارآمد رکھنے کے لئے وقفہ دیا جاتا ہے اسی طرح انسان کو بھی بحکم طبیعت کچھ نہ کچھ وقفہ ملنا چاہئے تاکہ اس کی صحت برقرار رہ سکے۔ کبھی یہ وقفہ چند گھنٹوں کا ہوتا ہے اور کبھی چند دنوں کا۔ وقفہ ہفتہ وار بھی ہوسکتا ہے اور ماہانہ وسالانہ بھی۔ اس بات کا تعین کرنے کے لئے ترجیحات مقرر کرنا پڑیں گی۔

مذہبیات: انسان کی روحانی بالیدگی کے لئے بھی کچھ وقت دینے کی ضرورت ہوتی ہے جسے مذہبیات کہتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ دین و مذہب کیلئے بھی کچھ وقت دینا ضروری ہے۔

دنیا کے تمام ملل و مذاہب کے لوگ اپنے دن، ہفتہ اور سال کا کچھ حصہ اپنے دین کیلئے مختص کرتے ہیں چنانچہ آئمہ سے وارد روایات میں ہے اپنے وقت کا ایک حصہ کام کیلئے مختص کرو ایک حصہ استراحت کیلئے اور ایک حصہ اپنے دین اور خدا کے لئے۔ استراحت اور دین سے متعلق کاموں کے لئے مختص وقت کو لوگ چھٹی یا تعطیل سے مربوط کرتے ہیں کبھی یہ چھٹی چند گھنٹوں کی ہوتی ہے اور کبھی چند دنوں یا مہینوں کی چونکہ گھنٹوں کی چھٹی کیلئے بشر میں

کوئی اختلاف نہیں ہے لہٰذا اسپر گفتگو کی ضرورت نہیں۔

پہلا مفروضہ

پیر، منگل، بدھ، جمعرات ان چار دنوں میں سے کوئی ایک دن اپنی مرضی کے مطابق انتخاب کر سکتے ہیں اس معاملہ میں خود مختار ہیں اور اس کے بارے میں کوئی توجیہ نہیں طلب کریں گے کہ ایسا کیوں کیا۔ یہ مفروضہ دو لحاظ سے غلط ہے ایک تو انسان کا ہر فعل توجیہ طلب ہے کسی بھی فعل کی اگر توجیہ وعلت بیان نہ ہو تو وہ عبث قرار دیا جاتا ہے اور اس کے فاعل کو احمق کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف ہفتہ اور اتوار کو چھٹی منانے والوں کے پاس اپنے اس عمل کا جواز توجیہ موجود ہے لیکن کیا آپ اس سلسلہ میں کوئی منطق نہیں رکھتے کیا آپ کے پاس کوئی دلیل و برہان نہیں ہے؟ یقیناً ہے لہٰذا مسلمانوں کے نقطہ نظر سے یہ مفروضہ غلط ہے۔

دوسرا مفروضہ

ہفتہ کے دن چھٹی منائیں مگر ہفتہ کے دن تو یہودی عید مناتے اور چھٹی کرتے ہیں وہ اپنی اس چھٹی کے لئے یہ منطق پیش کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے آسمان وزمین کی تخلیق کا عمل اتوار سے شروع کیا ور جمعہ کے دن ختم کیا اور ہفتہ استراحت فرمائی لہٰذا ان کے نزدیک ہفتہ ایک مقدس دن ٹھہرا کیونکہ اس روز خدا کو استراحت کا موقع ملا۔ مگر ہمارے لئے یہ دن دو لحاظ سے مردود ہے پہلی بات تو یہ مفروضہ ہی غلط ہے کیونکہ یہاں دن سے مراد یہ چوبیس گھنٹوں والا دن نہیں ہے دوسرے یہ کہ خدا کو آرام کی ضرورت ہی نہیں، آیۃً قرآن ہے خدا کے لئے سستی اور فتور عارض ہونا ممکن نہیں لہٰذا اس خیال سے اتفاق کرنا قوم یہود کے اس غلط نظریہ کی تائید کرنے کے مترادف ہوگا۔

علاوہ ازیں خداوند متعال نے قرآن کریم میں ایک سے زیادہ مرتبہ مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے یہود تمہارے سخت دشمن ہیں اور یوں بھی کسی معاملہ میں یہود کی پیروی کرنا پیغمبر اکرمؐ کیلئے بہت گراں تھی اس حوالہ سے بھی ہفتہ کی تعطیل صحیح نہیں۔

تیسرا مفروضہ

اتوار کی چھٹی ۔ اتوار مسیحیوں کی چھٹی کا دن ہے یہ عید مسیح ہے کیونکہ مسیحیوں کے خیال میں حضرت مسیح نے خود کو قتل کیلئے پیش کیا، قتل ہونے کے بعد سیدھے جہنم گئے اور اتوار کے دن وہاں سے امت کو بخشوانے کے لئے نکلے یہ فکر بھی درج ذیل وجوہات کے لحاظ سے غلط ہے:

۱۔ قتل مسیح یعنی حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھنا نص قرآن کے خلاف ہے مزید برآں حضرت مسیح کا اس طرح امت پر فدا ہو جانا منطق اور دین و شریعت کے خلاف ہے لہٰذا اس منطق کے تحت اتوار کو چھٹی منانا مسیحیت کی خرافات کی تائید ہوگی۔

۲۔ جس طرح یہود مسلمانوں کے دشمن ہیں اگر چہ مسیحی اس طرح کھلم کھلا دشمنی کا مظاہرہ نہیں کرتے، تاہم دوستی کی آڑ میں ہمارے درمیان کھلے بندوں مسیحیت کی تبلیغ کرتے ہیں جس سے مسیحیوں اور مسیحیت کو تقویت ملتی ہے۔

۳۔ مسیحی اس دن (اتوار) کو اپنی عبادت گاہوں میں جاتے ہیں ہم مسلمان اس روز کہاں جائیں گے؟

۴۔ اتوار کے روز تعطیل کی صورت میں مسیحی اور یہودی ہم سے کہیں گے کہ صحیح فکر اور آئیڈیالوجی تو انکے مذہب کی ہے ہماری تو کوئی تاریخ ہی نہیں ہمارے مذہب میں نہ زمان کی کوئی قید ہے اور نہ انسان کی کوئی قدر، مسلمانوں پر انکا احسان ہے اگر وہ نہ ہوتے تو سرمایہ دار بے گار لے کر ہمیں پیس ڈالتے۔ اس لئے مسلمانوں کو عمر بھر مسیحیوں کا مرہون منت رہنا چاہیے لہٰذا اتوار کی چھٹی اس لحاظ سے بھی صحیح نہیں رہے گی۔

چوتھا مفروضہ

۱۔ فارسی میں ایک محاورہ ہے ’’نان بزخ روزمی خورد‘‘ یعنی وہ ہر دن کی روٹی اسی دن کے بھاؤ کے مطابق کھاتا ہے دوسرے لفظوں میں وہ گھر میں کھانے پینے کی اشیاء نہیں

رکھتا بلکہ روز خریدتا ہے مطلب یہ ہے اسکی فکر وسوچ کسی استقلال کی حامل نہیں ہوتی۔ تاریخ ادیان و مذاہب اور میدان سیاست میں حکمرانوں کے ساتھ کچھ دینی و سیاسی شخصیات ہمیشہ ایسی رہی ہیں جو حکمرانوں کو ان کے حسب ضرورت دینی مسائل پر انکے مصالح کے مطابق آیات خدا کو دشمن کے ہاتھ قلیل میں فروخت کر دیتے ہیں مثلاً جمعہ کے دن کی چھٹی کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام میں چھٹی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے لہٰذا جمعہ کی چھٹی کی کوئی ضرورت نہیں ہے حالانکہ اگر اسلام میں چھٹی کا کوئی تصور نہیں ہے تو چھٹی نہ کرنے کا بھی تصور نہیں ہے اور اگر آپ چھٹی کو صحیح نہیں سمجھتے تو آپکو اتوار اور ہفتہ کی چھٹی کو بھی چیلنج کرنا چاہیے ورنہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ اسلامی، دینی ترجمان ہونے کے باوجود اسلامی اہمیت کے حامل دن چھٹی کی نفی کر کے مسیحیوں اور یہودیوں سے منسوب چھٹی کو تقویت دیتے ہیں آخر اس کی کیا منطق ہے؟

۲۔ پاکستان ایک بڑا اسلامی ملک ہونے کے سبب دنیا بھر کے مسلمان ملکوں کے لئے مایہ ناز وافتخار ہے لیکن بہت سے اسلامی ملکوں میں جمعہ چھٹی کا دن ہونے کے باوجود ہمارے یہاں کیوں جمعہ کی چھٹی منسوخ کر کے امت مسلمہ سے وابستگی کو کاٹ کر امت یہود اور مسیحی سے وابستگی کا اعلان کیا گیا ہے۔

۳۔ چھٹی کا دن کام کرنے والوں کے لئے اور ان کے گھر والوں، بال بچوں کیلئے بھی خوشی کا دن ہوتا ہے لہٰذا چھٹی کے دن ہر انسان خوشی مناتا ہے یہودی ہفتہ کے دن خوشی مناتے ہیں مسیحی اتوار کے دن چھٹی مناتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ مقدس ایام ہیں ہم مسلمانوں کے لئے احادیث نبوی کے مطابق جمعہ سید الایام ہے اور اگر ہفتہ میں ایک دن چھٹی کرنی ہے تو ہماری یہ چھٹی جمعہ ہی کے دن کیوں نہ ہو؟۔

۴۔ فلسفہ جمعہ آج کل مسخ ہو چکا ہے جمعہ کو جمعہ اس لئے کہتے ہیں یہ مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے اجتماع کی خوبی یہ ہے کہ زیادہ اجتماع ہو۔ زیادہ اجتماع کی اہمیت اس بات سے معلوم ہوتی ہے کہ تین شرعی میل کے فاصلہ کے اندر دو جمعہ نہیں ہو سکتے یعنی جمعہ کی

سرحد دوفرسخ میں ہے جبکہ سورہ جمعہ میں ارشاد ہوا کہ ''اذان سن کرآ جاؤ'' دوفرسخ سے اذان سن کر تیاری کر کے آنے اور خطبہ ونماز سے فارغ ہوکر واپس جانے کے بعد کتنا وقت کام کیلئے باقی رہتا ہے؟ یوں یہ دن نہ تعطیل میں شامل ہو پاتا ہے اور نہ ہی کام کیلئے کافی ہوتا ہے اس صورت حال کے پیش نظر یہی بہتر ہے کہ اس دن چھٹی ہونی چاہیے۔

ایام ہفتہ کی نام گزاری اوران سے منسوب نحوست وسعادت

ا۔ ہفتہ:

ہفتہ کو انگریزی میں saturday اور اردو میں سنیچر کہتے ہیں یہ ایک دیوتا saturn سے ماخوذ ہے اس دن یہ دیوتا اپنے ہی بچوں کو کھا جاتا تھا۔ لاطینی میں shabat اور عربی میں سبت قطع کرنے کو کہتے ہیں جیسا کہ سورۂ نباء کی آیت ۹ میں کام چھوڑ کر سونے کو سبت کہا گیا ہے: ﴿وجعلنا نومکم سباتا﴾ ''اور ہم نے تمہاری نیند کو (باعث) سکون بنایا''

کتاب صحاح الغت میں سبت آرام اور نیند کو کہا گیا ہے۔ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۰۹ اور ۲۲۲ میں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ہفتے کو عربی میں سبت کہتے ہیں سبت کا ایک مطلب قطع کرنا ہے جیسا کہ سورہ نباء آیت ۹ میں ہے کہ نیند انسان کو کام سے قطع کرتی ہے۔

کتاب صحاح الفت میں راحت اور نیند کو سبت کہا گیا ہے نہج البلاغہ کے خطبہ ۲۰۹ اور ۲۲۲ میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے خطبہ ۲۲۲ میں جناب امیرؑ فرماتے ہیں سبات عقل سے پناہ مانگتا ہوں یعنی عقل کی نیند سے پناہ مانگتا ہوں جب عقل سوتی ہے تو غفلت ہوجاتی ہے یہ کلمہ (سبت) قرآن کریم میں چھ بار ذکر ہوا ہے سورۂ نساء آیت ۱۵۴ اور ۱۴۷ میں اس کا ذکر ہے:

﴿قلنا لهم لا تعدوا فی السبت و اخذ نا منهم میثاقا غلیظا﴾ ''اور ہم نے ان سے کہا ہفتہ کے دن تجاوز نہ کرو اور ہم نے ان سے ایک پختہ عہد لیا'' (نساء/۱۵۴)

قاموس القرآن میں ہے کہ سبت اس دن کا نام ہے جس روز یہود چھٹی مناتے تھے یہ لفظ عبرانی زبان سے عربی میں منتقل ہوا۔ یہود اس دن کو بہت مقدس گردانتے تھے۔ ان کا

کہنا تھا کہ خداوند عالم نے آسمان وزمین کو چھ دن میں خلق کیا یعنی اتوار کو عمل خلقت شروع کیا اور جمعہ تک کام مکمل کرنے کے بعد ہفتہ کے دن آرام کیا اسی حوالے سے یہود ہفتے کو چھٹی مناتے ہیں یہ محض ان کی خام خیالی اور افسانہ سازی ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ تخلیق آسمان وزمین میں نہ ہفتہ سے مراد یہ ہفتہ ہے اور نہ یوم سے مراد یہ یوم ہے جو ہمارے یہاں رائج ہے جو اپنے محور کے گرد زمین کی گردش سے چوبیس گھنٹے میں مکمل ہوتا ہے بلکہ قرآن میں یہاں یوم سے مراد مرحلہ ہے یعنی چھ مرحلوں میں آسمان وزمین کی خلقت ہوئی ہے۔

یہود اس دن (سبت) کو بہت ہی مقدس سمجھتے تھے ایک دفعہ خداوند عالم نے اس دن ان کے لئے شکار پر پابندی لگادی مگر بہت سے لوگوں نے اس پابندی کا احترام نہیں کیا۔ پابندی کی مخالفت کرنے والوں کی خداوند عالم نے مذمت کی ہے سورۂ نساء آیت ۴۷ سورۂ بقرہ ۶۵ سورۂ نحل ۱۱۸، ۱۲۴ سورۂ اعراف ۱۶۳ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے ہفتہ کے دن جب مچھلی کے شکار پر پابندی لگائی تو انہوں نے اس دن کا احترام نہیں کیا بلکہ حیلہ بازی سے کام لیا جسکی وجہ سے خدا نے انہیں مورد لعنت قرار دیا۔

۲۔ اتوار:

مصباح الکفعمی صفحہ ۵۱۴ میں بیان ہے کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ اس دن آسمان وزمین کی خلقت ہوئی۔ نصاریٰ کے نزدیک اتوار خوشی کا دن ہے پیغمبر اکرمؐ کی حدیث ہے کہ اتوار کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اس کا ایک مفہوم تیز دھار اور کاٹنے والی تلوار ہے۔

۳۔ پیر:

پیر، فارسی کلمہ ہے یہ مذکر ہے بزرگ کو بھی پیر کہتے ہیں مرشد کو بھی پیر کہتے ہیں درد تکلیف اور بڑھاپے کو بھی پیر کہتے ہیں اس کو سوموار بھی کہتے ہیں۔ کفعمی کے مطابق پیر کو پیغمبرؐ کی ولادت ہوئی۔ اسی روز آپؐ مبعوث بہ رسالت ہوئے۔ جس روز آپؐ نے مکے سے ہجرت کی وہ پیر کا دن تھا اور پیر ہی کے دن آپ مدینے میں داخل ہوئے آپؐ کی وفات بھی

پیر کے دن ہوئی۔

۴۔منگل:

منگل سنسکرت کا لفظ ہے مذکر ہے جس کا مطلب ہے خوشی، رونق، آبادی۔فارسی میں منگل کو سہ شنبہ کہتے ہیں یہ ایک ستارے کا نام بھی ہے۔

۵۔بدھ:

بدھ کا دن گوتم بدھ سے منسوب ہے ہندوؤں کے طبقاتی نظام میں معاشرے کو چار گروہوں برہمن' کھشتری' ویش اور شودر میں تقسیم کیا گیا ہے گوتم بدھ نے ان طبقات کو غلط قرار دیا اور انکو ختم کرنے کے لئے آواز اٹھائی۔ترک دنیا کو ذریعہ نجات بتایا۔مستدرک وسائل جلد ۸ حدیث ۹۲۰۵ اور ۹۲۰۷ کے مطابق بدھ کا دن نحس ہے بدھ بنی عباس کا دن ہے (وسائل شیعہ ۱۴۹۹۹) اس دن حضرت ابراھیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا۔اسی دن قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کیا۔ بیت المقدس کو اسی دن ختم کیا گیا، حضرت ذکریا کو قتل کیا گیا۔حضرت ایوبؑ مرض میں مبتلا ہوئے، حضرت یوسفؑ کو اسی دن زندان میں ڈالا گیا۔

۶۔جمعرات:

جمعرات کو عربی میں خمیس کہتے ہیں عربی اور اسلامی دونوں لحاظ سے نام کے حوالے سے یہ پانچواں دن ہے بعض روایات میں اس دن کو نحس قرار دیا گیا ہے جبکہ کثیر روایات میں مثلاً کفعمی نے اس دن کو علماء امراء حکام و بزرگان سے ملاقات کے لئے اور قضائے حوائج کے لئے مبارک قرار دیا ہے اسی طرح وسائل الشیعہ حدیث نمبر ۱۵۰۰۳، ۱۵۰۰۶، ۱۵۰۰۷، ۱۵۰۱۱، اور ۱۵۰۱۳ میں آئمہ نے پیغمبر اکرمؐ سے نقل کیا ہے۔خدا نے میری امت کیلئے جمعرات اور ہفتہ کی صبح کو مبارک قرار دیا ہے۔

۷۔جمعہ:

اسلامی تقویم کے مطابق یہ ہفتے کا چھٹا دن ہے اس دن تمام بالغ اور آزاد مسلمانوں پر کسی جامع مسجد میں جمع ہو کر ظہر کی نماز کی بجائے جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں جمعہ کی نماز میں دو

رکعت ہیں اس سے پہلے دو خطبے دیتے ہیں دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑا سا وقفہ ہے سورۂ جمعہ کے آخری رکوع میں حکم دیا گیا ہے کہ جب جمعہ کی اذان سنو تو کاروبار بند کر دو:

﴿یٰایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعة فاسعوا الیٰ ذکر الله و ذروا البیع﴾ ''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت ترک کر دو'' (جمعہ/۹)

فقہاءِ شیعہ کے مطابق نماز جمعہ کے لئے امام سمیت کم از کم پانچ ۵ افراد کا ہونا لازمی ہے فقہ حنفی کے مطابق ۵ یا ۷، مالکی فقہ کے مطابق ۱۳ اور شافعی و حنبلی کے مطابق ۴۰ افراد کا ہونا ضروری ہے۔

نحس اور مبارک زمانہ کیسے، کیونکر اور کن کے لئے ہے؟

جس کُرے میں ہم رہتے ہیں اس کا زمانہ زمین، چاند اور سورج ان تینوں سے مرکب ہے یہ تینوں ملکر ہمارے لئے دن رات ہفتہ مہینہ موسم اور سال تشکیل دیتے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ نحس بنانے کا کردار سورج ادا کرتا ہے؟ کیا سورج کی بعض جگہیں ایسی ہیں جہاں سے زمین کا گزرنا ہمارے لئے نحس قرار پاتا ہے؟ جس طرح کشتی میں سوار انسانوں کیلئے سمندر کی موج سے گزرنا خطرناک ہوتا ہے یا ہوائی جہاز میں سفر کرنے والوں کو کسی دھند سے گزرنا اور گاڑیوں میں سوار لوگوں کے لئے موڑ سے گزرنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے کیا سورج میں بھی کوئی ایسی جگہ موجود ہے؟ یا چاند جسکے انتیس ۲۹ دن اور کچھ ساعت پوری زمین کے گرد گردش کرنے سے مہینہ بنتا ہے اس میں ایسا کوئی مسئلہ ہے قمر در عقرب کا استخراج یا نحوست جو جنتریوں میں بتلایا جاتا ہے وہ اسی حساب سے ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کرات کے ستاروں سے گزرنے میں کیا اثرات ہیں؟ یا خود زمین جسکے اپنے محور کے گرد گردش کرنے سے دن رات وجود میں آتے ہیں تو کیا اس گردش میں ایسا کوئی مسئلہ ہے اگر ہے تو پورا دن نحس نہیں ہونا چاہئے بلکہ یہ نحوست گھنٹوں میں ہونا چاہیے۔

سعادت و نحوست قدیم زمانے سے ذہین انسانی کو مصروف رکھے ہوئے ہے۔تمام

انسان چاہے وہ ملحد، بے دین، دہریہ یا اہل دین و مذہب ہوں، ادیان منحرفہ کے ماننے والے ہوں یا دین اسلام کے پیروکار سب کے ذہین اس کے شکار ہیں ایسی صورت میں ایک محقق کے لئے ضروری ہے کہ وہ معلوم کرے کہ جو چیزیں انسان کے لئے شقاوت کا باعث ہیں اور پیغام بدبختی لاتی ہیں اس کی زندگی میں وہ کہاں سے آتی ہیں؟ اس سلسلے میں چار تصورات ہیں:

عناصر ترکیبی زمان

یعنی جو چیزیں زمان تشکیل دیتی ہیں وہ کبھی کبھی انسان کے لئے شقاوت و بدبختی پیدا کرتی ہیں چنانچہ بہت سی کتابوں اور جنتریوں میں ہر مہینہ کے کچھ مخصوص ایام اور بعض نے ہفتہ کے بعض دنوں کو تمام کام کیلئے یا بعض کام کے لئے باعث شقاوت و نحوست قرار دیا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں قدرے عمیق اور گہری تحقیق کے ساتھ کہ انسان کو یہ شقاوت و نحوست کہاں سے لاحق ہوتی ہے؟ کیا وہ عناصر جو زمان پیدا کرتے ہیں یعنی سورج کی گردش چاند کی گردش یا زمین کی گردش سے شقاوت و نحوست پیدا ہوتی ہے؟

سورج

اس منظومہ شمسی میں سورج کے گرد گھومنے والے سیاروں میں سے ایک سیارہ ہماری زمین ہے زمین کی اپنے محور کے گرد حرکت کے علاوہ اس کی ایک حرکت انتقالی بھی ہے اس حرکت انتقالی میں زمین اپنے مدار میں داخل ہوتے ہوئے بقول ماہرین فلکیات تین سو پینسٹھ ۳۶۵ دن میں سورج کے گرد ایک چکر مکمل کرتی ہے اس پوری ہونے والی گول مسافت میں کتنی ایسی جگہیں ہیں جہاں سے گزرتے ہوئے کسی وقت کسی جگہ کسی چیز سے تصادم مقابلہ یا ٹکراؤ ہوتا ہے یا اس زمین کا سایہ اہل زمین پر پڑتا ہے جسکی بنیاد پر اہل زمین کیلئے نحوست کا سبب بنتا ہو۔ ایسی کوئی بات نہ کسی آیت قرآنی میں ہے نہ کسی روایت میں اور نہ ہی کسی ماہر

فلکیات نے بتائی ہے لہذا تمام اہل زمین کے لئے کوئی نحوست نہیں ہے اور صرف چند گروہ ہی اپنے لئے ایسا سمجھتے ہیں غرض بذات خود سورج نہ صرف یہ کہ کوئی نحوست نہیں ہے بلکہ آیت قرآنی میں خداوند عالم نے سورج کو ہمارے لئے نعمت کے طور پر بیان فرمایا ہے اللہ نے اسے ہمارے فائدہ کے لئے بنایا ہے نہ کہ نقصان کیلئے

چاند

ساڑھے انتیس ۲۹ دن میں زمین کے گرد چاند ایک چکر پورا کرتا ہے تاریخوں میں جو نحوست بتائی گئی ہے وہ ستاروں کے بروج کے اعتبار سے ہے۔ مثلا چاند اس وقت اس برج کے دائرے سے گزرے گا تو یہ اچھا نہیں ہے نحس ہے بالخصوص برج عقرب سے گزرنے کو زیادہ خطرناک قرار دیا ہے حالانکہ چاند کی حرکت تو دراصل ہمارے حساب کے لئے ہے خداوند عالم نے اسے علامت و نشانی کیلئے بنایا ہے اگر چاند کا اس خاص جگہ سے گزرنا طبیعی طور پر اہل زمین کے لئے نحوست کا باعث ہوتا تو تمام اہل زمین کے لئے نحوست ہونا چاہیے تھی جبکہ ایک مخصوص گروہ کے علاوہ دنیا کے باقی لوگ اس طرح نہیں سوچتے۔

زمین

زمین اپنے محور پر گردش کرتے ہوئے چوبیس گھنٹوں میں ایک دور پورا کرتی ہے ،اگر اس کی اپنی گردش میں کوئی نحوست ہے تو اسے گھنٹوں میں ہونا چاہیے نہ کہ دنوں میں یعنی دن نحس ہو رات نحس نہ ہو یا رات نحس ہو دن نحس نہ ہو جبکہ کسی نے ایسا نہیں کہا۔

خود خدا

کہتے ہیں کہ خداوند متعال نے خود نحوست پیدا کی ہے اسمیں چند مفروضے ہیں:

ایک مفروضہ یہ ہے کہ دو الگ الگ خدا ہیں ایک سرور و مسرت پیدا کرتا ہے جبکہ دوسرا نحوست پیدا کرتا ہے یہ ثنویہ اور مجوسیوں کا عقیدہ ہے ان کے علاوہ مجبرہ بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام تر خیر و شر سب اللہ کی طرف سے ہے یہ دونوں ہی عقائد کثیر دلائل و براہین

سے بالخصوص اہل تشیع کے نزدیک باطل ثابت ہو چکے ہیں بعض روایات اور اہل بیتؑ سے وارد دعاؤں کے مطابق خدا بجز خیر کچھ نہیں کرتا شر اس کی ذات سے دور ہے چنانچہ فلاسفہ کہتے ہیں جو منجانب اللہ صادر ہوتا ہے وہ وجود ہے اور وجود خیر محض ہے۔

انسان

اگر کوئی انسان خود اپنے لئے یا دوسرے کیلئے باعث نحوست ہے یعنی یہاں اس کا فاعل انسان ہے تو یہ نظریہ بھی متعدد وجوہات کی بناء پر باطل ہے مثلاً:

۱۔کثیر آیات میں انسان کو خدا کا خلیفہ قرار دیا گیا ہے جسے خدا خود خلیفہ ہونے کا شرف بخشے اس میں نحوست کیوں پیدا کرے گا؟

۲۔اسراء آیت ۷۰ میں ہے کہ خداوند عالم نے انسان کو کرامت وفضیلت بخشی ہے۔

۳۔سورۂ العصر وسورہ والتین میں خداوند عالم نے انسان مومن اور عمل صالح کرنے والے کو برائی اور نحوست سے مستثنیٰ کیا ہے۔

۴۔خداوند عالم نے فرمایا جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا نہ شقی ہوگا۔انسان کی فطرت میں شقاوت نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص شقی ہے تو اس نے اس شقاوت کو اپنے لئے خود انتخاب کیا ہے۔

معاشرہ میں نحوست کو کون فروغ دیتا ہے؟

معاشرہ میں حاکم جور نحوست پھیلاتے ہیں چنانچہ حضرت امام موسیٰ بن جعفر صادقؑ نے فرمایا۔تمام برائیوں کی جڑ امام جائر (ظالم) ہے۔(میزان الحکمت جلد اول ۶۰ نقل از کافی جلد اول ۳۷۴)

دعائے شریف ندبہ اور دعا شریف افتتاح کے آخری فقرات بھی اس بات کے گواہ ہیں۔

مصادر و ماخذ کتاب انبیاءِ قرآن موسیٰؑ، عیسیٰ

تفاسیر اور قرآنیات

☆معجم المفهرس الفاظِ قرآن كريم	محمد فؤاد عبدالباقی
☆معجم المفهرس الفاظ القرآن الكريم	محسن بيدارفر
☆كشاف الموضوعی القرآن الكريم	دارالقرآن الكريم
☆معجم مفصل لمواضع القرآن	محمد خليل عيستانی
☆المقطف من عيون التفاسير	مصطفی الحصن منصوری
☆التفسير التبيان	الشيخ طوسیؒ
☆التفسير المجمع البيان	طبرسی
☆التفسير الشبّر	سيد عبد الله شبّر
☆التفسير الصافی	فيض كاشانی
☆التفسير دُرِ المنثور	جلال الدين سيوطی
☆التفسير الكبير	علی امام فخرالرازی
☆الفسير البيان	آيت الله ابوالقاسم الخوئی
☆تفسير الميزان	آية الله محمد حسين

طباطبائی
☆تفسیر الفرقان — آیة اللّٰه محمد صادقی
تهرانی
☆التفسیر المنیر — الدکتور وهبه الزحیلی
☆تفسیرِ الشعراوی — الشیخ محمد متولی
الشعراوی
☆ایسر التفاسیر — ابوبکر جابر الجزائری
☆تفسیرفی ظلال القرآن — سیدقطب
☆تفسیرجلالین — جلال الدین سیوتی
☆امالی سید مرتضی — سید مرتضی
☆تفسیرالمنار — شیخ محمدعبده
☆صفوة التفاسیر — الصابونی
☆من وحی القرآن — السید محمد حسین الفضل
اللّٰه
☆تفسیر نظم الدرر فی تناسب الآیات و السّور ـ البقا ئینی
☆تفسیر النور الثقلین — الشیخ عبد علی بن جمعة
الحویزی
☆التفسیر البرهان — علامة بحرانی
☆تفسیر الوجیز — وهبة الزحیلی
☆تفسیرتفهیم القرآن — ابواعلیٰ مودودی
☆تفسیرنمونه — آیت اللّٰه مکارم شیرازی
☆تفسیرموضوعی — آیت اللّٰه جوادآملی

☆تفسیرموضوعی — آیت اللّٰه مکارم شیرازی
☆تفسیرموضوعی — آیت اللّٰه جعفرسبحانی
☆من هدی القرآن — آیة اللّٰه محمد تقی مدرس
☆تفسیر قرآن — محی الدین ابن عربی
اندلیسی
☆تفسیر مهمات القرآن — البلنسی
☆تفسیرالکاشف — علامه جوادمغنیه
☆تفسیر ابن بادیس — علامه ابن بادیس
☆التفسیر و المفسّرون فی ثوبه القشیب — آیت اللّٰه هادی معرفت
☆تفسیروالمفسرون — دکتورمحمدحسین ذهبی
☆علوم القرآن عندالمفسرین — مرکزثقافه والمعارف
القرآنیه
☆تفسیرنوین — بانوئ ایران
☆تفسیر به راء ی — آیت اللّٰه مکارم شیرازی
☆تفسیر القرآن الکریم — محمد علی تسخیری و
نعمانی
☆تفسیر ابن عربی — محی الدیں العربی
☆نحو التفسیر موضوعی لسور القرآن الکریم — مهمد الغزالی
☆منهج البیان فی التفسیر القرآن — السید ابن حسن الرضوی
☆محاضرات فی تفسیر القرآن الکریم — سید اسماعیل الصدر
☆تسنیم تفسیر القرآن — آیت اللّٰه جواد آملی
☆زاد التفسیر — جمال الدین قریشی بغدادی

☆التفسير و المفسرون	الدكتورمحمدحسين الذهبي
☆قواعد التفسير	خالدبن عثمان السبت
☆تفسير اسئلة القرآن المجيد و اجوبتها	عبد القادر الرازی
☆تفسيرفتح القدير	محمدعلی بن محمد الشوكانی
☆دانش نامه قرآن	بهاالدين خرمشاهی
☆الكشاف عن حقائق عوامض التزيل	زمخشری
☆در سهيائی از علوم القرآنی	دكتر حبيب اللّه طاهری
☆معجم مفردات الفاظ قرآن	راغبِ اصفهانی
☆معجم التعبيرات القرآنية	محمدادريس
☆ قاموس قرآن	سيد علی اكبر قرشی
☆فرهنگ نامه قرآنی	استان قدس رضوی
☆ترجمه قرآن كريم	علامه شيخ محسن علی نجفی
☆ترجمه قرآن كريم	علامه جوادیؒ
☆ترجمه قرآن كريم	ابوالأعلی مودودی
☆پررسی و ترجمه انفال	آيت اللّه محمدی گلپايگانی
☆الحركة الجهادية فی سورة الناس	پاسدارش ۵۰ ص٦٧
☆ المدرسة القرآنية	آية اللّه سيد محمد باقر الصدرؓ
☆اسس الايمان فی القرآن	آيت اللّه محمد اليزدی
☆الاتقان فی علوم القرآن	علامه جلال الدين السيوطی
☆پرسش وپاسخهای قرآنی	محمدبن ابی بكررازی
☆منهاج الجدل	الدكتورزاهرعواض الالمعی

☆احكام القراٰن	قاضی ابی بكر ابن عربی
☆فتوحات مكيه	محی الدين ابن عربی
☆الكون و الارض و الانسان فی القرآن العظيم	عبد الحميد
☆درسهايی از علوم قرآنی	دكتر حبيب اللّه طاهری
☆روش شناسی تفسير قرآن	محمود رجبی
☆علوم القرآن عند المفسرين	مركز الثقافة و المعارف القرآنيه
☆فی ضلال القراٰن	محمدجعفرالشس الدين
☆پژوهشی پيرامون تدبّردرقرآن	ولی اللّه نقی پورفر
☆الاعجازفی نظم القرآن	الدكتور محمود السيد شيخون
☆الانسان فی القرآن	عباس محمود عقات
☆ الحوار فی القرآن	آيت اللّه فضل اللّه
☆اسرارالآيات	صدر الدين شيرازی
☆التعريف والاعلام	عبدالرحمٰن السهيلی
☆الاشتراك اللفظی فی القرآن الكريم	محمد نور الدين المنجد
☆معجزة القرآن الجديده بنية الآيات و السور	عمر النجد
☆اسلوب دعوت فی القرآن	آيت اللّه حسين فضل اللّه
☆الفرقان والقرآن	الشيخ خالدعبدالرحمٰن العك
☆القرآن فی السلام	السيد محمد حسين طباطبائی
☆قرآن و عرفان و برهان	استاد حسن زاده آملی
☆اطلس القرآن	الدكتور شوقی ابو خليل
☆گنجينه معارف قرآن	ابو الفضل فخر السلام

☆القرآن حكمة الحياة السيد محمد تقى المدرسى

☆اسرر التكرار فى القرآن عبدالقادر احمد عطا

☆البيان فى روائع القرآن الدكتور تمام حسان

☆دراسات فى القرآن-الكريم الـدكتـورمـحـمـد ابـراهيـم

الحفناوى

☆النهى فى القرآن الكريم الدكتور جمال ادين المصر ى

☆الكتاب و القرآن الدكتور محمد شحرور

☆القواعد الحسان لتفسيرالقرآن شيخ عبد الرحمن بن ناصر

☆موجزعلوم القرآن الدكتوردائودالعطّار

☆درّة الرنزيل وغرة التّاويل ابى عبداللّٰه خطيب الا سكا فى

☆المدخل لعلم تفسيركتابِ اللّٰه تعالیٰ ابى النّصر حدا دى

☆ملاك التاويل احمدبن زبيرالغرناطى

☆قواعدالتّدبرالامثل عبـدالـرحـمٰـن حسن حبنكه

الميدانى

☆من وحى القرآن آية اللّٰه مـحـمـدحسين فضل

اللّٰه

☆مجازات القرآن شريف الرضى

☆معالم القرآن فى عوالم الاكوان الشيـخ احـمـدمـحـى الدين

العجوز

☆۵۵۰معماى قرآنى محمدحسين قاسمى

☆التصوير الفنى فى القرآن سيد قطب

☆القرآن فى شهر القرآن الدكتور عبدالحليم محمود

☆شناخت قرآن محمودرجبى، محمود اعراقى

☆التعريف و اعلام عبد الرحمن السهيلى

☆من قضايا الاعلام فى القرآن رمضان الاوند

☆سير تحول قرآن و حديث علـى فـاضـل عبـد الرحمٰن

انصادى

☆معرفت شناسى در قرآن سيد هسين ابراهيميان

☆فى رحاب اللّٰه اضواء على دعا ء كميل عز الدين بحر العلوم

☆النهى فى القرآن الكريم جمال الدين المصرى

☆الفرقان و القرآن الشيخ خالد عبد الرحمٰن العك

☆مجموعه- سخنرانيها و مقالات كنفرانس تهقيقاتى و مفاهيم

قرآن

☆القيامة بين العلم و القرآن الدكتور داود سلمان السعدى

☆اعجاز قرآن علامه سيد مهمد هسين طباطبائى

☆قرآن باب معرفت اللّٰه امام خمينىؒ

☆العلاقة الجنسية فى القرآن الكريم محمد مهدى الاصفى

☆الظواهر الجغرافية بين العلم و القرآن عبد العليم عبد الرحمٰن خضر

☆معطيات آية الموده السيد مهمود الهاشمى

☆پايه ها ى اساسى شناخت قرآن عبد الفتاح طباره

☆الكون والارض والانسان فى القرآن الكريم رجا عبد الحميد عرابى

☆برهان قرآن صدر الدين بلاغى

☆معيارها و عوامل تمدن از نظر قرآن بنياد باقر العلوم

☆نقدى و برسير تحول القرآن على الرضا صدر الدين

☆من الذرة الى المجرة	حمادة احمد العائدی
☆قرآن ثقل اکبر	سید علی کمالی دزفولی
☆دراسات تاریخیة من القرآن الکریم	محمد بیومی مهران
☆البرهان فی نظام القرآن	محمد عنایة اللّٰه اسد سبحانی
☆الجنس فی التصور الاسلامی	محسن محمد عطوی
☆حول القرآن	آیة اللّٰه الفانی الاصفهانی
☆قرآن در عصر فضا	دکتور سید عبد الرضا حجازی
☆دستور الخلاق فی القرآن	دکتور محمد عبد اللّٰه دراز
☆الانحرافات الکبریٰ	سعید ایوب
☆اسالیب البیان فی القرآن	سید الجعفر الحسینی
☆قبس من نور القرآن الکریم	الشیخ محمد علی الصابونی
☆ملاحم القرآن	الشیخ ابراهیم انصاری
☆متشابهات القرآن و مختلفه	محمد بن علی شهر آشوب
☆قاموس القرآن	عبد العزیز سید الاهل
☆تلخیص البیان فی مجازات القرآن	سید شریف الرضی
☆مباحث فی علوم القرآن	الدکتور صبیح الصالح
☆الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل	زمخشری
☆رحمة من الرحمٰن فی تفسیر و اشارات القرآن	محی الدین ابن العربی
☆حقائق هامةحول القرآن الکریم	سید جعفر جعفرمرتضی العاملی
☆سو کندهای قرآن	استاد جعفر سبهانی
☆زوال اسرائیل	شیخ اسعد بیوض التمیمی

☆ادیان آسمانی و مسئلة تحریف	سید مرتضٰی عسکری
☆لباب نقول فی اسباب النزول	جلال الدین عبد الرحمن السیوطی
☆درآستانه قرآن	وکتور محمود رامیار
☆نامه هدایت	دکتور محمد مهدی رکنی
☆الفصحی لغةالقرآن	انور الجندی
☆آسمان وزمین وستاره گان ازنظرقرآن۔	آیت اللّٰه محمدصادقی
☆بشارت عهدین۔	______________
☆بشارات والمقارنات۔	______________
☆نهایة الکون بین العلم و القرآن	محسن عبد الصاحب المظفر
☆تفسیر القرآن الکریم	صدر المتالهین
☆پژوهشی درباره قرآن و تاریخ آن	سید محمد باقر حجتی
☆واژه های قرآن	سید حسین شفیعی دارابی
☆الایات العجاب فی رحلة الانجاب	حامد احمد حامد
☆عجائب القرآن	السید الجمیلی
☆وجوة قرآن	ابو الفضل حبیش بن ابراهیم تفلیسی
☆مباحث فی تفسیر الموضوعی	الدکتور مصطفی مسلم
☆دراسات فی القرآن الکرین	علی مهمد الاصفی
☆من اشعه القرآن	محمد امین زین الدین
☆شگفتیها ازاعجاز در قرآن	الدکتور محمد جمال الدین

فندی

☆کلید های فهم قرآن	علی رضا صدرلدینی

☆القرآن والا حوال المناخية	محسن عبدالصاحب المضفر

☆علوم طب فی القرآن۔	استادخلیل

☆تفسیرالآیات فی کتاب التکامل فی الاسلام	استاداحمدامین

☆رحلة المدرسية۔	آیت اللّٰه جوادبلاغی

☆سیر تحول قرآن و حدیث	علی فاضل عبدالرحمن انصاری

☆افسانه تحریف قرآن	رسول جعفریان

☆رسالت قرآن	آیت اللّٰه جوادی آملی

☆آشنائی با قرآن	استاد مرتضی مطهری

☆علوم قرآن یا تفسیر موضوعی	آیت اللّٰه مرتضی حائری یزدی

☆علوم القرآن	السید محمد باقر الحکیم

☆السنن التاریخية فی القرآن المجید	الشیخ الزکابی

☆بحوث فی تاریخ القرآن و علومه	ابو الفضل میر محمدی

☆الکون والانسان بين العلم و القرآن	بسام دفضع

☆اسرار الکوب فی القرآن	الدکتور داؤد سلمان السعدی

☆القرآن الکریم و روایات المدرستين	السید مرتضیٰ العسکری

☆شناخت شناسی در قرآن	آیت اللّٰه جواد آملی

☆بحوث فی اصول التفسیر و مناهجة	فهد بن سلیمان الرومی

☆منهج القرآن فی تطویر المجتمع	الدکتور محمد البهی

☆القرآن الکریم و التوراة و الانجیل و العلم	موریس بوکائی

☆سنتهائی اجتماعی در قرآن کریم	احمد حامد مقدم

☆سورة اعلی و زلزال	ملا صدرا

☆هدایت در قرآن	آیت اللّٰه جواد آملی

☆قرآن و کتابهائی دیگر آسمانی	شهید سید عبد الکریم هاشمی نژاد

☆الی لقرآن الکریم	الامام محمود شلتوت

☆الظاهرة القرانية	مالك بن نبی

☆الاعتذار محمد و القرآن	جان دیون پورت

☆المبادی العامة لی تفسیر القرآن الکریم	دکتور محمد حسین علی الصغیر ا

☆فرهنگ رائد الطلاب	جبران مسعود

☆قاموس المذاهب و الادیان	حسین علی حمد

☆قرآن و فرهنگ زمانه	سید محمد علی

☆معجم الفرائد	ابراهیم السامرائی

☆الاولیات الحرکية	فتحی یکن

☆دانشنامه پژوهش قرآنی	بها الدین خرم شاهی

☆اعلام القرآن	دکتر محمد خزائلی

☆قرآن و تفسیر عصری	سید محمد علی ایازی

☆تفسیر الموضوعی قرآن الکریم قرآن در قرآن	حضرت آیت الله جوادی آملی

☆تفسیر سوره لقمان	محسن قرآئتی

☆المختار من تفسیر القرآن العظیم	محمد متولی

الشعراوی

☆نحو تفسیر موضوعی لسو رالقرآن الکریم — محمد الغزالی

☆تفسیر موضوعی قرآن مجید — آیت الله جوادی آملی

☆النظریة الاجتماعیه فی القرآن الکریم — ڈاکٹر زهیر العرجی

☆قرآن و مقام زن — سید علی کمالی

☆صدفهائی قرآنی — محمود اکبری

☆الاستشراق فی میزان نقد الفکر الاسلامی — ڈاکٹر احمد عبد الکریم سابح

کتب تاریخ وسیرت

☆تاریخ از دیدگاه امام علیؑ — علامه محمد تقی جعفری

☆تاریخ الانبیاء حماسه بت شگنان — عزیز الله کاسب

☆در آمدی بر تاریخ گذاری قرآن — دکتر جعفر نکونام

☆القرآن والعلم الحدیث — عبد الرزاق نوفل

☆نهایة الکون بین العلم و القرآن — محمد عبد الصاحب مظفر

☆الکون والانسانبین العلم و القرآن — بسام دفضع

☆هذا الکون ماذا نعرف عنه — الدکتور ارشد المبارك

☆الکون و العرض و الانسان فی القرآن العظیم — رجا عبد الحمید

☆ستارگان از دیدگاه قرآن — آیت الله محمد صادقی تهرانی

☆استناد به قرآن کریم در کلام معصومین — محمد تقی واحدیان

☆آیت های و هدایت هائی پیامبران — ابوالقاسم تجری

☆دراسات فنیة فی صور القرآن — ڈاکٹر محمود البستانی

☆الظاهرة القرآنیه — مالك بن نبی

☆جدل و استدلال در قرآن کریم — محمد علی حزائلی

☆قرآن حکیم از منظر امام رضاؑ — آیت الله جوادی آملی

☆نگرش قرآن بر حضور زن در تاریخ انبیاء — استاد منیر گرجی

☆تعلیم زبان قرآن — رقیه محمودی

☆بررسی نظریة عرفی بودن زبان قرآن — ناهید دامن پاك

☆مزاهب الفلسفیة — محمد جواد مغنیة

☆قرآن شناسی — استاد محمد مصباح یزدی

☆فلسفه حقوق بشر — آیة الله جوادی آملی

☆معنی شناسی واژگان قرآن — سید حسین سیدی

☆چهل مثل از قرآن کریم — حسین حقیقی جو

☆الکون و الانسان بنے العلم و القرآن — بسام دفضع

☆الدین فی مواجهة العلم — وحید الدین خان

☆درسهیائی از علوم قرآنی — حبیب الله طاهری

☆القرآن الکریم و التوراة و الانجیل و العلم — موریس بوکای

☆یکصد و چهارده سوال قرآنی — حسین جمشیدی

☆لقمان و حکمت های دهگانه او در قرآن — محمد محمدی اشتهاردی

☆آشنائی با قرآن — استاد مرتضی مطهری

☆هدایت در قرآن	آیت الله جوادی آملی
☆قرآن معجزه جاوید اسلام	احسان زاهری
☆باطن و تاویل قرآن	مصطفی کریمی
☆معجزة القرآن الجدیده	عمر النجدی
☆المعجزة	منهاس عدنان
☆علمیة الحیاة	مصطفی السابعی
☆الاعجاز العددی	عبد الرزاق نو فل
☆التنجیم و السحر	سید محمد الصدر
☆معیار الشرك فی القرآن	عز الدین الرجنانی
☆قصص الانبیاء	ابو عبد الله سید
☆اطلس القرآن	شوقی ابو الخلیل
☆المتخب من قصص الانبیاء	فاضل فرائتی
☆القصة فی القرآن الکریم	محمد سید طنطاوی
☆قصص الانبیاء	المرحوم عبد الوهاب النجار
☆قصص القرآن	محمد ابو الفضل الابراهیم
☆قصص القرآنی	عماد زهیر حافظ
☆قصه و نکات تربیتی آن در قرآن	سید سعید مهدوی
☆قصص الانبیاء فی القرآن الکریم	سمیع عاطف
☆القصص القرآنی	عبد الکریم الخطیب
☆قصص الانبیاء	شیخ عبد الرحمٰن
☆قصص الانبیاء	عبد الوهاب النجار
☆الانحرافات الکبری	سعید ایوب

☆دراسات فلکیة من وحی القرآن الکریم	حمادة احمد العائدی
☆الانباء فوق الشهبات	محمد محمود مرتضی
☆فرهنگ اصطلاحات قرآنی	یوسف حریری
☆السنن التاریخیة فی القرآن الحمید	الشیخ الزکابی
☆آشایی با سورهائی قرآن	احمد قاضی زاهدی گلپایگانی
☆مباحث فی التفسیر الموضوعی	ڈاکٹر مصطفی مسلم
☆الحوار فی القرآن	آیت الله سید محمد حسین فضل الله
☆التحقیق فی الکلمات القرآن الکریم	حسن مصطفوی
☆مناهج الجدل	زاهر عواض
☆مناهج الرسل	السید احمد قبایچی
☆التفسیر الاسلامی للتاریخ	ڈاکٹر عماد الدین خلیل
☆تحلیل عناسر ادبی و هنری داستانهائی قرآن	خلیل پروینی
☆معجم البلدان	یعقوت حموائی بغدادی
☆معالم الدعوة فی القصص القرآن الکریم	عبدالوهاب بن لطف دیلمی
☆بحوث فی القصص القرآن	سید عبد الحافظ
☆قصص القرآن	محمد علی قطب
☆قصص الانبیاء	علامه شعراوی
☆قصص الانبیاء	علامه ابن کثیر
☆قصص الانبیاء	سید نعمت اللّٰه جزائرای
☆قصص القرآن	آیت اللّٰه سید محمد باقر الحکیم

☆القصه فی القرآن	محمدطنطاوی
☆اسالیب فی بیان فی القرآن	سید جعفر حسینی
☆مع الانبیاء فی القرآن	حفیف عبد الفتاح طیار
☆قصص الانبیاء	عبد الرحمٰن بن ناصر سعدی
☆دراساتِ فنیة فی قصص القرآن	محمعد البُستانی
☆قصص الانبیاء و المرسلین	علامه شعراوی
☆فرهنگ رائد الطلاب	جبران مسعود
☆النظریة الاجتماعیه فی القرآن الکریم	ڈاکٹر زهیر العرجی
☆قرآن و مقام زن	سید علی کمالی
☆صدفهائی قرآنی	محمود اکبری
☆تفسیر سورئه لقمان	محسن قرآئتی
☆الاستشراق فی میزان نقد الفکر الاسلامی	ڈاکٹر احمد عبد الکریم سابح
☆تاریخ از دیدگاه امام علیؑ	علامه محمد تقی جعفری
☆استناد به قرآن کریم در کلام معصومینؑ	محمد تقی واحدیان
☆آیت های و هدایت هائی پیامبران	ابوالقاسم تجری
☆تاریخ الانبیاء حماسه بت شگنان	عزیز الله کاسب
☆الظاهرة القرآنیه	مالك بن نبی
☆المتخب من قصص الانبیاء	فاضل فرائتی

نہج البلاغہ ترجمہ وشرح متعلقات

☆ شرح	محمّد عبده
☆شرح نهج البلاغه۔	ابو القاسم الخوئی علیه الرحمه

☆شرح نهج البلاغه .	ابن ابی الحدید
☆شرح نهج البلاغه	میثم بحرانی
☆شرح و ترجمه .	علامه محمد تقی جعفری
☆فی ضلال نهج البلاغه	علامه محمد جواد مغنیه
☆ترجمه	علامه ذیشان حیدر جوادی
☆ترجمه	علامه مفتی جعفر
☆قاموس نهج البلاغه	محمد علی شرقی
☆معجم نهج البلاغه	علامه محمد دشتی و محمد کاظم
☆ترجمعه هنج البلاغه ۔	آیت اللّٰه ناصر مکارم شیرازی
☆ترجمعه .	محمد جواد فاضل
☆الدلیل الی موضوعات نهج البلاغه	________
☆معجم موضوعی نهج البلاغه	________
☆مصادر نهج البلاغه	________
☆خوارج از دیدگاه نهج البلاغه	آیة اللّٰه نوری همدانی
☆فی رحاب نهج البلاغه۔.	آیة اللّٰه شهید مرتضی مطهری
☆نظامِ حکم دالأراده فی نهج البلاغه	مهدی شمس الدین
☆شرح نهج البلاغه	آیة اللّٰه منتظری
☆فرهنگ آفتاب	حمیدمعادیخواه
☆تصنیف نهج البلاغه	لفیف بیضون

☆نہج البلاغه	صبحی سالم
☆ترجمه هنج البلاغه	علامه جوادی
/ترجمه هنج البلاغه	علامه مفتی جعفر
☆فصوص الحکم .	محی الدین ابن عربی
☆نصوص الحکم برفصوص الحکم۔	آیت اللّٰہ حسن زاده آملی

معاجم وقوامیس

☆لسان العرب	ابن منظور
☆تاج العروس	————
☆المنجد	————
☆لسان للسان تهذیب لسان العرب	ابی الفل جمال الدین محمد بن مکرم
☆قاموس اللغات	————
☆قائد اللغات	————
☆انوار اللغات	————
معجم الموضوعات المطروقة	————
☆آئینه اردو لغت	————
☆اظهر اللغت	————
☆فیروز اللغت	————
☆حسن اللغت	————
☆فرهنگ فرهنگ رائد الطلاب	————
☆فرهنگ آصفی	————
☆فرهنگ عمید	————
☆لغات علمی	————

☆کشاف اصطلاحات	————
☆معجم فقه۔جواهری	————
☆کشاف الفنون	————
☆معجم و مؤلفین	————
☆موسوعة کشاف اصطلاحات	————
☆الفنون و العلوم	علامه محمد التحانوی
☆ رسالت القرآن دارالقرآن الکریم	ش۱ تا ۱۲ قم ایران
☆پژوهشهائی قرآنی	ش ۱ تا ۸۔ ۲۳تا ۲۶
☆ مجله بینات	ش،۱،۶،۹،۱۲ قم ایران
☆المعارج	ش،۱،۸،۹،لبـــنـــــــان ش
۱۸۔۱۹۔۲۰	
☆ سیارۂ ڈائجسٹ	قرآن نمبر ۱۔۲۔۳
☆ترجمان وحی	ایران
☆ترجمان القرآن	لاهور
☆مجله نقد و نظر	دفتر تبلیغات اسلامی قم
☆مجله ثقافة الاسلامیة	رایزنی ایران دمشق ش ۱/ ۷۰
☆مجله الرصد	رایـزنـی جـمهـوری اسلامی ایران
لبنان	
☆کیهانِ اندیشه	————
☆مجله التوحید	سازمان تبلیغات اسلامی
تهران	
☆مجله المنطلق	لبنان

☆مجله البینات لبنان۔خطابات مصاحبات آیة الله فضل الله

☆مجله نورالاسلام جامعة المدرسین

☆مجله حوزه

ش١٩،٢٠،٢١،٣١،٣٩تا٤٢،٧٩،٨٠

☆مجله مشکوة مشهد

☆مجلات العربی الکویت

☆رسالة الاسلام کلیه اصول الدین بغداد

☆مجلاتِ النجف۔ نجف

☆مجلات۔ الاضواءِ النجف۔ نجف

☆الاعتصام۔سازمان تبلیغات اسلامی ایران

☆نامه فرهنگ۔ وزارة ارشاد

☆نورالاسلام۔ موسسئه امام حسینؑ لبنان

☆اخبارِ جنگ۔ راولپنڈی

☆اخبار نوائے وقت۔ راولپنڈی

☆مجله ثقافتِ اسلامیه رائیزنی جمهوری اسلامی ایران دمشق

☆مجله رسالت الثقلین مجمع اهل البیتؑ ایران

☆مجله دارالتقریب ایران

☆مجله رسالت الاسلام۔ دارالتقریب الاسلامی مصر

☆مجله فکرِ اسلامی

☆مجلهِ فکرِ جدید۔ لندن

☆مجله پاسدار۔ ایران

☆مجله فکروثقافت۔سوالات وجوابات آیت الله فضل الله

☆مجله اندیشه حوزه ش ١ ص ١٠٧

☆مجله کیهان اندیشه ش ٣٢ ص ٥٨ـ٨٤

☆مجله کیهان اندیشه ش ١٦ص٣٣،٤٧

☆مجله کیهان اندیشه ش ١٧ ص ٣٧

☆مجله رساله تقریب

فہرستِ مضامین

عرضِ ناشر ---- ۵
تمہید ---- ۷
انبیاءکا اپنی قوم سے خطاب ---- ۱۷
قوموں کے جوابات ---- ۱۹
امتوں کا انبیاء کے ساتھ رویہ ---- ۲۱
قصص انبیاءؑ کے قارئین کے اہداف کیا ہونے چاہیے؟ ---- ۲۶
قصۂ حضرت موسیٰؑ ---- ۳۱
قصص قرآنی کے امتیازات ---- ۳۳
قصص انبیاءؑ میں مشترکات ---- ۳۴
قصص قرآن کے اہداف ومقاصد ---- ۳۹
قصص قرآن کے تکرار کا فلسفہ ---- ۴۰
تکرار قصہ اور اہداف قصہ میں تناسب ---- ۴۱
قصہ موسیٰؑ وفرعون کے چار عناصر ---- ۴۶
مصر ---- ۴۷
شہر مدین ---- ۴۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر ---- ۵۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام ---- ۵۲
نام گرامی مادر حضرت موسیٰ علیہ السلام ---- ۵۴
خواہر حضرت موسیٰ علیہ السلام ---- ۵۶
حضرت ہارون علیہ السلام ---- ۵۶
ہارون علیہ السلام کا منصب وزارت پر فائز ہونا ---- ۵۷

زوجۂ فرعون ---- ۵۸
حضرت موسیٰ اور زوجہ فرعون ---- ۵۹
مومنِ آل فرعون ---- ۶۰
بنی اسرائیل ---- ۶۱
قرآن اور ذہنیت بنی اسرائیل ---- ۶۲
عناد اور ضدّیتِ قوم یہود ---- ۶۴
سامری ---- ۶۶
''ہامان'' ---- ۶۸
''قارون'' ---- ۶۸
قارون کے خصوصیات ---- ۶۹
''فرعون'' ---- ۷۲
فرعون کے مظالم ---- ۷۵
انبیاء کی دعوت کے تین مرکزی نکات ---- ۷۷
دعوت انبیاء کے مزاحم اور مانعین ---- ۷۷
فرعونیت اور طاغونیت ---- ۷۸
فرعون اصلی اور فرعون تقلیدی ---- ۷۹
فراعن قدیم وجدید ---- ۸۰
فرعونیت کے ستون ---- ۸۱
داخلی استعمار اور طاغوت کی نبیادیں ---- ۸۵
نظام فرعونی کے اہداف ---- ۸۶
نظام فرعون کی برقراری کے مقدمات اور تمہیدات ---- ۸۷
شہید الصدرؒ کا فرعونی معاشرہ کے قیام پر تحلیل اور تجزیہ ---- ۸۸

مثل اعلیٰ اور مثل فرعونی میں فرق ـــ ۹۲
شناخت انبیاء ـــ ۱۰۲
۱۔ نبی کی اپنی شخصیت ـــ ۱۰۶
۲۔ انبیائے گذشتہ کی بشارت ـــ ۱۰۸
۳۔ ''معجزہ'' یا آیاتِ انبیاء ـــ ۱۱۳
معجزہ اور قانون علت ـــ ۱۱۸
''معجزہ'' خرق عادت قانون طبیعت کے خلاف عمل ـــ ۱۲۰
قانون طبیعت ''قدر'' ـــ ۱۲۱
''سحر'' ـــ ۱۲۲
''سحر'' لغت اور قرآن میں ـــ ۱۲۳
سحر اور جادو ـــ ۱۲۹
جابر وظالم حکمران اور سحر ساحران ـــ ۱۳۳
خود نبی کیلئے ''معجزہ'' کی ضرورت کیوں ہے؟ ـــ ۱۳۵
حضرت موسیٰ کے معجزات ـــ ۱۳۷
قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا متن ـــ ۱۴۴
ولادت حضرت موسیٰ علیہ السلام ـــ ۱۴۷
موسیٰ کا شہر منف میں داخل ہونا ـــ ۱۴۸
اس واقعہ سے حاصل ہونے والے درس ـــ ۱۵۲
فرعون کے گھر میں موسیٰ کے قتل کا انکشاف ـــ ۱۵۳
قصر فرعون سے مومن قاصد کی آمد ـــ ۱۵۳
مایہ حیات پر استعمالی جنگ ـــ ۱۵۴
نبی اور نبی زادی کی شادی ـــ ۱۵۶

درس وعبرت ـــ ۱۵۷
حضرت موسیٰ ؑ وادی مقدس کے قریب ـــ ۱۵۹
حضرت موسیٰ ؑ دربار فرعون میں ـــ ۱۶۳
فرعون کے غرق ہونے کا قصہ ـــ ۱۷۲
بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ ؑ علیہ السلام سے بت سازی کا مطالبہ ـــ ۱۷۵
ایک بستی کا قیام ـــ ۱۷۶
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کوہ طور کی دعوت ـــ ۱۷۷
نزول تورات اور بنی اسرائیل ـــ ۱۸۰
سفر تکوین ـــ ۱۸۱
درخواست دیدار حسی اور عینی سبحانہ تعالیٰ ـــ ۱۸۲
نزول من وسلویٰ ـــ ۱۸۵
قوم حضرت موسیٰ ؑ اور گوسالہ پرستی ـــ ۱۸۵
سامری ـــ ۱۸۸
سزائے سامری ـــ ۱۹۲
انجام گوسالہ ـــ ۱۹۲
روز ہفتہ ـــ ۱۹۴
بنی اسرائیل کے دلوں سے پتھر بہتر ہے ـــ ۲۰۰
رہبر صالح کی نافرمانی کا انجام طویل عمر کی سرگردانی ـــ ۲۰۱
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور علم ومعرفت کی تشنگی ـــ ۲۰۲
موسیٰ علیہ السلام اور رختِ سفر ـــ ۲۰۴
قصہ حضرت موسیٰ اور فرعون سے عبرتیں ـــ ۲۰۶
حضرت عیسیٰ علیہ السلام ـــ ۲۱۰

میلا د حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۱۱

ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۱۵

نظام ولادت قرآن وسنت، عقل وتجربہ کی روشنی میں ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۱۷

اقسام ولادت ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۱۸

فلسفۂ احتیاج اور نیازمندی اولاد ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۲۵

خدا اور فرضیہ ولد ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۲۷

خدا کیلئے فرزند کا تصور کرنے کے بارے میں چند مفروضات ممکن ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۰

۱۔ اولاد حقیقی ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۰

۲۔ (اولاد مجازی باپ ختم ہو کر بیٹے میں تبدیل ہو جائے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۰

۳۔ اولاد نسبتی یا اشرافی ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۱

اولاد نسبتی کی اقسام ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۵

خلاصہ کلام ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۷

حضرت عیسیٰ کی صفات ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۹

معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۴۳

عیسیٰؑ اور صلیب ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۴۶

حضرت عیسیٰؑ کی قربانی ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۴۹

حضرت عیسیٰ اور غلو ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۵۰

یہود و نصاریٰ کی اسلام و مسلمین سے شدید ترین دشمنی ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۵۰

''عید'' قرآن اور روایات اسلامی کی روشنی میں ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۵۱

''سالگرہ''، یعنی تقریبات روز ولادت ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۵۶

''سالگرہ'' ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۵۷

''تقویم'' اسلامی ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶۸

استراحت ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۸۱

مذہبیات ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۸۱

ایام ہفتہ کی نام گزاری اور ان سے منسوب نحوست وسعادت ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۸۵

نحس اور مبارک زمانہ کیسے؟ کیونکر اور کن کے لئے ہے؟؟ ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۸۸

مصادر و مآخذ کتاب ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۹۲

فہرست مضامین ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۱۳